



۷۸۶

۱۱۰-۹۲

یا صاحب الزماں ادرکنی



لبیک یا حُسین ؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

www.ziaraat.com

SABEEL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.co.cc
sabeelesakina@gmail.com

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

عبداللہ بن سبا

اور

دوسرے تاریخی افسانے

پہلی جلد

علامہ سید مرتضیٰ عسکری

مترجم: سید قلبی حسین رضوی

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے''

قال رسول اللهﷺ : ”انی تارک فیکم الثقلین،
کتاب الله، وعترتی اهل بیتی ما ان تمسکتم بهما
لن تضلّوا ابدا وانهما لن یفترقا حتّیٰ یردا علیّ
الحوض“.

حضرت رسول اکرمﷺ نے فرمایا: ”میں تمہارے درمیان
دوگرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں: (ایک) کتاب خدا اور
(دوسری) میری عترت اہل بیت (علیہم السلام)، اگر تم انھیں
اختیار کئے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے
یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں“۔

(صحیح مسلم: ۱۲۲/۷، سنن دارمی: ۴۳۲/۲، مسند احمد: ج۳، ۱۴، ۱۷، ۲۶، ۵۹.
۳۶۶/۴ و ۳۷۱، ۱۸۲/۵، ۱۸۲ اور ۱۸۹، مستدرک حاکم: ۱۰۹/۳، ۱۴۸، ۵۳۳. وغیرہ.)

عبداللہ بن سبا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

اے اہل کتاب! کیوں حق کو باطل سے مشتبہ کرتے ہو اور جانتے ہوئے حق کی پردہ پوشی کرتے ہو؟! (آل عمران/۷۱)

عبداللہ بن سبا

اور

دوسرے تاریخی افسانے

پہلی جلد

علامہ سید مرتضیٰ عسکری

مترجم: سید قلبی حسین رضوی

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

سرشناسه	: عسکری ، مرتضی ، -۱۲۹۳
عنوان قراردادی	: عبدالله بن سبأ و اساطیر اخری / اردو
عنوان و پدید آور	: عبدالله بن سبا اور دو سری تاریخی انسانی / مرتضی عسکری ؛ مترجم قلبی حسین رضوی
مشخصات نشر	: قم : مجمع جهانی اهل البیت (ع) ، ۱۳۸۵.
مشخصات ظاهری	: ۳ ج . (در یک مجلد)
شابک	: (دوره 5 - 046 – 529 - 964) (ج ۲ – ۳) 7 -045 - 529 - 964) (ج ۱) 3 – 131 – 529 - 964)
یادداشت	: فیپا
یادداشت	: کتابنامه
موضوع	: غلات شیعه .
موضوع	: عبدالله بن سبا ، ۱۴۰ ق
موضوع	: شیعه – تاریخ
موضوع	: حدیث – نقد و تفسیر
شناسه افزوده	: رضوی ، قلبی حسین ، مترجم .
شناسه افزوده	: مجمع جهانی اهل بیت (ع)
رده بندی کنگره	: ۱۳۸۵ ۵۵۰۴۶ ع ۲ س/ BP ۲۴۱/۸
رده بندی دیویی	: ۲۹۷/۵۳۸
شماره کتابخانه ملی	: ۲۱۴۰۸ - ۸۵ م



عبداللہ بن سبا: (پہلی جلد)

تالیف: علامہ سید مرتضی عسکری

ترجمہ: سید قلبی حسین رضوی

پیشکش: معاونت فرہنگی، ادارۂ ترجمہ

اصلاح: اخلاق حسین پکھناروی

نظرثانی: مرغوب عالم عسکری

کمپوزنگ: المصباح کمپوزنگ سینٹر

ناشر: مجمع جہانی اہلبیت علیہم السلام

طبع: اول

سال طبع: صفر المظفر ۱۴۲۷ھ

تعداد: ۳۰۰۰

مطبع: لیلی

ISBN: 964-529-045-7

WWW.ahl-ul-bayt.org

info@ahl-ul-bayt.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف اول

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت وظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے حتی ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے اور غنچہ وکلیاں رنگ ونکھار پیدا کر لیتی ہیں تاریکیاں کافور اور کوچہ وراہ اجالوں سے پرنور ہوجاتے ہیں، چنانچہ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت وقابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔

اسلام کے مبلغ وموسس سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حراء سے مشعل حق لے کر آئے اور علم و آگہی کی پیاسی اس دنیا کو چشمہ حق وحقیقت سے سیراب کردیا، آپ کی تمام الٰہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھی، اس لئے ۲۳ برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمران ایران وروم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑ گئیں، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت وعمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے تو مذہب عقل وآگہی سے روبرو ہونے کی توانائی کھودیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان ومذاہب اور تہذیب وروایات پر غلبہ حاصل کر لیا۔

اگر چہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ گرانبہا میراث کہ جس کی اہل بیت علیہم السلام اور ان کے پیرووں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت و پاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کے بے توجہی اور ناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لئے تنگنائیوں کا شکار ہوکر اپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کردی گئی تھی، پھر بھی حکومت وسیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہل بیت علیہم السلام نے اپنا چشمہ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے ایسے جلیل القدر علماء ودانشور دنیائے اسلام کو تقدیم کئے جنھوں نے بیرونی افکار ونظریات سے متاثر اسلام وقرآن مخالف فکری ونظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگیں تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشتپناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام وقرآن اور مکتب اہل بیت علیہم السلام

کی طرف اٹھی اورگڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکری و معنوی قوت و اقتدار کو توڑنے کے لئے اور دوستداران اسلام اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب و کامران زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین و بے تاب ہیں، یہ زمانہ علمی اور فکری مقابلے کا زمانہ ہے اور جو مکتب بھی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھا کر انسانی عقل و شعور کو جذب کرنے والے افکار و نظریات دنیا تک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔

(عالمی اہل بیتؑ کونسل) مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام نے بھی مسلمانوں، خاص طور پر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کے پیروؤں کے درمیان ہم فکری و یکجہتی کو فروغ دینا وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر انداز سے اپنا فریضہ ادا کرے، تاکہ موجودہ دنیائے بشریت جو قرآن و عترت کے صاف و شفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے سیراب ہو سکے، ہمیں یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوتؐ و رسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدوخال میں دنیا تک پہنچادی جائے تو اخلاق و انسانیت کے دشمن، انانیت کے شکار، سامراجی خونخواروں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جا سکتا ہے۔

ہم اس راہ میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققین و مصنفین کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفین و مترجمین کا ادنیٰ خدمتگار تصور کرتے ہیں، زیر نظر کتاب، مکتب اہل بیت علیہم السلام کی ترویج و اشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، فاضل علامہ سید مرتضیٰ عسکری کی گرانقدر کتاب عبداللہ بن سبا کو فاضل جلیل مولانا سید قلبی حسین رضوی نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیا ہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکر گزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں، اسی منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں اور معاونین کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کے منظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنیٰ جہاد رضائے مولیٰ کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام

مدیر امور ثقافت، مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

فہرست

پہلا حصہ:

دوسرا حصہ:

تیسرا حصہ:

چوتھا حصہ:

پانچواں حصہ:

خاتمہ

خطوط اور مقدمے

- کتاب عبداللہ بن سبا کی علمی قدر و قیمت
- ایک شیعہ دانشور محترم جناب شیخ محمد جواد مغنیہ کا نظریہ
- الازہر یونیورسٹی، مصر کے مجلّہ کا جواب
- مباحث پر ایک نظر
- سلسلۂ مباحث کی پیدائش

کتاب عبداللہ بن سبا کی علمی قدر و قیمت

مصر کی الازہر یونیورسٹی کے پروفیسر جناب ڈاکٹر حامد حفنی داؤد کا خط

کتاب عبداللہ بن سبا، آخر میں دوسرے ایڈیشن کے عنوان سے مصر میں دوسری بار شائع ہوئی ہے، اس کتاب نے اہل سنت ممالک میں گہرا اثر ڈالا ہے اور مصر کی یونیورسٹیوں خاص کر الازہر یونیورسٹی کے دانشوروں اور اساتذہ کی توجہ کا سبب بنی ہے اور مصر کی یونیورسٹیوں میں غیر معمولی اثر ڈالا ہے، مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے دانشوروں کی طرف سے مؤلف کو اس کتاب کو پسند کرنے کے سلسلہ میں کئی خطوط ملے ہیں، ان میں سے ایک جناب ڈاکٹر حامد کا خط ہے، وہ مصر کے ایک نامور دانشور ہیں، جو کئی قابل قدر تحقیقی تالیفات کے مالک ہیں۔

چونکہ یہ خط انصاف و عدالت کا ایک نمونہ اور تعصب اور ہٹ دھرمی کی سرحدوں کو توڑنے والا ایک عنوان ہے اس لئے ہم اسے ترجمہ کرکے شائع کرتے ہیں [1]

---

[1] نشریہ سالانہ مکتب تشیع ۳۰۲/۴۔

خط کا مضمون

تاریخ اسلام کی تیرہ صدیاں اختتام کو پہنچی ہیں ان تیرہ صدیوں کے دوران ہمارے دانشوروں کے ایک گروہ نے حتی الامکان شیعوں کے خلاف آواز اٹھائی ہے اور حقائق کو اپنی نفسانی خواہشات سے مخلوط کیا ہے اس ناپسندیدہ روش کی وجہ سے اسلامی فرقوں کے درمیان گہرے اختلافات پیدا ہوئے ہیں، نتیجہ کے طور پر شیعہ دانشوروں کے فکر واندیشہ کے گوہر کو حقیر سمجھا گیا ہے اسی روش کی بنا پر علمی دنیا کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا ہے۔

شیعہ دانشوروں کے افکار سے علم محروم رہا ہے کیونکہ دشمنوں نے شیعوں کے پاک وصاف دامن کو داغدار بنا کر انھیں ایک توہمات وخرافات کے حامل گروہ کے طور پر پہچنوایا ہے، بے شک ہم شیعوں کے صاف وشفاف علمی چشمۂ زلال سے ایک گھونٹ پی سکتے تھے نیز اس مذہب کے سرمایہ سے فائدہ اٹھا سکتے تھے، لیکن افسوس کہ ہمارے گزشتہ دانشوروں نے تعصب سے کام لیا اور عقل کو ھوا وہوس پر ترجیح نہیں دی، اے کاش کہ وہ لوگ عقل کی پیروی کرتے اور جذبات کے کھلونے نہ بنتے!!

جو کوئی تعصب کے عینک کو اتار کر فقہی مباحث کیلئے اقدام کرے اور فقہ مذاہب چہارگانہ پر تحقیق کرے، وہ شیعہ فقہ سے بھی استفادہ کرنے پر مجبور ہے اور بے شک جب فقہ اہل سنت پر تحقیق کرے تو اس وقت شیعہ فقہ کا بھی مطالعہ کرنا چاہئے اور اس سے آگاہ ہونا چاہئے۔

ہم کب تک خواب غفلت میں رہیں گے؟! کیا فقہ شیعہ کے پرچم دار، امام جعفر صادق علیہ

السلام[1] سنی مذہب کے دواماموں کے استاد نہیں تھے؟ یہ دوامام اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے اس مکتب میں زانوئے ادب تہہ کیا ہے۔

ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت[2] کہتے ہیں:

"لو لا السنتان لهلک النعمان"

اگر امام صادق علیہ السلام کے درس میں دو سال شرکت نہ کی ہوتی تو بے شک میں ہلاک ہوجاتا، اور دین سے منحرف ہوتا۔

اس کی مراد وہی دو سال ہیں جس میں انہوں نے حضرت امام صادق علیہ السلام کے علم کے میٹھے اور زلالی چشمہ سے استفادہ کیا ہے۔

اور یہ مالک بن انس ہیں جو واضح طور پر اعتراف کرتے ہیں:

" ما رأيت أفقه من جعفر بن محمد "

میں نے جعفر بن محمد سے فقیہ تر کسی کو نہیں دیکھا ہے[3]

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ علم کے بارے میں صرف دور سے کچھ سننے والوں نے اپنے آپ کو دانشور سمجھ کر اپنے قلم سے تحقیق کی بنیادوں کو اکھاڑ کر حق و حقیقت کو اپنی نفسانی خواہشات پر قربان

۱۔ وفات ۱۴۸ھ

۲۔ وفات ۱۵۰ھ

۳۔ وفات ۱۷۹ھ

کیا ہے، نتیجہ کے طور پر گلستان علم کے دروازے ان پر بند ہوگئے اور اس طرح وہ شمع معرفت کے نور سے محروم ہوگئے ہیں، اس مذموم روش نے فتنہ کی آگ کو بھڑکانے کے علاوہ مسلمانوں میں، دن بدن اختلافات کو بڑھاوا دیا ہے۔

افسوس کہ ہمارے استاد ''احمد امین''[1] بھی انہیں افراد میں سے تھے، جنہوں نے معرفت کے نور سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور ظلمت کے پردوں کے پیچھے زندگی بسر کرتے رہے، یہ وہ کرنیں ہیں جو تشیع کے سورج سے چمکی ہیں اور جہالت کی تاریک رات کو نور میں تبدیل کر کے اسلام کے عظیم تمدن کو اس وقت وجود بخشا، جبکہ دوسرے لوگ بہت پیچھے تھے۔

تاریخ نے اس ناپاک رویہ کی بنا پر، احمد امین اور ان جیسے تمام اساتذہ اور دانشوروں کے دامن پر عظیم داغ لگا دیا ہے، جنہوں نے آنکھیں بند کر کے تعصب کی وادی میں قدم رکھا ہے، یہ دانشوروں اور محققین کا طریقہ کار نہیں ہے کہ ایک جگہ بیٹھے رہیں اور جمود کی بیڑی کو اپنی فکر کے پاؤں سے نہ اتاریں اور بے جا پر تعصب سے کام لے کر آنکھیں بند کر کے کسی مذہب کی پیروی کریں!!

ان کی فکر و قلم سے بہت ساری غلطیاں اور لغزشیں سرزد ہوئی ہیں اور انہیں الجھن اور بدحواسی سے دوچار کیا ہے، شاید مذکورہ داستان اس کی ایک مثال ہوسکتی ہے۔

انہوں نے جھوٹ بول کر بعض مطالب کو شیعوں سے نسبت دے کر ان کے دامن کو داغدار بنا دیا

[1] ''فصل'' پیدائش افسانہ دوراویان آن'' شمارہ ہفتم، کی طرف رجوع کیا جائے تو وہاں پر احمد امین کی باتوں سے واضح ہوجاتا ہے کہ اس نے جو کچھ لکھا ہے جس کا سبب شیعوں کے ساتھ اس کی دشمنی اور کینہ ہے۔

ہے کہ ہم نے ان میں سے بعض کی طرف اپنی کتاب میں اشارہ کیا ہے[۱] انہوں نے تصور کیا ہے کہ جتنے بھی خرافات اور جعلی چیزیں اسلام کی تاریخ میں موجود ہیں، سب کی سب شیعہ علما کی گڑھی ہوئی ہیں اور انہوں نے اپنے خود ساختہ گمان سے شیعوں پر حملہ کیا اور ان کو برا بھلا کہا ہے۔

جلیل القدر محقق ''جناب مرتضیٰ عسکری'' نے اپنی کتاب ''عبداللہ بن سبا'' میں کافی دلائل سے مکمل طور پر ثابت کیا ہے کہ ''عبداللہ بن سبا'' ایک خیالی اور جعلی موجود ہے۔

تاریخ نویسوں نے جو حکایتیں بیان کی ہیں اور ان کی بناء پر اسے (عبداللہ بن سبا) مذہب شیعہ کا مروج[۲] بیان کیا ہے البتہ یہ جھوٹ کے علاوہ کچھ نہیں ہے، مؤرخین نے ان گڑھی ہوئی داستانوں کو اس لئے مرتب کیا ہے تا کہ فریب کاری کے جال کو پھیلا کر شیعوں پر حملے کر کے بے جا ان کے خلاف تہمت وافتراء پردازی کریں۔

ہم عصر دانشور، جناب مرتضیٰ عسکری نے اس کتاب میں اپنی فکر و اندیشہ کے سہارے تاریخ کے سمندر میں غوطہ لگا کر، بہت سی کتابوں کا مطالعہ فرمایا ہے اور انتہائی تلاش وجستجو کے بعد اس سمندر سے کافی مقدار میں موتی لے کر ساحل تک آئے ہیں۔

انہوں نے زیر بحث حقائق کو ثابت کرنے کیلئے نزدیک ترین راستہ طے کیا ہے، شیعوں کے مخالفوں سے بحث کے دوران ان کے ہی بیانات کو مآخذ قرار دیکر ان کی باتوں کو باطل ثابت کرتے ہیں۔

۱۔ ڈاکٹر حامد حفنی داؤد کی کتاب ''مع احمد امین'' کے مقدمہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

۲۔ خود غرض مورخین نے اسے شیعہ مذہب کا بانی ومروج خیال کیا ہے۔

تاریخ اسلام کے آغاز سے عصر حاضر تک ''سیف بن عمر'' کی روایتوں نے مؤرخین کو الجھا رکھا ہے جو عام طور پر قابل اعتماد ہے، اس کتاب میں ان روایتوں کے بارے میں ایک گراں بہا تحقیق کی گئی ہے کہ قارئین بڑی آسانی سے انھیں سمجھ سکتے ہیں۔

خدا کی حکمت اسی میں ہے کہ بعض محققین مردانہ وار قلم ہاتھ میں اٹھا کر حقائق سے پردہ اٹھائیں، اور اس راستہ میں دوسروں کی سرزنش اور ملامت کی پروانہ کریں، مصنف محترم پہلی شخصیت ہیں جس نے اپنی گہری تحقیقات کے نتیجہ میں اہل سنت محققین کو اس امر پر مجبور کیا ہے کہ وہ طبری کی کتاب " تاریخ الامم و الملوک'' کے بارے میں تجدید نظر کریں، نیز انھیں اس بات پر مجبور کیا ہے کہ اس کتاب اور تاریخ کی دوسری بنیادی کتابوں کے بارے میں از سر نو دقت سے غور کرتے ہوئے اور خوب و بد کو ایک دوسرے سے جدا کریں، مزید ان تاریخی حوادث کے بارے میں بھی نئے سرے سے غور کریں، جنہیں وہ نازل شدہ وحی کے مانند صحیح اور نا قابل تغییر سمجھتے تھے!!

محترم مصنف نے کافی، واضح اور روشن شواہد کی مدد سے ان تاریخی وقائع سے ابہام کے پردے کو ہٹا دیا ہے اور حقیقت کو اس کے متوالوں کیلئے آشکار کیا ہے حتی کہ بعض حقائق انتہائی بھیانک اور حیرت انگیز دکھائی دیتے ہیں کیونکہ ایک عمر کے عادات و رسومات چند صدیوں کی اعتقادی میراث کے مخالف ہیں، لیکن حق کی پیروی کرنا لازم و واجب ہے ہر چند کہ یہ امر دشوار ہو " الحق احق ان یتبع''۔

مذکورہ مطالب سے آگاہی چاہتے ہیں تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس کتاب کا مطالعہ کریں اور تاریخ کے اختلافی حوادث جیسے، اسامہ کی لشکر کشی، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت اور سقیفہ کی داستان (جس پر مؤلف نے تنقیدی تجربہ کیا ہے) کا دقت کے ساتھ مطالعہ کریں۔

جس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موت کا شیرین جام نوش فرما رہے تھے، اسامہ کے لشکر سے بعض افراد حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے مدینہ لوٹے اور ریاست و خلافت کی امید سے جہاد سے منہ موڑ لیا، مؤلف نے ان افراد کو پہچنوایا ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر مرگ پر جب وصیت لکھنے کا حکم دیدیا، کچھ لوگوں نے اس حکم پر عمل کرنے میں رکاوٹ ڈالی اور اسے ہذیان سے تعبیر کیا (گویا انہوں نے گمان کیا کہ پیغمبر ہذیان کہہ رہے ہیں) کیونکہ وہ اس امر سے خائف تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وصیت میں علی علیہ السلام کی خلافت کی خبر دیں گے اور ان آخری لحات میں بھی اسے اپنے وصی کے طور پر تعارف کرائیں گے۔

مؤلف اس حادثہ کی حقیقت و کیفیت کو بھی آشکار کرتے ہیں عمر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت سے انکار کرنے کا مقصد کیا تھا؟ کیوں وہ ان افراد کو موت کی دھمکی دیتے تھے جو یہ کہتے تھے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے رحلت کی ہے؟ جس وقت امام علی علیہ السلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچیرے بھائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس اور چند بوڑھے

اورسن رسیدہ اصحاب کی مدد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن نازنین کوغسل دینے میں مشغول تھے، تو اس وقت کس غرض سے عمراورابوعبیدہ نے انتہائی عجلت کے ساتھ اپنے آپ کوسقیفہ کے اجتماع میں پہنچادیا اورلوگوں سے ابوبکر کے حق میں بیعت لے لی؟!

بے شک، اگرتھوڑا سا انتظار کرتے تاکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوسپرد لحد کرکے اور علی علیہ السلام بھی اس اجتماع میں حاضر ہوتے تو علی علیہ السلام خلافت کے مستحق قرار پاتے اور بنی ہاشم ان کے علاوہ کسی اورکوامام المسلمین کے طور پر قبول نہیں کرتے!

مؤلف نے مذکورہ تین مباحث میں صحیح کوغلط سے اور برے کوبھلے سے جدا کرکے ان مسلم حقائق تک رسائی حاصل کی ہے اوران کی اس تحقیق کے نتیجہ میں فریب کاروں کیلئے مکروفریب کے دروازے بند ہوگئے ہیں۔

کتاب کے دوسرے مباحث بھی مذکورہ بالا تین مباحث کی طرح، دقت کے ساتھ حقائق کو ایسے آشکار کرتے ہیں کہ بہت جلد ہی تاریخ اسلام کے اندر گہرے اثرات رونما ہوں گے۔

میں اس مقالہ کوختم کرنے سے پہلے چاہتا ہوں کہ درج ذیل تین سوالات کا جواب دیدوں:

۱۔کیا پیغمبر خداؐ کا صحابی غلطی کرسکتا ہے اورلغزش سے دوچار ہوسکتا ہے؟

۲۔کیا اس کے کام اورکردار پرتنقیدی نگاہ سے دیکھا جاسکتا ہے؟

۳۔کیا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کومنافق یا کافر کہا جاسکتا ہے؟

سوال نمبرایک اور دوکا میں مثبت جواب دیتا ہوں، لیکن تیسرے سوال کا جواب منفی ہے۔اس

لئے نہیں کہ میں تعصب سے کام لیتا ہوں اور علم کے اصول کے خلاف کہتا ہوں، بلکہ ایک ایسا استدلال رکھتا ہوں کہ عقل اس کو قبول کرتی ہے اور منطق اسکی تائید کرتی ہے کیونکہ کفر ونفاق کا تعلق قلب ودل سے ہے اور وہاں تک خدا کے سوا کسی کی رسائی نہیں ہے، علمی تجربہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا ہے، صرف خداوند عالم ہے جو انسان کے اندرونی اسرار سے واقف ہے اور پوشیدہ چیزوں کا مکمل طور پر علم رکھتا ہے[1]

مذکورہ روش، وہی جدید روش ہے، جس کا واضح مشاہدہ میری تمام تالیفات میں کیا جا سکتا ہے۔

مجھے اس بات پر انتہائی مسرت ہے کہ علم کے لحاظ سے اس عظیم کتاب اور اس کے عالی قدر مصنف استاد علامہ محقق جناب مرتضی عسکری کے تئیں انتہائی احترام ومحبت کا قائل ہوں، اسی طرح جناب مرتضی رضوی کشمیری کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کو پوری ظرافت اور دیدہ زیب صورت میں شائع کیا ہے، علامہ نے اس فریضہ کو انجام دے کر اسلام کی ایک عظیم خدمت کی ہے اور اس ذمہ داری کو انجام دے کر اسلام کے تاریخی حقائق کو زندہ کرنے کیلئے ایک عظیم اثر چھوڑا ہے۔

قاہرہ اول جمادی الاول ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۱ء

ڈاکٹر حامد حفنی داؤد

۱۔ ڈاکٹر حامد نے اس خط کو نصف کتاب کے شائع ہونے کے پیش نظر مصر میں لکھا ہے۔

ایک محترم شیعہ دانشور

شیخ محمد جواد مغنیہ کا نظریہ

سنی دانشور محترم جناب ڈاکٹر حامد کے نظریہ سے آگاہ ہونے کے بعد مناسب ہے یہاں پر اس کتاب کے بارے میں ایک شیعہ دانشور علامۂ نابغہ جناب شیخ محمد جواد مغنیہ جبل عاملی کے نظریہ سے بھی آگاہ ہو جائیں، علامہ موصوف لبنان میں مروج مذہب تشیع ہیں۔

موصوف کی گراں بہا تالیفات میں من جملہ ''تفسیر قرآن مجید'' ''معالم الفلسفۃ الاسلامیہ''، ''الشیعہ والحاکمون'' ''اصول الاثبات فی الفقہ الجعفری'' اور دسیوں دوسری تالیفات سنجیدہ فکر اور ان کے علمی بلند مقام کو آشکار کرتی ہیں، ذیل میں مجلہ ''العرفان''[1] میں شائع ہوئے ان کے مقالہ کا ترجمہ ہے:

مذہب شیعہ کے خلاف لکھنے کے علاوہ دنیا کی تمام چیزوں میں دگرگونی اور تغیرات پیدا ہوئے ہیں....شیعوں پر تہمت وافتراء کے علاوہ ہر آغاز کا خاتمہ ہے...شیعوں کے خلاف جاری کئے جانے والے احکام کے علاوہ ہر حکم کی ایک دلیل وعلت ہے...آخر کیوں؟

کیا شیعہ شورشی اور فتنہ گر ہیں اور لوگوں کے سکون واطمینان کو درہم برہم کرنا چاہتے ہیں؟

۱۔ نمبر ۳ رسال ۱۳۸۱ھ صفحہ ۲۳۰۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ:

سیف بن عمر تمیمی[۱] نامی ایک شخص نے گزشتہ دوسری صدی کے دوران دو کتابیں لکھی ہیں، اس کی پہلی کتاب " الفتوح و الردّة" اور دوسری کتاب " الجمل و مسیر عائشة و علیّ " ہے ان دونوں کتابوں میں درج ذیل مطالب کی ملاوٹ کی گئی ہے:

۱۔ ایسے حوادث واتفاقات کی تخلیق کرنا، جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

۲۔ رونما ہوئے حقیقی حوادث وواقعات میں تحریف کرکے مثبت کو منفی اور منفی کو مثبت دکھانا۔

اس بے لگام اور جھوٹے شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے چند من گھڑت اصحاب جعل کئے جن کے سعیر، ہزہاز، اط، حمیضہ، وغیرہ... نام رکھے ہیں۔

اس نے تابعین اور غیر تابعین کے کچھ اشخاص جعل کئے ہیں اور ان کی زبانی اپنی جعلی احادیث نقل کی ہیں۔

اس کی انہیں تخلیقات میں سے ایک سورما ہے جس کی شخصیت کو اس نے جعل کیا ہے اور اس کا فرضی نام بھی معین کیا ہے، اور چند داستانوں کو گڑھ کر اس سے نسبت دی ہے... یہ افسانوی سورما ''عبد اللہ بن سبا'' ہے جس کسی نے بھی شیعوں پر تہمتیں لگائی ہیں اور ان کے بارے میں جہل یا نفاق کے سبب افترا پردازی کی ہے، ان سب نے اسی پر اعتماد کیا اور اس کی باتوں پر تکیہ کیا ہے۔

۱۔ وفات دوسری صدی ہجری۔

''سیف'' کے بعد مؤرخین کی ایک جماعت نے فریب اور دھوکہ سے بھری ان دو کتابوں کو سند بنا کر کسی قسم کے تأمل وتدبر کے بغیر دروغ پرداز اور چالباز سیف کے نظریات اور اندیشہ کو نقل کیا ہے، اس طرح اس کے مذموم تفکر سے استفادہ کیا گیا ہے۔

''طبری'' پہلا شخص تھا جو ''سیف'' کے دام فریب میں پھنس گیا تھا اس کے بعد ابن اثیر، ابن عساکر اور ابن کثیر اور دوسرے لوگ ''طبری'' سے آنکھیں بند کر کے روایت نقل کرنے کے سبب اس گڑھے میں گر گئے ہیں۔

اس طرح جھوٹے ''سیف'' کی تخلیقات کی تاریخی کتابوں اور منابع میں بلاواسطہ طور پر ملاوٹ ہوئی ہے لیکن ان کی جڑ اور بنیاد، وہی سیف کی دو کتابیں ''الفتوح'' اور ''الجمل'' ہیں۔

علامہ سید مرتضی عسکری کی کتاب ''عبداللہ بن سبا'' مذکورہ حقائق کو صحیح دلائل کی بنا پر آشکار کرتی ہے اور قارئین کو صاف اور واضح راہنمائی کر کے حقیقت کی منزل تک پہنچاتی ہے۔

انہوں نے اس کتاب کی تالیف میں انتہائی دقت سے کام لیا ہے اور موصوف کی تمام ترسعی و تلاش اس امر پر متمرکز رہی ہے کہ حق وحقیقت کے علاوہ کوئی چیز کاغذ پر نہ لکھی جائے، قارئین کرام جس قدر بھی مفکر اور دانشور ہوں، موصوف کے حاصل کئے ہوئے نتائج سے نہ تو انکار کر سکتے ہیں اور ہی نہ شک وشبہ، کیونکہ اس کتاب کے بہت سے دقیق مباحث کی بنیاد بدیہی قضایا پر مبنی ہے اور بدیہیات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔

میں نے مختلف افراد سے بارہا بحث کی ہے، اوران کے اعتراضات اورشبہات کا جواب دیا ہے،لیکن اس گفتگو میں میں نے شیخ مفیدؒ،سید مرتضیٰؒ،اورعلامہ حلیؒ سے آ گے قدم نہیں بڑھایا ہے،میری روش صرف یہ تھی کہ میں ان بزرگوں کے طرز بیان کو بدل دیتا تھا اورمخاطب کے لئے مطالب کو آشکار اور واضح تر بیان کرتا تھا، کیونکہ کوئی تازہ اعتراض نہیں تھا کہ میں اس کا تازہ اور نیا جواب دیتا بلکہ اعتراض وہی تھا جو پچھلے لوگوں نے کر رکھا تھا اوراس کا جواب سن چکے تھے، چونکہ یہ لوگ بھی گزشتہ لوگوں کی طرح اعتراض کرتے ہیں لہذا مجبور ہیں وہی جواب سنیں، میں اپنے علمائے سلف کی باتوں کی تکرار کرتا تھا، کیونکہ میں یہ سمجھتا تھا کہ بے خبر معترضین علماء کی باتوں پر اعتراض کرتے ہیں، لہذا ضروری ہے کہ ان کی ہی باتوں سے آگاہ ہوجائیں۔

بے شک میں علمائے تشیع کی پیروی کرتے ہوئے''عبداللہ بن سبا'' کے وجود کا معترف تھا، لیکن اس کی رفتار کو حقیر اورشرم آور سمجھتا اوراس کی باتوں کا انکار کرتا تھا۔

علامۂ عالیقدر جناب سید مرتضیٰ عسکری نے اس عمارت کی بنیاد ہی اکھاڑ کر کے رکھدی اوراپنی گہری تحقیقات سے ثابت کردیا کہ''عبداللہ بن سبا'' کی حقیقت ایک افسانہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے! اوریہی وہ حقیقت ہے جواس کتاب میں بے نقاب ہوئی ہے، اگر میں یہ کہوں کہ عربی میں یہ تنہا کتاب ہے، جس میں تاریخ کی علمی بنیادوں پر تحقیق کرکے اس پر غور کیا گیا ہے تو یہ ہرگز مبالغہ نہیں ہے، اور میرا یہ کہنا بھی ہرگز بیجا نہیں ہوگا کہ اس دانشور مصنف نے دین وعلم اورخاص طور پر شیعوں اور مذہب

تشیع کی ایک ایسے زمانے میں بے مثال اور عظیم خدمت کی ہے کہ جب ان پر تہمتوں ، افتراء پردازیوں اور بہتان تراشیوں کی بھر مار ہو رہی ہے ،موصوف نے اسلام کی ایک عظیم اور درخشان خدمت کی ہے، کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے درمیان رخنہ ڈال کر ان کے اتحاد و یکجہتی کو درہم برہم کر کے انھیں کمزور اور بے بس کر دیا ہے۔

ہم نے فرمانرواؤں اور ظالم حکام کی طرف سے بدترین عذاب اور مشکلات برداشت کی ہیں تا کہ اسلام کی یکجہتی کا تحفظ کر کے دشمنی سے پرہیز کریں، لیکن وہ روز بروز اپنی دروغ بیانی میں تشویق ہوتے رہے ہیں...اور ان کی پہلی اور آخری سند ''ابن سبا'' کا افسانہ اور ''ابن السوداء'' کا خرافہ تھا کہ افسانہ ساز ''سیف'' نے انھیں، خدا اور اپنے ضمیر کے سامنے کسی ذمہ داری کا احساس کئے بغیر جعل کیا ہے۔لیکن آج ''عبداللہ ابن سبا'' نام کی کتاب لکھی جانے کے بعد یہ کاسہ لیس اور چاپلوس لوگ کیا جواب دیں گے؟!

آخر میں میری تجویز ہے کہ یہ کتاب دیدہ زیب طباعت کے ساتھ دوبارہ شائع کی جائے اور عالم اسلام کے تمام شہروں میں نصف قیمت پر بیچی جائے تا کہ عام مسلمان اسے خرید کر اس کے عالی مطالب سے استفادہ کرسکیں۔

نجف اشرف کے دانشوروں اور مراجع عظام کو چاہئے مذکورہ مقصد کی جانب توجہ کرتے ہوئے رقومات شرعیہ سے مدد کریں یا خیّر افراد کی اس سلسلے میں راہنمائی فرمائیں۔

میری تجویز ہے کہ یہ حضرات تاکید کے ساتھ حکم فرمائیں تاکہ یہ کتاب دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر سستے داموں میں دنیا کے لوگوں تک پہنچ جائے، یہ دین اسلام کیلئے ایک عظیم خدمت ہوگی۔

لبنان۔ شیخ محمد جواد مغنیہ

الازہر یونیورسٹی مصر کے مجلہ ''جامع الازھر'' میں شائع شدہ

اعتراضات کا جواب

مجلّہ ''جامع الازھر'' مصر میں کتاب ''عبداللہ بن سبا'' کے بارے میں دو مقالے لکھے گئے ہیں[۱] اہم ترین مطلب جو ان دو تنقیدی مقالوں میں ملاحظہ کے قابل ہے عبارت ہے:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اور ان کے باہمی اختلافات، چودہ صدی پرانی بات ہے اور وہ سب اپنے مالک حقیقی سے جا ملے لہذا اچھا ہے کہ ان مسائل سے صرف نظر کیا جائے[۲]۔

اس بات کے جواب میں ہم کہتے ہیں:

اولاً: ہم سیف کی روایتوں کی تحقیق کی فکر میں تھے، جس موضوع پر اس نے روایتیں نقل کی تھیں، ہم نے مجبور ہو کر ان ہی موضوعات پر بحث و تحقیق کی ہے، چونکہ کتاب ''عبداللہ بن سبا'' میں عبداللہ بن سبا کے افسانہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے باہمی اختلافات کے بارے میں سیف ابن عمر کی نقل کی گئی روایتوں پر بحث کی گئی ہے، لہذا ہم مجبور ہوئے کہ ہر موضوع کے

۱۔ پہلا مقالہ کتاب کی نجف اشرف میں طبع شدہ پہلی اشاعت پر ایک تنقید ہے، اور یہ مقالہ مجلّہ کی جلد ۳۳ ج ۱۰، ۱۳۸۰ھ ''باب الکتب'' کے صفحہ ۱۱۵۰۔۱۱۵۱ میں شائع ہوا ہے۔ دوسرا مقالہ اسی کتاب کے مصر میں طبع شدہ نسخہ پر ایک تنقید ہے اور یہ مقالہ مجلّہ کی جلد ۳۲/ ج ۶/ ۱۳۸۱ھ کے صفحہ ۷۶۰۔۷۶۱ میں شائع ہوا ہے۔

۲۔ یہ جملہ پہلے مقالہ کے آخر پر لکھا گیا ہے اور باقی تمام مطالب اسی جملہ کی تفسیر اور تشریح میں لکھے گئے ہیں۔

بارے میں بحث کو جاری رکھتے ہوئے تجزیہ و تحقیق کریں، جس طرح میں نے اپنی کتاب " خمسون و مأة صحابی مختلق" (۱۵۰ جعلی اصحاب) میں اصحاب کے فتوحات اور صدر اسلام کی جنگوں کو اپنا موضوع قرار دیکر بحث و تحقیق کی ہے۔

سیف کی روایتوں پر تحقیق نے ہمیں اس بات پر مجبور کر دیا ہے کہ ایسی بحثوں میں داخل ہو جائیں جنھیں بہت سے دانشوروں نے پردے میں رکھا ہے، لہذا ان موضوعات پر بحث و تحقیق نے انھیں برہم اور رنجیدہ کیا ہے، البتہ ہم بھی ان کی طرح ایسے وقائع اور روداد کے رونما ہونے سے خوشحال نہیں ہیں اور ان سے پردہ اٹھانے اور ان پر غور و فکر کرنے سے ہمارا رنج و غم بھڑک اٹھتا ہے لیکن کیا کیا جائے کہ خداوند عالم نے پیغمبر خداؐ کے اصحاب کو ملک و فرشتہ خلق نہیں کیا ہے کہ جبلت انسانی سے عاری ہوں بلکہ وہ دوسرے افراد کی طرح انسانی جبلت میں ان کے شریک ہیں، اور ایمان اور اسلام میں استقامت کے مراتب میں بھی ایک دوسرے سے متفاوت ہیں، اس حد تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان میں سے بعض پر حد جاری کی ہے (کوڑے لگائے ہیں) اور ان میں سے بعض کے بارے میں " آیات افک " نازل ہوئی ہیں جن میں ان کی اس بات پر ملامت کی گئی ہے کہ انہوں نے پیغمبر خداؐ کی بیوی کی جانب نازیبا نسبت دی تھی، اور ان میں سے بعض کے بارے میں نفاق کی آیات نازل ہوئی ہیں۔

ان تمام مطالب کے باوجود ہم نہیں سمجھتے کہ پیغمبر خداؐ کے اصحاب کو ان اختلافات اور تحولات

کے ساتھ کیسے چھوڑ دیں جبکہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام اور عقائد کو ہم تک پہنچانے کے واسطہ ہیں کیا اس طرح صرف پیغمبرؐ کو درک کرنے کی بنا پر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عزت واحترام کرنا بحث وتحقیق کیلئے رکاوٹ اور دینداری کے نام پر علم ودانش کے دروازہ کو بند کرنے کے مترادف نہیں ہے؟ چونکہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے صدیوں سے اپنے اوپر اجتہاد کا دروازہ بند کر رکھتا ہے، لہذا تحقیق وعلم کا دروازہ بھی ان پر بند ہو گیا ہے۔

خدارا! ہم نے اس مطلب کو قبول نہیں کیا ہے اور اسکی تائید نہیں کرتے ہیں بلکہ دین واسلام کے نام پر اور اس پر عمل کرنے کیلئے اسلام کی راہ میں بحث وتحقیق کیلئے قدم اٹھاتے ہیں۔

ثانیاً: کاش کہ ہم یہ جانتے کہ قدیم وجدید دانشور جو پیغمبر خداؐ کے اصحاب کی عزت واحترام میں جو غیرت وحمیت دکھاتے ہیں، کیا اس میں پیغمبر خدا کے تمام اصحاب شامل ہیں خواہ اس کے سزاوار ہوں یا نہ، خواہ وہ عیش پرست ہوں یا زاہد و پرہیز گار؟ کیا یہ احترام عام طور پر اس لئے ہے کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کیا ہے؟ یا ان کیلئے مخصوص ہے جو سرمایہ دار وقدرتمند تھے اور حکومت تک ان کی رسائی تھی؟ اور ایسا لگتا ہے کہ یہ احترام شعوری یا لاشعوری طور پر صرف ان افراد سے مخصوص ہو کے رہ گیا جو حکومت اور ایوان حکومت سے وابستہ ومربوط ہیں۔

جو کچھ ایک دوررس اور نکتہ شناس محقق کیلئے قابل اہمیت ہے وہ دوسرا مطلب ہے کیونکہ اگر تاریخ طبری میں سنہ۳۰ھ کے روئدادوں اور حوادث پر غور کیا جائے تو دیکھا جاتا ہے کہ اس نے یوں

لکھا ہے:

اس سال، یعنی ۳۰ھ میں جو کچھ ابوذر اور معاویہ کے درمیان پیش آیا، اور سرانجام ابوذر کے شام سے مدینہ جلا وطن کئے جانے پر تمام ہوا، اس سلسلے میں بہت سی روایتیں نقل کی گئی ہیں کہ جنکو میں نقل کرنا پسند نہیں کرتا ہوں، لیکن اس سلسلہ میں معاویہ کیلئے عذر پیش کرنے والوں نے ایک داستان نقل کی ہے، اس داستان میں کہا گیا ہے:

شعیب نے اسے سیف سے نقل کیا ہے.....

اس کے بعد طبری نے ابوذر اور معاویہ کے بارے میں نقل کی گئی داستان کے سلسلے میں سیف کی باقی روایت کو اپنی تاریخ میں ثبت کیا ہے۔

اگر ہم اس سلسلے میں تاریخ ابن اثیر کی طرف رجوع کریں گے تو دیکھتے ہیں کہ وہ کہتا ہے:

اس سال (۳۰ھ) ابوذر کی داستان اور معاویہ کے توسط سے اسے شام سے مدینہ جلاوطن کرنے کا مسئلہ پیش آیا، اس رفتار کی علت کے بارے میں بہت سے مطالب لکھے گئے ہیں، من جملہ یہ کہ: معاویہ نے انھیں گالیاں بکیں اور موت کی دھمکی دی، شام سے مدینہ تک انھیں ایک بے کجاوہ اونٹ پر سوار کر کے نہایت ہی بیدردی سے ایک ناگفتہ بہ حالت میں مدینہ کی طرف جلاوطن کر دیا، مناسب نہیں ہے اسے یہاں

بیان کیا جائے....میں اسے نقل کرنا پسند نہیں کرتا ہوں، لیکن جنہوں نے اس سلسلے میں عذر پیش کیا ہے، یوں کہا ہے:.....

اس بنا پر طبری نے یہاں پر ان بہت سی روایتوں کو درج نہیں کیا ہے جن میں معاویہ اور ابوذر کی روئداد بیان ہوئی ہے اور ان کو بیان کرنا پسند نہیں کرتا تھا، پھر بھی اس نے ان روایتوں کو بالکل ہی درج کرنے سے چشم پوشی نہیں کی ہے۔ بلکہ سیف کی ان تمام روایتوں میں سے ایسی روایت کا انتخاب کیا ہے کہ معاویہ کا عذر پیش کرنے والوں کیلئے سند کی حیثیت رکھتی ہے اور اسے اس کے کام کی توجیہ کے طور پر پیش کرتے ہیں، جبکہ اس روایت میں پیغمبر اسلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگوار صحابی ''ابوذر'' کی حد سے زیادہ توہین کی گئی ہے۔ اس کی دینداری پر طعنہ زنی کی گئی ہے، اسے بیوقوف اور احمق کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور اس پر ناروا تہمتیں لگائی گئی ہیں۔

کیونکہ اس روایت میں معاویہ کو حق بجانب ٹھہرایا گیا ہے اور اس کے عذر کو درست قرار دیا گیا ہے، اور اس طرح مؤرخین کا یہ قائد، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس تہی دست صحابی کی شخصیت اور احترام سے چشم پوشی کرتا ہے اور ان کی عظمت کو معاویہ جیسے حاکم اور ثروتمند شخص کے حرمت کے تحفظ میں قربان کرتا ہے، یہی کام ابن اثیر، ابن خلدون اور دوسروں نے بھی انجام دیا ہے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے، بنیادی طور پر اسی سبب سے تاریخ طبری نے رواج پیدا کیا ہے اور دوسروں کی نسبت زیادہ شہرت پائی ہے، اور اس لئے سیف (بے دینی کا ملزم ٹھہرائے جانے کے

باوجود) کی روایتوں کو اس قدر اشاعت ملی ہے اور اسی لئے مشہور ہوئی ہیں[1]۔

اس بنا پر ایسے دانشوروں نے صرف ایسے صحابیوں کے احترام کے تحفظ کیلئے اقدام کیا ہے جو صاحبِ قدرت وحکومت تھے، اور ''معاویہ بن ابوسفیان'' جیسے شخص کی اس لئے عزت کرتے ہیں کہ وہ صاحب حکومت واقتدار تھا، جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اور اس کے باپ کو ''المؤلفة قلوبهم''[2] میں شمار فرمایا ہے اور اس کی نفرین کرتے ہوئے فرمایا:

خداوند عالم اس کے شکم کو کبھی سیر نہ کرے''[3] اسی طرح ''عبداللہ بن سعد بن ابی سرح''[4] جو ابتداء میں مسلمان ہوا تھا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبوں میں شمار ہوتا تھا، لیکن ایک مدت کے بعد مرتد ہوگیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید پر تہمت لگائی، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اس کا خون بہانا مباح قرار فرمایا تھا، ایسے شخص کو ان خصوصیات کے باوجود مصر کا گورنر ہونے کے ناطے اس کا نام تاریخ میں درج کر کے اس کا احترام کیا گیا ہے۔

اس طرح خلیفہ عثمان کے بھائی ولید، جس کے بارے میں آیۂ نبانازل ہوئی ہے:

﴿ يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اِذا جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا اَنْ تُصِيبُوا قَوْماً

۱۔ کتاب کے فصل ''پیدائش افسانہ'' کی طرف رجوع کیا جائے۔

۲۔ تمام سیرت لکھنے والوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح حنین کے بعد معاویہ اور اس کے باپ کو ''المؤلفة قلوبهم'' میں شمار فرمایا ہے، اس لئے انھیں کچھ چیزیں دیدی ہیں۔

۳۔ صحیح مسلم کے اس باب کی طرف رجوع کیا جائے کہ ''پیغمبر خدا نے جن پر لعنت کی ہے''

۴۔ اس کے حالات پر اگلے صفحات میں روشنی ڈالی جائے گی۔

بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴾[1]

لیکن کوفہ کا حاکم ہونے کی وجہ سے اس کا احترام کیا گیا ہے۔

یا ایک اور شخص ''مروان حکم''[2] جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے باپ کے ساتھ طائف جلاوطن کیا تھا، بعد میں ایک حاکم واقع ہونے کی وجہ سے عزت واحترام کا مستحق بن جاتا ہے اور تاریخ میں اس کا نام عظمت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

قریش کے بزرگوں اور حکمراں، فرماں روا اور امراء طبقے کے ایسے لوگوں کیلئے ضروری ہے کہ ان کی عزت واحترام محفوظ رہے اور ہم ان کی شخصیت کی حرمت کے محافظ بنیں، لیکن اس کے مقابلے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متقی و پرہیز گار تہی دست صحابی ''ابوذر غفاری'' یا باتقویٰ اور خدا ترس صحابی ''سمیہ'' نامی کنیز کے بیٹے ''عمار یاسر'' یا ''عبدالرحمان بن عدیس بلوی'' نامی نیک و پارسا صحابی جو اصحاب بیعت شجرہ میں سے تھے اور ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَافِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَ أَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيباً ﴾[3]

۱۔ اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرو، ایسا نہ ہو کہ ایسی قوم تک ناواقفیت میں پہنچ جاؤ کہ جس کے بعد اپنے اقدام پر شرمندہ ہونا پڑے (حجرات/۶)

۲۔ اسی کتاب کی فصل ''پیدائش افسانہ شیبہ'' اور دیگر فصلوں میں اس کے حالات کے بارے میں دی گئی تشریح کی طرف رجوع کیا جائے۔

۳۔ یقیناً خدا صاحبان ایمان سے اس وقت راضی ہو گیا، جب وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے پھر اس نے وہ سب کچھ دیکھ لیا جو ان کے دلوں میں تھا تو ان پر سکون نازل کر دیا اور انھیں اس کے عوض قریبی فتح عنایت کر دی (فتح/۱۸)

یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے صحابی جیسے ''صوحان عبدی'' کے بیٹے زید اور ''صعصعہ'' اور ان جیسے دسیوں صحابی اور تابعین جو ریاست وحکومت کے عہدہ دار نہ تھے اور قریش کے سرداروں میں سے بھی نہ تھے، انھیں اہمیت نہ دی جائے بلکہ ان کی ملامت اور طعنہ زنی کی جائے اور یمن کے صنعا سے ایک یہودی کو خلق کر کے اس خیالی اور جعلی شخص کو فرضی طور پر ان مقدس اشخاص میں قرار دیگر صاحبان قدرت اور حکومت سے ان کو ٹکرایا جائے اور...

اس طرح سیف کی جعلی روایتیں شہرت پا کر رائج ہو جاتی ہیں اور ان کے بارے میں کسی قسم کی چھان بین اور تحقیق نہیں ہوتی ہے۔

اس قسم کی داستانوں اور افسانوں (جنھیں جعل کرنے والوں نے صاحبان قدرت وحکومت کے دفاع اور ان کے مخالفوں کی سرکوبی کیلئے گڑھ لیا ہے) کی اشاعت ہوئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رائج ہو گئی ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض افسانے اس حد تک مسلم تاریخی حقائق میں تبدیل ہو گئے ہیں کہ کوئی شک وشبہہ باقی نہیں رہا ہے اور بعض دانشور حضرات اس کے تحفظ کو اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔

جبکہ یہ اس حالت میں ہے کہ جسے انہوں نے دین کا نام دیا ہے وہ حکمراں طبقے اور ان سے مربوط افراد کی عزت واحترام کے تحفظ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

لیکن اصحاب وتابعین سے مربوط وہ لوگ جو مجبور ہو کر قدرت وحکومت سے دور رہ کر کمزور

واقع ہوئے ہیں، ان دانشوروں کی نظروں میں قابل اہمیت و موردتوجہ قرار نہیں پائے ہیں، کیونکہ انہوں نے صاحبان قدرت و دولت کی پیروی نہیں کی ہے بلکہ ان کے موافق نہیں تھے۔

یہاں پر میں ایک بار پھر خداوند عالم کو شاہد قرار دیکر کہتا ہوں کہ جس چیز نے مجھے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی زندگی کے حالات کے بارے میں مطالعہ و تحقیق کرنے کی ترغیب دی، وہ یہ ہے کہ مجھے بچپنے ہی سے اسلام، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب کے متعلق جاننے و پہچاننے کی دلچسپی تھی اور میں نے اپنی اکثر زندگی اسی راہ میں گزاری ہے، تب جا کر اس زمانے کے وقائع اور روندادوں کو پہچاننے اور ان کی طرف بڑھنے کی راہ کو آسان کرنے کیلئے اپنی تحقیقات کے نتیجہ کو شائع کیا ہے اور اس امید میں بیٹھا ہوں کہ محققین اس کام کو آگے بڑھائیں گے اور اس چھان بین کو دقیق اور مضبوط تر صورت میں انجام دیں گے، میں اس کتاب کے قارئین کو اطمینان دلاتا ہوں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے تئیں میری محبت اور وفاداری ان سے کم نہیں ہے جو اس سلسلے میں تظاہر کرتے ہیں، البتہ اس سلسلہ میں اصحاب کے وہ افراد جن کا تاریخ میں اسلام کی نسبت نفاق اور دورخی ثابت ہو چکی ہے، اس کے علاوہ میں احترام اور ان کی پرستش میں فرق کا قائل ہوں، کیونکہ میں مشاہدہ کر رہا ہوں کہ ان دانشوروں نے اصحاب کی عزت و احترام کو تقدیس و ستائش کی اس حد تک آگے بڑھایا ہے کہ ان میں سے بعض افراد اپنے شائستہ اسلاف کی (خدا کی پناہ ہو) غیر شعوری طور پر پرستش کرنے لگے ہیں، خداوند ہمیں، ان کو اور تمام مسلمانوں کو اس غلطی سے

نجات دے۔

بعض لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ جس کسی نے بھی پیغمبر خداؐ کو دیکھا ہے اور اس دیدار کے دوران اگر ایک لحہ[1] کیلئے بھی مسلمان ہوگیا ہے، وہ صحابی ہے اور ان کے اعتقاد کے مطابق صحابی فرشتہ جیسا ہے جس کی فطرت میں خواہشات اور غریزے کا دخل نہیں ہوتا، لہذا وہ جب اس کے برعکس کچھ سنتے ہیں تو برہم ہو جاتے ہیں اور ایسی باتوں کو پسند نہیں کرتے ہیں اور اس طرز تفکر کی وجہ سے یہ لوگ کافی مشکلات سے دوچار ہوئے ہیں فی الحال ان پر بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

آخر کلام میں امید رکھتا ہوں کہ باریک بین اور تیز فہم حضرات، اس کتاب کی پہلی طباعت کے مقدمہ میں چھپے ہوئے میرے اس جملہ کو پڑھ لیں:

"جو لوگ تاریخ میں لکھی گئی چیزوں کو بوڑھی عورتوں کے خرافات اور بیہودگیوں کی نسبت تعصب کے مانند اعتقاد رکھتے ہیں، وہ اس کتاب کو نہ پڑھیں"

اس کے علاوہ بھی چند تنقیدیں ہوئی ہیں، مثلاً اعتراض کیا گیا ہے کہ کیوں اس کتاب کا نام "عبداللہ بن سبا" رکھا گیا ہے جبکہ اس میں "عبداللہ بن سبا" کی بہ نسبت دوسری داستانیں زیادہ ہیں؟

اس سوال کا ہم نے اس کتاب کی پہلی طباعت کے مقدمہ میں جواب دیدیا ہے اور اس کے علاوہ کتاب کے سرورق پر واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ یہ کتاب "عبداللہ بن سبا" اور دیگر تاریخی داستانوں پر مشتمل ہے مزید ہم نے پہلی طباعت کے مقدمہ میں کہا ہے:

۱۔ کتاب الاصابہ، (۱۰/۱) الفصل الاول "فی تعریف الصحابی" کی طرف رجوع کیا جائے۔

''قارئین کرام جلدی ہی سمجھ لیں گے کہ یہ کتاب صرف عبداللہ بن سبا اور اس کی داستان سے مربوط نہیں ہے بلکہ بحث کا دامن اس سے وسیع تر ہے..''

ہم نہیں سمجھتے کہ اس کے باوجود تنقید کرنے والوں کیلئے یہ مطلب کیونکر پوشیدہ رہ گیا؟!

ضمناً ہم نے کتاب کے آخر میں مصر کے معاصر دانشور جناب ڈاکٹر احسان عباس کی عالمانہ تنقید اور ان کے سوالات درج کرنے کے بعد ان کا جواب لکھا ہے۔

و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب

اس تحریر کو میں نے ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ عید قربان کے دن منی کے خیمون میں مکمل کیا ہے خداوند عالم مسلمانوں کیلئے ایسی عیدیں بار بار لائے اور وہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے احکام الٰہی کو انجام دینے میں تلاش و جستجو کریں تا کہ خداوند عالم ان کی حالت کو بدل دے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَومٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوا مَا بِاَنْفُسِهِمْ[1]

صدق اللہ العلیّ العظیم

سید مرتضی عسکری

۱۔ خدا کسی قسم کے حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے کو تبدیل نہ کرے (رعد/۱۱)

مباحث پر ایک نظر

کتاب کی دوسری طباعت پر مصنف کا مقدمہ

میں نے حدیث اور تاریخ اسلام کی چھان بین اور تحقیق کے دوران حاصل شدہ نتیجہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے اور فیصلہ کر چکا ہوں کہ ہر حصے میں اپنی تحقیق کے نتائج کو براہ راست شائع کروں، یہ چار حصے حسب ذیل ہیں:

اول: حدیث و تاریخ پر اثر ڈالنے والے تین بنیادی اسباب کی تحقیق۔

الف۔ پوجا اور پرستش کی حد تک بزرگوں کی ستائش کا اثر

ب۔ وقت کے حکام کا حدیث اور تاریخ پر اثر

ج۔ حدیث اور تاریخ پر مذہبی تعصب کا اثر

اس بحث میں مذکورہ تین مؤثر کی وجہ سے حدیث اور تاریخ میں پیدا شدہ تحریف اور تبدیلیوں پر چھان بین ہوئی ہے لیکن آج تک اسے نشر کرنے کی توفیق حاصل نہیں ہوئی ہے۔

دوم: ام المؤمنین عائشہ کی احادیث

یہ بحث دوحصوں میں تقسیم ہوئی ہے، اس کا پہلا حصہ حضرت عائشہ کی حالات زندگی سے متعلق ہے، جو عربی زبان میں ۴۱۴ صفحات پر مشتمل ۱۳۸۰ھ میں تھران میں شائع ہوا ہے اور اس کا دوسرا حصہ ام المؤمنین کی احادیث کے تجزیہ وتحلیل پر مشتمل ہے یہ حصہ ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے۔

سوم: صحابہ کی احادیث

اس حصہ میں بعض اصحاب کی احادیث، جن میں ابو ہریرہ کی احادیث اہم تھیں، جمع کی گئی ہیں اور میں اس کو شائع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن جب میں نے آیت اللہ سید عبدالحسین شرف الدین کی کتاب ''ابو ہریرہ'' دیکھی تو اسے اس سلسلے میں کافی سمجھ کر اپنی کتاب کو شائع کرنے سے منصرف ہوگیا۔

چہارم: سیف کی احادیث:

اس حصہ میں سیف بن عمیر کی روایتوں کی چھان بین کی گئی ہے جن میں اس نے ۱۱ھ سے ۳۷ھ تک کے تاریخی وقائع نقل کئے ہیں۔

سیف نے پہلے سقیفہ، پھر مرتدوں سے جنگ اور اس کے بعد خلفائے ثلاثہ کے دوران مسلمانوں کی فتوحات کے بارے میں لکھا ہے اور آخر میں اسلامی شہروں میں حضرت عثمان کی حکومت اور بنی امیہ کے خلاف بغاوتوں کو عثمان کے قتل تک کے واقعات کی وضاحت کی ہے پھر امیر المؤمنین

کی بیعت اور جنگ جمل کی بات کی ہے، اور ان وقائع میں بنی امیہ کی بدکرداریوں کی پردہ پوشی کرنے کیلئے عبداللہ بن سبا اور سبائیوں کا افسانہ گڑھ لیا ہے، اس طرح ان تمام وقائع کو بنی امیہ اور قریش کے تمام اشراف کے حق میں خاتمہ بخشتا ہے۔

میں نے اس حصہ میں سیف کے چند افسانوں کو تاریخ کی ترتیب سے درج کر کے ''احادیث سیف'' کے عنوان سے طباعت کیلئے آمادہ کیا، مرحوم شیخ راضی آل یاسین کو میری تصنیف کے بارے میں اطلاع ملی اور انہوں نے فرمایا کہ: سیف بن عمیر ناشناختہ ہے لہذا ''احادیث سیف'' کا عنوان جذابیت نہیں رکھتا ہے، چونکہ سیف کا سب سے بڑا افسانہ ''عبداللہ بن سبا'' اور سبائی ہے، لہذا بہتر ہے اس کتاب کا نام ''عبداللہ بن سبا'' رکھا جائے، اس لئے اس کتاب کا نام بدل کر ''عبداللہ ابن سبا'' رکھا اور اسے طباعت کے لئے پیش کیا۔

اس کتاب کی طباعت کے دوران مجھے معلوم ہوا کہ سیف کے افسانوں کے بہت سے سورما پیغمبر خداؐ کے اصحاب کے طور پر پیش کئے گئے ہیں لہذا اس کتاب کی پہلی جلد کے آخر میں اس کے بارے میں اشارہ کرنے کے بعد اس سلسلے میں اصحاب پیغمبرؐ کے بارے میں حالات درج کئے گئے منابع اور کتابوں کی تحقیق کی، اور مطالعہ کرنے لگا اس تحقیق کے نتیجہ میں ''ایک سو پچاس جعلی اصحاب'' کے عنوان سے ایک الگ کتاب تألیف کی اور طباعت کے حوالے کی۔ لہذا سیف کی احادیث کے بارے میں بحث تین حصوں میں انجام پائی:

۱۔عبداللہ بن سبا اور چند دیگر افسانے۔

۲۔عبداللہ بن سبا اور سبائیوں کا افسانہ۔

۳۔ایک سو پچاس جعلی اصحاب۔

پہلے حصہ میں سیف کی پندرہ قسم کی روایتوں کی حیات پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عثمان کی خلافت تک ان کے واقع ہونے کے سالوں کی ترتیب سے چھان بین کی گئی ہے۔ یہ حصہ کتاب ''عبداللہ بن سبا'' کی پہلی جلد پر مشتمل ہے، جس میں درج ذیل دو موضوعات پر بحث کی گئی ہے:

۱۔اسامہ کا لشکر

۲۔سقیفہ اور ابوبکر کی بیعت

اس کتاب کی دوسری جلد میں مندرجہ ذیل موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

۳۔اسلام میں ارتداد۔

۴۔مالک بن نویرہ کی داستان۔

۵۔علاء حضرمی کی داستان۔

۶۔حوأب کی سرزمین اور وہاں کے کتے۔

۷۔نسلِ زیاد کی اصلاح۔

۸۔مغیرہ بن شعبہ کے زنا کی داستان۔

۹۔ابو محجن کی شراب نوشی۔

۱۰۔سیف کے ایام۔

۱۱۔شوریٰ اور عثمان کی بیعت۔

۱۲۔ہرمزان کے بیٹے قماذبان کی داستان۔

۱۳۔تاریخ کے سالوں میں سیف کی دخل اندازی۔

۱۴۔سیف کے افسانوی شہر

۱۵۔خاتمہ

کتاب کی اس جلد کو عربی متن کے ساتھ مطابقت کرنے کے بعد اس میں روایتوں کے مآخذ کی چھان بین اور جعلی اصحاب کو مشخص کرنے کے سلسلے میں چند اہم حصوں کا اضافہ کر کے طباعت کیلئے پیش کیا گیا۔خدائے تعالی سے استدعا ہے کہ ہمیں اس کتاب کی دوسری جلد اور کتاب ''۱۵۰ جعلی اصحاب'' کو طبع کرنے کی توفیق عنایت فرمائے

سید مرتضی عسکری

تہران جمعہ ۱۳۸۶/۴/۱۴ھ

آغاز بحث

پہلی طباعت کا مقدمہ

میں ۱۳۶۹ھ میں حدیث وتاریخ کے بارے میں چند موضوعات کا انتخاب کر کے ان پر تحقیق و مطالعہ کر رہا تھا، منابع و مآخذ کا مطالعہ کرنے کے دوران میں نے حدیث اور تاریخ کی قدیمی، مشہور اور معتبر ترین کتابوں میں موجود بعض روایتوں کے صحیح ہونے میں شک کیا، اس کے بعد میں نے شک وشبہہ پیدا کرنے والی راویتوں کو جمع کر کے انھیں دوسری روایتوں سے موازنہ کیا اس موازنہ نے مجھے ایک ایسی حقیقت کی راہنمائی کی جو فراموشی کی سپرد ہو چکی تھی اور تاریخ کے صفحات میں گم ہو کر زمانے کے حوادث کی شکار ہو چکی تھی۔

جب اس قسم کی روایتوں کی تعداد قابل توجہ حد تک بڑھ کر ایک مستقل کتاب کی شکل اختیار کر گئی تو میں نے اخلاقی طور پر اس ذمہ داری کا احساس کیا کہ اس ناشناختہ حقیقت کے چہرہ سے پردہ اٹھاؤں۔

اس کے بعد میں نے اس سلسلے میں لکھی گئی یادداشتوں کو چند فصلوں میں تقسیم کیا اور انھیں ''احادیث سیف'' کا نام دیا، میرے اس کام سے ''کتاب صلح حسن'' کے مؤلف جناب شیخ راضی یاسین طاب ثراہ آگاہ ہوئے اور انہوں نے مجھے اس بحث کو جاری رکھنے کی حوصلہ افزائی فرمائی اور یہ تجویز پیش کی کہ اس کتاب کا نام ''عبداللہ بن سبا'' رکھوں، اور میں نے بھی ان کی تجویز سے اتفاق

کیا۔

میری تحقیق کا یہ کام سات سال تک یوں ہی پڑا رہا اور اس دوران گنے چنے چند دانشوروں کے علاوہ اس سلسلے میں کوئی اور آگاہ نہ ہوا، جس چیز نے مجھے اس مدت کے دوران اس کتاب کی طباعت سے روکا، وہ یہ تھا کہ میں اس امر سے ڈرتا تھا کہ بعض مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے، کیونکہ احادیث اور روایات کا یہ مجموعہ ان واقعات کے بارے میں تھا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد ۳۷ھ تک گزرے ہیں، اس مدت کے بارے میں لکھی گئی تاریخ، عام مسلمانوں کیلئے امر واقعی کے طور پر ثبت ہو چکی تھی اور ان کے اعتقادات کے مطابق اس میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہیں تھی عام لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ اس زمانے کے بارے میں لکھی گئی تاریخ ان کے دینی عقائد کا جز ہے اور پسماندگان کو کسی قسم کے چون و چرا کے بغیر اسے قبول کرنا چاہئے۔

یہ مباحث، تاریخ کی بہت سی ایسی بنیادوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیتے ہیں، جنھیں تاریخ دانوں نے بنیاد قرار دیگر ناقابل تغیر سمجھا ہے۔ اس کے علاوہ یہ مباحث اسلام کی بہت سی تاریخی داستانوں کو غلط ثابت کرتے ہیں اور بہت سے قابل اعتماد منابع و مآخذ کے ضعیف ہونے کا ثبوت بھی پیش کرتے ہیں۔[1]

قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں گے کہ یہ بحث ''عبداللہ بن سبا'' اور اس کے افسانوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دامن کافی وسیع اور عمیق تر ہے۔

۱۔ اس لئے ''پیرزال'' کے مانند تاریخ میں لکھے گئے خرافات وتوہمات پر ایمان واعتقاد رکھنے والے حضرات کو یہ کتاب پڑھنی چاہئے۔

اس سبب اور چند دیگر اسباب کی بنا پر اس کتاب کو شائع کرنے کے سلسلے میں میرے دل میں خوف پیدا ہوا تھا، لیکن جب میں نے اس موضوع کے ایک حصہ کو تاریخ پر تحقیقاتی کام انجام دینے والے دو عالیمقام دانشوروں کی تحریروں میں پایا تو میرے حوصلے بڑھ گئے اور میں نے ان مباحث کو شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ میں نے ان مباحث میں قدیمی ترین تاریخی منابع و مآخذ سے استفادہ کیا ہے اور پانچویں صدی کے بعد والے کسی شخص سے کوئی بات نقل نہیں کی ہے مگر یہ کہ پانچویں صدی کے بعد نقل کی گئی کسی بات کی بنیاد متقدمین سے مربوط ہو اور صرف اس کی شرح و تفصیل اس کے بعد والوں میں سے کسی نے کی ہو۔

و للہ الحمد و منہ التوفیق

بغداد ۱۵ رمضان ۱۳۷۵ھ

مرتضیٰ عسکری

پہلا حصہ

عبداللہ بن سبا کا افسانہ

- افسانہ کی پیدائش۔
- افسانہ کے روایوں کا سلسلہ۔
- سیف بن عمر۔ عبداللہ بن سبا کے افسانہ کو گڑھنے والا۔

عبداللہ بن سبا کے افسانہ کی پیدائش

"هذه هي أُسطورة ابن سَبأ بإيجاز"

یہ افسانہ عبداللہ بن سبا اور اس کی پیدائش کا خلاصہ ہے۔

ایک ہزار سال سے زائد عرصہ پہلے مؤرخین نے "ابن سبا" کے بارے میں قلم فرسائی کر کے اس سے اور سبائیوں (اس کے ماننے والوں) سے حیرت انگیز اور بڑے بڑے کارنامے منسوب کئے ہیں۔لہذا دیکھنا چاہئے کہ

یہ ابن سبا کون ہے؟ اور

سبائی کون ہیں؟

ابن سبا نے کونسے دعوے کئے ہیں اور کیا کارنامے انجام دئے ہیں؟

مؤرخین نے جو کچھ "ابن سبا" کے بارے میں لکھا ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے

صنعا، یمن کے ایک یہودی نے عثمان کے زمانے میں بظاہر اسلام قبول کیا، لیکن خفیہ طور پر

مسلمانوں کے درمیان اختلاف وافتراق پھیلانے میں مصروف تھا اور مسلمانوں کے مختلف بڑے شہروں جیسے، شام، کوفہ، بصرہ اور مصر کا سفر کر کے مسلمانوں کے اجتماعات میں شرکت کرتا تھا اور لوگوں میں اس امر کی تبلیغ کرتا تھا کہ پیغمبر اسلامؐ کیلئے بھی حضرت عیسیٰؑ کی طرح رجعت مخصوص ہے اور دیگر پیغمبروں کی طرح حضرت محمد مصطفیؐ کیلئے بھی ایک وصی ہے اور وہ حضرت علی علیہ السلام ہیں وہ خاتم الاوصیاء ہیں جیسے کہ حضرت محمدؐ خاتم الانبیاء ہیں۔ عثمان نے اس وصی کے حق کو غصب کر کے اس پر ظلم کیا ہے، لہذا شورش اور بغاوت کر کے اس حق کو چھین لینا چاہئے۔

مؤرخین نے اس داستان کے ہیرو کا نام ''عبداللہ بن سبا'' اور اس کا لقب ''ابن امۃ السوداء'' (سیاہ کنیز کا بیٹا) رکھا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ اسی عبداللہ بن سبا نے اپنے مبلغین کو اسلامی ممالک کے مختلف شہروں میں بھیج کر انھیں حکم دیا تھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بہانے، وقت کے حاکموں کو کمزور بنا دیں، نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت اس کی گرویدہ بن گئی اور انہوں نے اس کے پروگرام پر عمل کیا، حتیٰ ابوذر، عمار بن یاسر اور عبدالرحمان بن عدیس جیسے پیغمبرؐ کے بزرگ صحابی اور مالک اشتر جیسے بزرگ تابعین اور مسلمانوں کے دیگر سرداروں کو بھی ان میں شمار کیا ہے۔

کہتے ہیں کہ سبائی جہاں کہیں بھی ہوتے تھے، اپنے قائد کے پروگرام کو آگے بڑھانے کی غرض سے لوگوں کو علاقہ کے گورنروں کے خلاف بغاوت پر اکساتے تھے اور وقت کے حکام کے خلاف بیانات اور اعلانیہ لکھ کر مختلف شہروں میں بھیجتے تھے۔ اس تبلیغات کے نتیجہ میں لوگوں کی ایک جماعت

مشتعل ہوکر مدینہ کی طرف بڑھی اور عثمان کو ان کے گھر میں محاصرہ کرکے انھیں قتل کر ڈالا۔ کہ سب کام سبائیوں کی قیادت میں اور انھیں کے ہاتھوں سے انجام پاتے تھے۔

اس کے علاوہ کہتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے علی علیہ السلام کی بیعت کی اور عائشہ، عثمان کی خونخواہی کیلئے طلحہ وزبیر کے ہمراہ، راہی بصرہ ہوئی تو شہر بصرہ کے باہر علی علیہ السلام اور عائشہ کی سپاہ کے سرداروں، طلحہ وزبیر کے درمیان گفت وشنید ہوئی۔ سبائی جان گئے کہ اگر ان میں مفاہمت ہوجائے تو قتل عثمان کے اصلی مجرم، جو سبائی تھے، ننگے ہوکر گرفتار ہوجائیں گے۔ اس لئے انہوں نے راتوں رات یہ فیصلہ کیا کہ ہر حیلہ وسازش سے جنگ کی آگ کو بھڑکا دیں۔

اس فیصلہ کے تحت خفیہ طور پر ان کا ہی ایک گروہ علی علیہ السلام کے لشکر میں اور ایک گروہ طلحہ وزبیر کے لشکر میں گھس گیا۔ جب دونوں لشکر صلح کی امید میں سوئے ہوئے تھے تو علی علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہوئے گروہ نے مقابل کے لشکر پر تیر اندازی کی اور دوسرے لشکر میں موجود گروہ نے علی علیہ السلام کے لشکر پر تیراندازی کی۔ نتیجہ کے طور پر دونوں فوجوں میں ایک دوسرے کے خلاف بدگمانی اور بے اعتمادی پیدا ہوگئی جس کے نتیجہ میں جنگ بھڑک اٹھی۔

کہتے ہیں کہ اس بنا پر بصرہ کی جنگ، جو جنگ جمل سے معروف ہے چھڑ گئی ورنہ دونوں لشکروں کے سپہ سالاروں میں سے کوئی ایک بھی اس جنگ کیلئے آمادہ نہ تھا اور وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ اس جنگ کا اصلی عامل کون تھا۔

اس افسانہ ساز نے داستان کو یہیں پر ختم کیا ہے اور سبائیوں کی سرنوشت کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔

یہ تھا ''سبائیوں'' کے افسانہ کا ایک خلاصہ، اب ہم اس کی بنیاد پر بحث کرنے سے پہلے مناسب سمجھتے ہیں کہ ''سبائیوں'' میں شمار کئے گئے بزرگوں میں سے بعض کے بارے میں جانکاری حاصل کریں

۱۔ابوذر

۲۔عمار بن یاسر

۳۔عبدالرحمان بن عدیس

۴۔صعصعہ بن صوحان

۵۔محمد بن ابی حذیفہ

۶۔محمد بن ابی بکر، خلیفہ اول کے بیٹے۔

۷۔مالک اشتر

۱۔ابوذر

ان کا نام جندب بن جنادۂ غفاری تھا، وہ اسلام لانے میں سبقت حاصل کرنے والے پہلے چار افراد میں چوتھے شخص تھے، وہ جاہلیت کے زمانے میں بھی خدا پرست تھے اور بت پرستی کو ترک

کر چکے تھے، جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو مکہ مکرمہ میں بیت اللہ الحرام کے اندر اپنے اسلام کا اظہار کیا اس لئے قریش کے بعض سرداروں نے انھیں پکڑ کر اس قدر ان کی پٹائی کی کہ وہ لہولہان ہو کر زمین پر بیہوش گر پڑے، وہ اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ کر چلے گئے، ہوش میں آنے کے بعد وہ پیغمبر خداؐ کے حکم سے واپس اپنے قبیلہ میں چلے گئے اور بدر واحد کے غزوات کے اختتام تک وہیں مقیم رہے۔

اس کے بعد مدینہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمؐ کی رحلت کے بعد انھیں شام بھیجا گیا، لیکن عثمان کے زمانے میں معاویہ نے ان کے بارے میں خلیفہ کے یہاں شکایت کی اور عثمان نے انھیں مکہ و مدینہ کے درمیان "ربذہ" نام کی ایک جگہ پر جلا وطن کر دیا اور آپ ۳۲ھ میں وہیں پر وفات پا گئے۔

ابوذر کی مدح وستائش میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی احادیث موجود ہیں من جملہ آپ نے فرمایا:

"مَا أظلّت الخضراء و لا اقلّت الغبراء علی ذی لهجة اصدق من ابی ذر"

آسمان اور زمین نے ابوذر جیسے راستگو شخص کو نہیں دیکھا ہے[1]

۱۔ ابوذر کی تشریح، طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۱۶۱۔۱۷۱، مسند احمد، ج ۲/۱۶۳ و ۱۷۵، ۲۲۳، ج ۵/۱۴۷ و ۱۵۵، ۱۵۹، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۷۲، ۱۷۴، ۳۵۱، ۳۵۶، و ج ۶/۴۴۲، اور صحیح بخاری و صحیح ترمذی اور صحیح مسلم کتاب مناقب میں ملاحظہ ہو۔

۲۔ عمار بن یاسر

ان کی کنیت ابو یقظان تھی اور قبیلہ بنی ثعلبہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کی والدہ کا نام سمیہ تھا، ان کا بنی مخزوم کے ساتھ معاہدہ تھا۔

عمار اور ان کے والدین اسلام کے سابقین میں سے تھے، وہ ساتویں شخص تھے جس نے اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا، عمار کے والد اور والدہ نے اسلام قبول کرنے کے جرم میں قریش کی طرف سے دی گئیں جسمانی اذیتوں کا تاب نہ لا کر جان دیدی ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے عمار کی ستائش میں کئی صحیح احادیث روایت ہوئی ہیں، من جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عمار کی سرشت ایمان سے لبریز ہے[1]۔

انہوں نے جنگِ جمل اور صفین میں حضرت علی علیہ السلام کی رکاب میں شرکت کی ہے اور جمعرات ۹ صفر ۳۷ھ کو ۹۳ سال کی عمر میں شہید ہوئے ہیں[2]۔

۱۔ "ان عماراً ملیء ایماناً الی مشاشه"

۲۔ ملاحظہ ہو: مروج الذہب، مسعودی، ج ۲/ ۲۱۔۲۲، طبری و ابن اثیر میں حوادث سال ۳۶۔۳۷ھ، انساب الاشراف بلاذری، ج ۵، ص ۴۸۔۸۸، طبقات ابن سعد، ج ۳، ق ۱، ۱۶۶۔۱۸۹، مسند احمد، ج ۱/ ۹۹ و ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۳۰، ۱۳۷، ۲۰۴، اور ج ۲/ ۱۶۱، ۱۶۴، ۲۰۶، و ج ۴/ ۵، ۲۲، ۲۸۔

۳۔محمد بن ابی حذیفہ

ان کی کنیت ابوالقاسم تھی ۔ وہ عتبہ بن ربیعہ عبشمی کے فرزند تھے، ان کی والدہ سہلہ بنت عمرو عامریہ تھیں، محمد بن ابی حذیفہ، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں حبشہ میں پیدا ہوئے ہیں، ان کے باپ ابوحذیفہ یمامہ میں شہید ہوئے تو عثمان نے اسے اپنے پاس رکھ کر اس کی تربیت کی ابن ابی حذیفہ کے بالغ ہونے اور عثمان کے خلافت کے عہدے پر پہنچنے کے بعد اس نے عثمان سے مصر چلے جانے کی اجازت چاہی۔ عثمان نے بھی اجازت دیدی، جب مصر پہنچے تو دوسروں سے زیادہ لوگوں کو عثمان کے خلاف اکسانے پر معروف ہوئے، جب ۳۵ھ میں عبداللہ بن ابی سرح اپنی جگہ پر عقبہ بن عامر کو جانشین قرار دے کر مدینہ چلا گیا تو محمد بن ابی حذیفہ نے اس کے خلاف بغاوت کی اور عقبہ بن عامر کو مصر سے نکال باہر کیا اس طرح مصر کے لوگوں نے محمد بن ابی حذیفہ کی بیعت کی اور عبد اللہ بن ابی سرح کو مصر سے واپس آنے نہ دیا، اس کے بعد محمد بن ابی حذیفہ نے عبدالرحمان بن عدیس کو چھ سو سپاہیوں کی قیادت میں عثمان سے لڑنے کیلئے مدینہ روانہ کیا، جب حضرت علی علیہ السلام خلیفہ ہوئے تو آپ نے محمد بن ابی حذیفہ کو مصر کی حکمرانی پر بدستور برقرار رکھا، وہ اس وقت تک مصر کے حاکم رہے جب معاویہ صفین کی طرف جاتے ہوئے محمد بن ابی حذیفہ کی طرف بڑھا، محمد مصر سے باہر آئے اور معاویہ کو ''قسطاط'' میں داخل ہونے سے روکا، آخر کار نوبت صلح پر پہنچی اور طے یہ پایا کہ محمد بن ابی حذیفہ تیس افراد من جملہ عبدالرحمان بن عدیس کے ہمراہ مصر سے خارج ہو جائیں اور معاویہ کی طرف

سے انھیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا، لیکن ان کے مصر سے خارج ہونے کے بعد معاویہ نے انھیں مکر و فریب سے گرفتار کر کے دمشق کے زندان میں مقید کر ڈالا کچھ مدت کے بعد معاویہ کے غلام ''رشدین'' نے محمد بن ابی حذیفہ کو قتل کر ڈالا ، محمد بن ابی حذیفہ ان افراد میں سے ایک تھے جنہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا[1]

۴۔ عبدالرحمان بن عدیس بلوی

وہ صاحب بیعت شجرہ تھے۔ مصر کی فتح میں شریک تھے اور وہاں پر ایک زمین کو آباد کر کے اس کے مالک بن گئے تھے، مصر سے عثمان کے خلاف لڑنے کیلئے روانہ ہوئے لشکر کی سرپرستی اور کمانڈری ان کے ذمہ تھی، معاویہ نے محمد بن ابی حذیفہ سے صلح کا عہد و پیمان باندھنے کے بعد مکر و فریب سے عبد الرحمان بن عدیس کو پکڑ کر فلسطین کے ایک جیل میں ڈالدیا، ۳۶ھ میں اس نے جیل سے فرار کیا لیکن اس کو دوبارہ پکڑ کر قتل کر دیا گیا[2]

۵۔ محمد بن ابی بکر

ان کی والدہ کا نام اسماء تھا اور وہ عمیس خثعمیہ کی بیٹی تھی، جعفر ابن ابیطالبؑ کی شہادت کے بعد ان کی بیوی اسماء نے ابوبکر سے شادی کی تھی اور حجۃ الوداع میں مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ

۱۔ اصابہ، حرف میں ق ۱/ ج ۳/ ۵۴، اسد الغابہ، ج ۴/ ص ۳۱۵، الاستیعاب، ج ۳/ ۳۲۱۔۳۲۲۔

۲۔ اصابہ، ج ۴/ ۱۷۱ ق ۱، حرف عین، استیعاب حرف عین کی طرف مراجعہ کریں۔

پیدا ہوئے پھر ابو بکر کی وفات کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی آغوش تربیت میں پروان چڑھے، اور جنگ جمل میں آنخضرت کے ہمرکاب رہے اور پیادہ لشکر کی کمانڈری بھی کی۔

حضرت علی علیہ السلام کی حمایت میں تلوار چلائی اور اس جنگ میں پیدل فوج کی کمانڈر تھے۔

انہوں نے جنگ صفین میں بھی شرکت کی ہے اور اس جنگ کے بعد امیر المؤمنین کی طرف سے مصر کے گورنر مقرر ہوئے اور ۱۵ رمضان المبارک ۳۷ھ کو مصر پہنچ گئے، معاویہ نے ۳۸ھ کو عمرو عاص کی سرکردگی میں مصر پر فوج کشی کی، عمرو عاص نے مصر پر قبضہ جمانے کے بعد محمد بن ابو بکر کو گرفتار کر کے اسے قتل کر ڈالا پھر ان کی لاش کو ایک مردار خچر کی کھال میں ڈال کر نذر آتش کیا[1]

۶۔ صعصعہ بن سوہان عبدی

انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اسلام قبول کیا ہے، وہ فصیح تقریر کرنے والا ایک شخص تھا انہوں نے جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کی حمایت میں معاویہ سے جنگ کی ہے، جب معاویہ نے کوفہ پر تسلط جمایا تو صعصعہ کو بحرین جلا وطن کر دیا اور انہوں نے وہیں پر وفات پائی[2]

۱۔ تاریخ طبری، سال ۳۷۔۳۸ھ کے واقعات کے ذیل میں، اصابہ، ج ۳/۴۵۱ ق، حرف میم، استیعاب، ج ۳/ ۳۲۸ و ۳۲۹ ملاحظہ ہو

۲۔ اصابہ، ج ۳/۱۹۲ حرف ص، استیعاب، ج ۲/ ۱۸۹۔

۷۔ مالک اشتر

انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درک کیا ہے، تابعین کے ثقات میں شمار ہوتے تھے، مالک اشتر اپنے قبیلے کے سردار تھے، چونکہ یرموک کی جنگ میں ان کی آنکھ زخمی ہوگئی تھی اس لئے انہیں ''اشتر'' لقب ملا تھا، انہوں نے جنگ جمل اور صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے رکاب میں آپ کے دشمنوں سے جنگ لڑی اور نمایاں کامیابی حاصل کی، ۳۸ھ میں حضرت علی علیہ السلام نے انھیں مصر کا گورنر مقرر کیا ور وہ مصر کی طرف بڑھ گیے، جب وہ قلزم (بحر احمر) پہنچے تو معاویہ کی ایک سازش کے تحت انھیں زہر دیا گیا جس کے نتیجہ میں وہ وفات پا گیے[۱] یہ تھا صدر اسلام کے بزرگ مسلمانوں کے ایک گروہ کے حالات کا خلاصہ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ مؤرخین کی ایک جماعت نے انھیں ایک نامعلوم یہودی کی پیروی کرنے کی تہمت لگائی ہے؟!!!

اب جب کہ ہمیں معلوم ہوا کہ عبداللہ بن سبا کا افسانہ کیا ہے، تو اب مناسب ہے اس افسانہ کے سرچشمہ اور آغاز کی تلاش کریں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس کو کس نے گڑھ لیا ہے اور اس کے راوی کون ہیں۔

۱۔ استیعاب، ابی بکر کے ترجمہ کے ذیل میں ج ۳/ ۳۲۷، اصابہ ج ۳/ ۴۶۹، اور

افسانۂ عبداللہ بن سبا کے راوی

"اكثر من عشرة قرون و المؤرّخون يكتبون هذه القصة"

دس صدیوں سے زیادہ عرصہ سے مورخین اس افسانہ کو صحیح تاریخ کے طور پر لکھتے چلے آئے ہیں۔

"مولف"

بارہ صدیاں گزر گئیں کہ مؤرخین "عبداللہ بن سبا" کے افسانہ کو لکھتے چلے آ رہے ہیں۔ جتنا بھی وقت گزرتا جارہا ہے، اس افسانہ کو زیادہ سے زیادہ شہرت ملتی جارہی ہے، یہاں تک کہ آج بہت کم ایسے قلم کار دکھائی دیتے ہیں جنہوں نے اصحاب کے بارے میں قلم فرسائی کی ہو اور اپنی تحریرات میں اس افسانہ کو لکھنا بھول گئے ہوں! بے شک گزشتہ اور موجودہ قلم کاروں میں یہ فرق ہے کہ قدیمی مؤلفین نے اس افسانہ کو حدیث اور روایت کے روپ میں لکھا ہے اور اس افسانہ کو اپنی گڑھی ہوئی روایتوں کی صورت میں بیان کیا ہے جبکہ معاصر مؤلفین نے اس کو علمی اور تحقیقاتی رنگ سے مزین کیا ہے۔

اس لحاظ سے اگر ہم اس موضوع کی علمی تحقیق کرنا چاہئیں تو ہم مجبور ہیں پہلے اس افسانہ کے

سرچشمہ اوراس کے راویوں کی زندگی کے بارے میں ابتداء سے عصر حاضر تک چھان بین کریں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ کن لوگوں اور کن منابع کی بنا پر اس داستان کی روایت کی گئی ہے اس کے بعد اصلی داستان پر بحث کر کے اپنا نظریہ پیش کریں۔

مسلمان تاریخ نویسوں کی نظر میں عبداللہ بن سبا کی داستان

۱۔ سید رشید رضا[1]

متأخرین میں سے سید رشید رضا نے یوں کہا ہے:

''چوتھے خلیفہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے نام پر شیعیت، امت محمدی میں دینی اور سیاسی اختلاف کا آغاز تھا، پہلا شخص جس نے تشیع کے اصول گڑھے ہیں، وہ عبد اللہ بن سبا نامی ایک یہودی تھا جس نے مکروفریب کی بنا پر اسلام کا اظہار کیا تھا۔ وہ لوگوں کو علی علیہ السلام کے بارے میں غلو کرنے کی دعوت دیتا تھا تاکہ اس طرح امت میں اختلاف اور تفرقہ پھیلا کر اسے تباہ و برباد کرے[2]

سید رشید رضا اس داستان کو اپنی کتاب کے چھٹے صفحہ تک جاری رکھتے ہوئے اس پر اپنا خاطر خواہ حاشیہ لگایا ہے، جب ہم اس سے اس خیالی داستان کے ثبوت اور مصادر کے بارے میں پوچھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ داستان کو نقل کرنے کے بعد یوں لکھا ہے:

''اگر کوئی تاریخ ابن اثیر کی تیسری جلد کے صفحہ ۹۵۔۱۰۳ پر جنگ جمل کے واقعہ کی

۱۔ متولد ۱۳۶۵ھ

۲۔ سید رشید رضا کی الشیعہ والسنۃ، ص ۶۔۴۔

خبر کا مطالعہ کرے تو اسے بخوبی معلوم ہوگا کہ ''سبائیوں'' نے کس حد تک اختلاف اندازی کی ہے اور نہایت ذہانت اور چالاکی سے اپنی مہارت کا اظہار کیا ہے اور صلح کی راہ میں کتنی روکاوٹیں ڈالی ہیں، اس بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ سید رشید رضا نے اس داستان کو ''تاریخ ابن اثیر'' پر بھروسہ کر کے نقل کیا ہے۔

۲۔ ابوالفداء

ابوالفداء جس نے ۷۳۲ھ میں وفات پائی ہے، ''المختصر'' نامی اپنی تاریخ میں چند دوسری غیر صحیح داستانوں کے ساتھ ضمیمہ کر کے اپنی کتاب کے دیباچہ میں اس داستان کے ایک حصہ کو یوں لکھا ہے:

''میں نے اس کتاب کو شیخ عزالدین علی معروف بہ ابن اثیر جزری کی تالیف ''تاریخ کامل'' سے لیا ہے اور ابن اثیر کے مطالب کو خلاصہ کے طور پر میں نے اپنی اس کتاب میں درج کیا ہے''

۳۔ ابن اثیر

ابن اثیر وفات ۶۳۰ھ نے اس داستان کو ۳۰۔۳۶ھ کے حوادث کے ضمن میں مکمل طور پر نقل کیا ہے، لیکن اس بات کی طرف کسی قسم کا اشارہ نہیں کیا ہے کہ اس نے اس داستان کو کس مآخذ سے نقل کیا ہے، صرف کتاب کے دیباچہ میں [1]

[1] صفحہ ۵، طبع مصر ۱۳۴۸ھ۔

جس کا پورا نام ''الکامل فی التاریخ'' ذکر کیا ہے لکھا ہے:

''میں نے اس کتاب کے مطالب کو ابتداء میں امام ابو جعفر محمد طبری کی تالیف ''تاریخ الامم والملوک'' سے نقل کیا ہے، کیونکہ وہ تنہا کتاب ہے جو عام لوگوں کی نظروں میں قابل اعتماد ہے اور اگر کبھی کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو اس اختلاف کو دور کرنے کیلئے اس کتاب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، لہذا میں نے بھی اس کتاب کی روایتوں کو کسی دخل و تصرف کے بغیر من و عن نقل کیا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اس نے اکثر واقعات کے بارے میں متعدد روایتیں ذکر کی ہیں لیکن میں نے ان تمام روایتوں کے مطالب کو جمع کر کے ایک جگہ بیان کیا ہے، نتیجہ کے طور پر جو کچھ اس نے ایک واقعہ کے بارے میں نقل کیا ہے اور اسے مختلف مآخذ کے حوالہ سے بیان کیا ہے، میں نے اُسے ایک روایت کی شکل میں ذکر کیا ہے''

یہاں تک کہ کہتا ہے:

''لیکن اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اختلافات کے بارے میں جو کچھ تھا اسے میں نے مذکورہ تاریخ سے من و عن نقل کر کے درج کیا ہے اور اس میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا ہے، صرف مطالب کی وضاحت کی ہے یا اشخاص کے نام ذکر کئے ہیں اور یا خلاصہ کے طور پر ان کی تشریح اس طرح کی ہے کہ کسی صحابی کی بے

احترامی نہ ہو‘‘

اس لحاظ سے ابن اثیر، (جس سے ابوالفداء اور سید رشید رضا نے نقل کیا ہے) نے اس داستان کو تاریخ طبری سے نقل کیا ہے چونکہ یہ داستانیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ؐ کے اصحاب کے درمیان رونما ہوئے حوادث کی تفصیلات سے مربوط جعل کی گئی ہیں، لہذا ابن اثیر کے کہنے کے مطابق اس نے طبری کے نقل کردہ مطالب پر کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا ہے۔

۴۔ ابن کثیر

ابن کثیر (وفات ۷۷۴ھ) نے بھی اس داستان کو اپنی تاریخ " البداية و النهاية " کی ساتویں جلد میں طبری سے نقل کیا ہے اور اس کتاب کے صفحہ ۱۶۷ میں لکھا ہے:

سیف بن عمر نے کہا ہے کہ عثمان کے خلاف مختلف پارٹیوں کی بغاوت کا سبب یہ تھا کہ ’’عبداللہ بن سبا‘‘ نامی ایک شخص نے ظاہری طور پر اسلام لانے کے بعد مصر میں جا کر خود کچھ عقائد اور تعلیمات گڑھ کر وہاں کے لوگوں میں ان عقائد کو پھیلایا....‘‘

اس کے بعد عبداللہ بن سبا نے مربوط داستانوں کو تمام خصوصیات کے ساتھ اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۴۶ تک نقل کرتا ہے اور اس کے بعد لکھتا ہے:

’’یہ اس کا ایک خلاصہ ہے جو کچھ ابوجعفر بن جریر طبریؒ نے نقل کیا ہے‘‘۔

اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بھی مذکورہ داستان کو" تاریخ طبری" سے نقل کیا ہے۔

۵۔ابن خلدون

عبدالرحمان بن محمد بن خلدون نے بھی "المبتداء والخبر" نامی اپنی تاریخ میں ابن اثیر اور ابن کثیر کے ہی طریقہ کار کو اپناتے ہوئے عبداللہ بن سبا کی داستان کو قتل عثمان اور جنگ جمل کے واقعہ میں ذکر کیا ہے پھر اسی کتاب کی جلد ۲ صفحہ ۴۲۵ میں جنگ جمل کا واقعہ درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

یہ ہے جنگ جمل کا واقعہ جسے میں نے خلاصہ کے طور پر ابو جعفر طبری کی کتاب سے نقل کیا ہے، طبری اس لحاظ سے قابل اعتماد ہے کہ وہ باوثوق ہے اور اس کی کتاب، ابن قتیبہ اور دوسرے مؤرخین کے یہاں موجود مطالب کی نسبت صحیح و سالم ہے...."

اور صفحہ نمبر ۴۵۷ پر لکھا ہے:

میں نے جو کچھ اس کتاب میں اسلامی خلافت کے موضوع، مرتدوں کے بارے میں فتوحات، جنگوں اور اس کے بعد مسلمانوں کے اتحاد و اجتماع (امام حسن اور معاویہ کے درمیان صلح) کے بارے میں درج کیا ہے، وہ سب امام ابو جعفر طبری کی عظیم تاریخ سے خلاصہ کے طور پر نقل کیا ہے، چونکہ یہ تاریخ دیگر تواریخ کی نسبت

قابل اعتماد ہے اور اسمیں ایسے مطالب درج کرنے سے پرہیز کیا گیا ہے جو اس امت کے بزرگوں، اصحاب اور تابعین کی بے احترامی کا سبب بنیں''

۶۔ فرید وجدی

فرید وجدی نے بھی اپنے ''دائرۃ المعارف'' میں لغت ''عثم''، جنگ جمل اور حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے حالات بیان کرنے کے ضمن میں ان داستانوں میں سے بعض کا ذکر کیا ہے اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۶۰، ۱۶۸، اور ۱۶۹ میں اشارہ کیا ہے کہ اس کا مآخذ ''تاریخ طبری'' ہے۔

۷۔ بستانی

بستانی (وفات ۱۳۰۰ھ) نے عبداللہ ابن سبا کی داستان کو ''تاریخ ابن کثیر'' سے نقل کرکے اپنے دائرۃ المعارف میں مادہ ''عبداللہ'' کے تحت ذکر کیا ہے اور ''خطط مقریزی''[۱] کے بیان کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے اپنی بات تمام کی ہے۔

۸۔ احمد امین

عصر حاضر کے مصنفین، جو تاریخی حوادث کو تجزیہ و تحلیل کے طریقے سے لکھنا چاہتے ہیں اور ہر حادثہ کے سرچشمہ پر نظر رکھتے ہیں، ان میں سے ایک احمد امین مصری ہیں۔ جنھوں نے ''فجر الاسلام'' نامی اپنی کتاب میں ایرانیوں اور اسلام پر ان کے اثر انداز ہونے کے بارے میں بحث کرتے ہوئے اس کے صفحہ نمبر ۱۰۹ سے ۱۱۱ تک ''مسلمانون پر زرتشت عقائد و افکار کے اثرات'' کے باب میں ''مزدک'' کے

۱۔ یہ احمد بن علی مقریزی وفات ۸۴۸ھ ہے

بارے میں بیان کیا ہے۔اس سلسلے میں ان کی بات کا خلاصہ حسب ذیل ہے[1] ''مزدک کی اہم دعوت اس کا اشتراکی نظام مقصد تھا،مزدک کہتا تھا

''لوگ مساوی طور پر دنیا میں آئے ہیں اور انھیں مساوی زندگی بسر کرنی چاہئے،اہم ترین چیز جس میں لوگوں کو مساوات کا لحاظ رکھنا چاہئے،دولت اور عورت ہے،کیونکہ یہی دو چیزیں لوگوں کے درمیان دشمنی اور جنگ کا سبب بنتی ہیں،لہذا لوگوں کو ان دو چیزوں میں ایک دوسرے کا شریک ہونا چاہئے تا کہ دشمنی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے''

وہ دولتمندوں کی دولت کو محتاجوں اور فقیروں میں تقسیم کرنا واجب جانتا تھا،لہذا حاجتمندوں نے فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس کے اس اعتقاد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی حمایت کی اور اس طرح وہ اس قدر قوی ہوگیا کہ کوئی اس کی مخالفت کی جرأت نہیں کرسکتا تھا،لوگوں کے گھروں پر حملہ کرکے ان کے مال و ناموس کو لوٹ لیتا تھا،اس طرح ایسے حالات رونما ہوئے کہ نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو پہچان سکتا تھا اور نہ بیٹا باپ کو جانتا تھا اور نہ کسی کی دولت باقی رہی تھی...''

اس کے بعد احمد امین لکھتے ہیں کہ یہ دین اسلام کے پھیلنے کے زمانے اور بنی امیہ کی خلافت کے آخری ایام تک ایران کے بعض دیہاتی باشندوں میں موجود تھا۔

اس مطلب کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

۱۔احمد امین سے پہلے رشید رضا نے اپنی کتاب ''الشیعہ والسنۃ'' میں یہی بات کہی ہے۔

''ہم مالی امور کے سلسلے میں ابوذر کے نظریہ اور مزدک کے نظریہ میں شباہت پاتے ہیں، کیونکہ طبری کہتا ہے ابوذر نے شام میں انقلاب کر کے یہ نعرہ بلند کیا تھا کہ'' اے دولتمندو حاجتمندوں کی مدد و یاری کرو'' اور یہ کہتا تھا: ﴿اَلَّذِینَ یکنزون الذھب و الفضۃ و لا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشّرھم بعذابٍ الیم﴾[1]

اس نعرہ کو اس قدر دہرایا کہ تنگدستوں نے اسے اپنا منشور قرار دیا اور مساوات کو ثروتمندوں پر واجب سمجھنے لگے، یہاں تک کہ دولتمندوں نے تنگ آ کر شکایت کی اور معاویہ نے اس ڈر سے کہ کہیں ابوذر شام کے لوگوں کو اس کے خلاف بغاوت پر نہ اکسائیں، اسے عثمان کے پاس مدینہ بھیج دیا۔

عثمان نے ابوذر سے پوچھا: کیوں لوگ تیری زبان درازی پر تجھ سے شکایت کرتے ہیں؟

ابوذر نے جواب میں کہا: دولتمند سزاوار نہیں ہیں کہ وہ اپنے مال کو جمع کریں!

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مال اور دولت کے بارے میں ابوذر کا طرز تفکر مزدک کے نظریہ سے بہت نزدیک تھا یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابوذر نے نظریہ کہاں سے سیکھا تھا؟

ہم اس سوال کے جواب کو طبری کی تحریر میں پاتے ہیں جب وہ یہ کہتا ہے: ابن سوداء عبداللہ بن سبا نے ابوذر سے ملاقات کر کے اسے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے، البتہ عبداللہ بن سبا ابودرداء اور عبادہ بن صامت[2] کے پاس بھی گیا تھا لیکن وہ اس کے فریب میں نہیں آئے تھے، حتی عبادۃ بن

۱۔ مال و دولت کو جمع کر کے راہ خدا میں خرچ نہ کرنے والوں کو خبردار کرو کہ ان کی پیشانی اور پہلو کو داغ کرنے کیلئے اوزار آمادہ ہے۔

۲۔ یہ دونوں پیغمبر خداؐ کے اصحاب ہیں، اس کتاب کے آخر میں ان کے حالات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

صامت نے ابن سوداء کے گریبان پکڑ کر اسے معاویہ کے پاس لے گیا اور معاویہ سے کہا: خدا کی قسم یہ وہ شخص ہے جس نے ابوذر کو تیرے خلاف اکسایا ہے.....[۱]

اس کے بعد احمد امین بیان کو اس طرح جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہم جانتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا صنعاء کا رہنے والا ایک یہودی شخص تھا، اس نے عثمان کے زمانے میں ظاہری طور پر اسلام قبول کیا تھا تا کہ اسلام کو نابود کر دے، اس لئے اس نے مختلف شہروں میں اپنے گمراہ کن اور مضر افکار کو پھیلا دیا جن کے بارے میں بعد میں ہم اشارہ کریں گے۔

چونکہ ابن سبا نے حجاز، بصرہ، کوفہ، شام اور مصر جیسے بہت سے شہروں کا سفر کیا تھا اس لئے اس کا قوی امکان ہے کہ اس نے اس طرز تفکر کو عراق یا یمن کے مزدکیوں سے حاصل کیا ہوگا اور ابوذر نے اس سے حسن نیت رکھنے کی بنا پر اس نظریہ کو قبول کیا ہوگا"

اور حاشیہ میں لکھا ہے:

"تاریخ طبری کا حصۂ پنجم ملاحظہ ہو"

وہ اس بحث کو جاری رکھتے ہوئے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱۲ میں اس طرح نتیجہ اخذ کرتے ہیں:

"مزدک و مانی وہ سرچشمہ تھے جن سے رافضیوں (شیعوں) نے اپنے عقائد اخذ کئے ہیں، انہوں نے علی علیہ السلام اور آل علی علیہ السلام کے بارے میں شیعوں کا عقیدہ

اپنے ایرانی اسلام کے اس عقیدہ سے لیا ہے جو وہ ساسانی بادشاہوں کے بارے میں رکھتے تھے، کیونکہ وہ پادشاہوں کی پادشاہی کو ایک قسم کا خدائی حق جانتے تھے۔

احمد امین نے وعدہ کیا تھا کہ "مختلف شہروں میں ان گمراہ کن اور مضر عقیدوں و وافکار کو پھیلنے کے بارے میں بعد میں اشارہ کریں گے" وہ اس وعدہ کو پورا کرتے ہوئے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۵۴ پر اسلامی فرقوں کے بارے میں بحث کرتے ہوئے اس طرح لکھتے ہیں:

عثمان کی خلافت کے آخری ایام میں بعض گروہ مخفی طور پر جگہ جگہ پھیل گئے اور لوگوں کو عثمان کا تختہ الٹنے، اس کی جگہ پر دوسروں کو بٹھانے کی ترغیب دلانے لگے۔

ان فرقوں میں سے بعض فرقے علی علیہ السلام کے حق میں پروپگنڈہ کرتے تھے، ان کے سرغنوں میں سب سے مشہور شخص عبداللہ بن سبا تھا، جو یمن کا ایک یہودی تھا اور اس نے ظاہری طور پر اسلام قبول کیا تھا اور بصرہ، شام و مصر کے شہروں کا دورہ کرتا تھا اور لوگوں سے کہتا تھا: ہر پیغمبر کا ایک وصی تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی، علی علیہ السلام ہیں اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت پر عمل نہ کرے اور اس کے وصی کے خلاف بغاوت کرے؟

ابن سبا ان معروف افراد میں سے تھا جس نے لوگوں کو عثمان کے خلاف بغاوت پر اکسایا...."

اس کے بعد صفحہ ۲۵۵ پر لکھتے ہیں:

"یہ اس تاریخ کا خلاصہ ہے جس کو نقل کرنے پر میں مجبور تھا، کیونکہ مسلمانوں کے

سب سے بڑے تین فرقے اسی کی بناء پر وجود میں آئے ہیں جو عبارت ہیں ....،

شیعہ اور....''

اپنی کتاب کے ۲۶۶۔۲۷۸ پر شیعوں سے مربوط فصل میں ایسے مطالب کو واضح تر صورت میں بیان کیا ہے۔ وہ صفحہ ۲۷۰ پر رقم طراز ہیں:

رجعت کے عقیدہ کو ابن سبا نے مذہب یہود سے لیا ہے کیونکہ وہ لوگ اس امر کے معتقد ہیں کہ الیاس پیغمبر نے آسمان کی طرف عروج کیا ہے اور وہ واپس آئیں گے ....اس عقیدہ نے شیعوں کو ائمہ کے غائب ہونے اور مھدی منتظر کے اعتقاد رکھنے پر مجبور کیا ہے[1]

اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۷۶ پر مذکورہ مقدمات کا حسب ذیل نتیجہ اخذ کرتے ہیں: ''حقیقت میں تشیع ایسے لوگوں کی پناہ گاہ تھی جو اسلام کے ساتھ دشمنی اور کینہ رکھنے کی بناء پر اسے نابود کرنا چاہتے تھے۔ جو بھی گروہ اپنے اسلام یعنی یہودی، عیسائی اور زردشتی...دین کو اسلام میں داخل کرنا چاہتا تھا، اس نے اہل بیت پیغمبرؐ کی دوستی

۱۔ مؤلف نے مصری عالم شیخ محمود ابوریہ کے نام لکھے گئے اپنے خط میں مھدی موعود (عج) کے بارے میں شیعوں کے عقیدہ کے سلسلہ میں کچھ دلائل لکھے ہیں، اس خط کا ایک حصہ مذکورہ عالم کی کتاب ''اضواء علی السنۃ المحمدیہ'' میں درج ہوا ہے، طبع صور لبنان ۱۳۸۳ھ ملاحظہ ہو۔

کو وسیلہ قرار دیا اور اس آڑ میں جو بھی چاہا انجام دیا، شیعوں نے رجعت کے عقیدہ کو یہودیوں سے سیکھا ہے[۱]

اور صفحہ ۲۷۷ پر یوں تحریک کرتے ہیں:

ولھاوزن کا عقیدہ یہ ہے کہ تشیع ایرانیوں کے دین کی بہ نسبت، دین یہود سے زیادہ متاثر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تشیع کا بانی عبداللہ بن سبا نامی ایک یہودی شخص تھا۔"

احمد امین کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ شیعوں نے رجعت اور امامت کے عقیدہ کو عبداللہ بن سبا سے لیا ہے اور ائمہ کی عصمت اور غیبت مھدی (عج) کے عقیدہ کا سرچشمہ بھی یہی ہے اور ابوذر نے جو اشتراک کی تبلیغ کی ہے یہ تبلیغات اور تعلیمات بھی عبداللہ بن سبا سے سیکھی ہے اور ابن سبا نے بھی رجعت کے عقیدہ کو دین یہود سے لیا ہے اور اشترا کی نظریہ کو مزدک کے دین سے اخذ کیا ہے اور عبداللہ بن سبا نے یہ کام علی علیہ السلام کے حق کے مطالبہ کی آڑ میں انجام دیا ہے اور اس طرح اسلام میں شیعہ عقیدہ کو ایجاد کیا ہے، اس طرح یہاں سے نتیجہ نکلتا ہے کہ حب اہل بیتؑ دشمنان اسلام کے لئے وسیلہ قرار پایا ہے اور شیعیت کے روپ میں یہود وغیرہ کی تعلیمات اسلام میں داخل ہوئی ہیں!!!

احمد امین کے ان تمام مفروضوں کا منبع اور دلیل ابن سبا کے افسانے ہیں اور مآخذ تاریخ طبری ہے اس نے صرف ایک جگہ پر ولھاوزن سے نقل کیا ہے، ہم ثابت کریں گے کہ ولھاوزن نے بھی طبری

۱۔ کتاب "فجر اسلام" اور "تاریخ الاسلام السیاسی" دنیا کی یونیورسٹیوں میں تاریخی مآخذ میں جانی جاتی ہیں یہ شیعہ تاریخ یونیورسٹیوں میں یوں پڑھائی جاتی ہے تو کیا صحیح تاریخ سمجھانے کا کوئی وسیلہ موجود ہے؟

سے نقل کیا ہے۔

اگر چہ احمد امین نے اس افسانہ کو علمی تجزیہ و تحلیل کے طریقے پر پیش کیا ہے، لیکن اس میں ذرہ برابر شک و شبہہ نہیں کہ شیعوں کے بارے میں ان کے بغض و کینہ نے انھیں ان مفروضوں کے سلسلہ میں کوسوں دور پھینک دیا ہے نہ کہ علمی اور تحقیقی روش نے

۹۔ حسن ابراہیم

معاصر کے مصنفین میں سے ایک اور شخص جس نے ان داستانوں کو تجزیہ و تحلیل کے ساتھ پیش کیا ہے وہ مصر کی یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ اسلام کے استاد پروفیسر ڈاکٹر حسن ابراہیم ہیں، انھوں نے "تاریخ الاسلام السیاسی" نامی اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۳۴۷ پر خلافت عثمان کے آخری ایام میں مسلمانوں کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:

"یہ ماحول مکمل طور پر عبداللہ بن سبا اور اس کے پیرکاروں، اور اس کے اثرات قبول کرنے والوں کا تھا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک دیرینہ صحابی، ابوذر غفاری (جو تقوی اور پرہیز گاری میں مشہور تھے اور خود ائمہ حدیث کی عظیم شخصیتوں میں شمار ہوتے تھے) نے فتنہ کی آگ کو بھڑکا دیا، اس نے صنعا کے رہنے والے ایک شخص عبداللہ بن سبا کے کئے گئے زبردست پروپگنڈے کے اثر میں آکر عثمان اور اس کے شام میں مقرر کردہ گورنر معاویہ کی سیاست کی مخالفت کی، عبداللہ بن سبا ایک

یہودی تھا جس نے اسلام قبول کر کے مختلف شہروں کا دورہ کیا اس نے اپنے دورے کو حجاز سے شروع کیا اور کوفہ، شام اور مصر تک چھان ڈالا...''

اس نے اس صفحہ کے حاشیہ پر تاریخ طبری [۱] کو اپنا مآخذ قرار دیا ہے اور کتاب کے صفحہ نمبر ۳۴۹ پر یوں لکھا ہے:

''عبداللہ بن سبا سب سے پہلا شخص ہے جس نے عثمان کے خلاف عوام میں نفرت پھیلائی اور عثمان کا تختہ الٹنے کی راہ ہموار کی''

کتاب کے حاشیہ پر تاریخ طبری کے صفحات کی طرف چار بار اشارہ کرتا ہے کہ اس خبر کو میں نے اس سے نقل کیا ہے اور اسی طرح داستان کو ص ۳۵۲ تک جاری رکھتا ہے اور بارہ دفعہ اس داستان کے تنہا مآخذ تاریخ طبری کے صفحات کی طرف اشارہ کرتا ہے اس کے باوجود کہ جنگِ جمل کے بارے میں طبری کی نقل کردہ بات کو بیان کرنے سے گریز کرتا ہے، جبکہ ابن سبا دونوں داستانوں میں موجود ہے، اور دونوں قصے ایک ہی داستان پر مشتمل ہیں اور داستان گڑھنے والا بھی ایک ہی شخص ہے!!!

۱۰۔ ابن بدران

ابن بدران (وفات ۱۳۴۶ھ) نے تاریخ ابن عساکر کا خلاصہ لکھا ہے اور اس کا نام ''تہذیب ابن عساکر'' رکھا ہے اس نے اپنی اس کتاب میں اکثر روایتوں کو راوی کا نام لئے بغیر نقل کیا ہے۔ اس

۱۔ طبری طبع یورپ حصہ اول صف ۲۸۵۹

نے ابن سبا کے افسانے کے بعض حصوں کو نقل کیا ہے اس نے بعض جگہوں پر اس کے راوی سیف بن عرم کا نام لیا ہے اور بعض جگہوں پر راوی کا ذکر کئے بغیر افسانہ نقل کیا ہے اور بعض مواقع پر سیف کی روایتوں کو تاریخ طبری سے نقل کیا ہے چنانچہ اس سے زیادہ ابن ابیہ کے حالات بیان کرتے ہوئے سیف کی روایتوں کو اس کی کتاب سے نقل کیا ہے[۱]

لہذا معلوم ہوتا ہے کہ سبائیوں کی داستان نقل کرنے میں اسلام کے مؤرخین کا مآخذ و مدرک ''تاریخ طبری'' تھا۔

۱۱۔ سعید افغانی

سعید افغانی نے ''عائشہ والسیاسۃ'' نامی اپنی کتاب میں ابن سبا کے افسانہ سے کچھ حصے، ''عثمان کا احتجاج'' ''ابن سبا مرموز اور خطرناک ہیرو، سازش و دسیسہ کاری پر نظر'' کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے، اس نے اپنی کتاب کے دوسرے حصوں میں ان افسانوں کے چند اقتباسات درج کئے ہیں۔

اس کا مآخذ، پہلے درجہ پر تاریخ طبری، دوسرے درجہ پر تاریخ ابن عساکر اور اس کی تہذیب اور تیسرے درجہ پر تمہید ابن ابی بکر[۱] ہے، وہ اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۵ پر طبری کے اوپر اکثر اعتماد کرنے کا سبب یوں بیان کرتا ہے:۔

میں نے بیشتر اعتماد تاریخ طبری پر کیا ہے، کیونکہ یہ کتاب دوسرے تمام مصادر سے حقیقت کے

۱۔ ص ۴۳ اور ۴۵ پر تاریخ ابن عساکر، صفحہ ۴۲، ۴۹، ۵۲ اور ۱۸۷ پر تہذیب ابن عساکر سے اور صفحہ ۳۴ اور ۳۵ میں تمہید سے استفادہ کیا ہے۔

نزدیک تر اور اس کا مصنف دوسروں سے امین تر اور اس کے بعد آنے والے ہر باعتبار مورخ نے اس پر اعتماد کیا ہے۔

میں نے اس کے الفاظ میں کسی قسم کے ردو بدل کے بغیر اپنی کتاب میں درج کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔

غیر مسلم مؤرخین کی نظر میں عبداللہ بن سبا کی داستانیں

ا۔ فان فلوٹن

وہ ایک مستشرق ہے وہ اپنی کتاب " السیاسة العربیة و الشیعة و الاسرائیلیات فی عهد بنی امیة" ترجمہ ڈاکٹر حسن ابراہیم و محمد زکی ابراہیم طبع اول، مصر ۱۹۳۴ء کے صفحہ ۷۹ پر شیعہ فرقہ کے بارے میں نقل کرتے ہوئے، یوں لکھتا ہے:

''امام، سبائی، عبداللہ بن سبا کے پیرو، ہیں نیز ان افراد میں ہیں جو عثمان کے پورے دور خلافت میں علی علیہ السلام کو خلافت کیلئے سزاوار جانتے تھے''

اس نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۸۰ کے حاشیہ پر تاریخ طبری کو اپنے مآخذ و مدرک کے طور پر پیش کیا ہے۔

۲۔ نکلسن

نکلسن اپنی کتاب 'تاریخ الأدب العربی' طبع کمبریج کے صفحہ نمبر ۲۱۵ پر لکھتا ہے:

''عبداللہ بن سبا، سبائیوں کے گروہ کا بانی ہے، وہ یمن کے شہر صنعا کا باشندہ تھا، کہا جاتا ہے

کہ وہ یہودی تھا اور عثمان کے زمانے میں اسلام لایا تھا اور ایک سیاح مبلغ تھا، مؤرخین اس کے بارے میں یوں کہتے ہیں: وہ ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر میں رہا کرتا تھا تاکہ مسلمانوں کو گمراہ کر کے ان میں اختلاف پیدا کرے، سب سے پہلے وہ حجاز میں نمودار ہوا اس کے بعد بصرہ اور کوفہ اس کے بعد شام اور آخر کار مصر پہنچا، وہ لوگوں کو رجعت کے اعتقاد کی دعوت دیتا تھا، ابن سبا کہتا تھا: بے شک تعجب کا مقام ہے کہ کوئی شخص حضرت عیسیٰ کے پھر سے اس دنیا میں آنے کا معتقد ہو لیکن حضرت محمدؐ کی رجعت کے بارے میں اعتقاد نہ رکھتا ہو جبکہ قرآن مجید نے اس کا واضح طور پر ذکر کیا ہے اس کے علاوہ ہزاروں پیغمبر آئے اور ان میں سے ہر ایک کا ایک وصی و جانشین تھا، محمدؐ کا بھی ایک وصی ہے جو علی علیہ السلام ہے، چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری پیغمبر اور خاتم الانبیاء ہیں اس لئے علی علیہ السلام بھی آخری وصی اور ان کے جانشین ہیں''

اس نے بھی اپنا مآخذ کو تاریخ طبری کو قرار دیکر مذکورہ بیانات کے حاشیہ میں اس کی وضاحت کی ہے۔

۳۔ اسلامی دائرۃ المعارف لکھنے والے مستشرقین

ہوتسمن، ولاینسنگ، اورنلڈ، برونسال، ھیونک، شادہ، باسیہ، ہارٹمان اور کیب جیسے مشرق شناس استادوں کے ایک گروہ کے تصنیف کردہ اسلامی دائرۃ المعارف میں یہ داستان حسب ذیل درج ہوئی ہے:[1]

۱۔ اسلامی دائرۃ المعارف ج۱/ ۲۹ طبع لندن

''اگر ہم صرف طبری اور مقریزی کی بات پر اکتفا کریں تو ہمیں کہنا چاہئے کہ جن چیزوں کی طرف عبداللہ بن سبا دعوت دیتا تھا، ان میں رجعت محمدؐ بھی تھی وہ کہتا تھا: ہر پیغمبر کا ایک جانشین ہے اور علی علیہ السلام محمدؐ کے جانشین ہیں۔ لہٰذا ہر مؤمن کا فرض ہے کہ اپنے کردار و گفتار سے علی علیہ السلام کے حق کی حمایت کرے'' کہا جاتا ہے کہ عبداللہ نے اس طرز تفکر کی تبلیغ کیلئے بعض افراد کو معین کیا تھا اور خود بھی ان میں شامل تھا، وہ شوال ۳۵ھ مطابق اپریل ۶۵۶ء میں مصر سے مدینہ کی طرف روانہ ہوا....''

ہم نے یہاں پر وہ مطلب درج کیا جسے مذکورہ دائرۃ المعارف نے طبری سے نقل کیا ہے چونکہ یہ حوادث مقریزی سے ۸۰۰ سال قبل رونما ہوئے ہیں، اس لئے اس طولانی فاصلۂ زمان کے پیش نظر اور اس کے علاوہ مقریزی نے مآخذ کا ذکر بھی نہیں کیا ہے یا جس کتاب سے نقل کیا ہے اس کا نام بھی نہیں لیا ہے اسلئے مقریزی کے نقل پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا ہے جبکہ طبری اس داستان کی سند کو اس کے راوی تک پہنچاتا ہے اور وہ خود بھی مقریزی سے تقریباً پانچ سو سال پہلے گذرا ہے، اس حالت میں یہ صحیح نہیں ہے کہ ہم مقریزی کی تحریر کو تاریخ طبری کے برابر قرار دیں اس کے باوجود ہم کتاب کے آخر میں مقریزی کی روایت پر بحث کریں گے۔

۴۔ڈوایت،ایم،ڈونالڈسن

ڈوایت،ایم،ڈونالڈسن،''عقیدہ الشیعہ''نامی اپنی کتاب کے صفحہ ۵۸ پر یوں رقمطراز ہے:

''قدیم روایتین ہمیں اس امر کی طرف رہنمائی کرتی ہیں کہ علی علیہ السلام جس خلافت کا دعویٰ کرتے تھے اس کی ان کے حامیوں اور شیعوں کی نظر میں صرف سیاسی اہمیت نہیں تھی بلکہ وہ اسے ایک الٰہی حق سمجھتے تھے اور ان عقائد وافکار کے پھیلانے میں تاریخ اسلام کے ایک مرموز شخص کی ریشہ دوانیوں کا اہم رول تھا۔ کیونکہ عثمان کی خلافت کے دوران عبداللہ بن سبا نامی ایک شخص پیدا ہوا جس نے وسیع تعلیمات کو پھیلانے کا اقدام کیا، اس نے ان عقائد کو پھیلانے کیلئے اسلامی ممالک کے شہروں کا ایک طولانی دورہ کیا، طبری کا کہنا ہے کہ اس کا مقصد اسلام کو نابود کرنا تھا...''

جیسا کہ کتاب کے صفحہ نمبر ۵۹ کے حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ''عقیدہ الشیعہ''نامی کتاب کے مصنف نے اس داستان کو براہ راست طبری سے نقل نہیں کیا ہے بلکہ اس نقل میں اس نے دو کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے:

۱۔گذشتہ اشارہ کئے گئے مستشرقین کے دائرۃ المعارف کا مادہ''عبداللہ''

۲۔نیکلسن کی تالیف کردہ کتاب''تاریخ الادب العربی''ص ۲۱۵۔

جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بھی کہا ہے کہ مذکورہ دونوں کتابوں میں جو کچھ عبداللہ بن سبا کے بارے میں لکھا گیا ہے وہ تاریخ طبری سے نقل کیا گیا ہے۔

۵۔ ولھاوزن

ولھاوزن اپنی کتاب "الدولة العربية و سقوطها" کے صفحہ نمبر ۵۶ اور ۵۷ پر لکھتا ہے:

''سبائیوں نے اسلام میں تبدیلی ایجاد کی، قرآن مجید کے برعکس اعتقاد رکھتے تھے کہ روح خدا نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم میں حلول کیا ہے اور ان کی وفات کے بعد اس روح نے علی علیہ السلام اور آل علی علیہ السلام میں حلول کیا ہے ان کی نظر میں علی علیہ السلام، ابوبکر اور عمر کے ہم پلہ خلیفہ نہیں تھے بلکہ وہ ان دونوں کو علی علیہ السلام کا حق غصب کرنے والے جانتے تھے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس مقدس روح نے علی علیہ السلام کے اندر حلول کیا ہے''

اس کے بعد لکھتا ہے:

''کہا جاتا ہے کہ سبائی عبداللہ بن سبا سے منسوب تھے وہ یمن کا رہنے والا ایک یہودی تھا''

ولھاوزن نے یہاں پر اپنے مآخذ کا ذکر نہیں کیا ہے، لیکن اپنی کتاب کے ۳۹۶ سے ۳۹۹ تک مطلب کو تفصیل کے ساتھ بیان کر کے اپنے مآخذ کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھتا ہے:

''سیف کہتا ہے: سبائی پہلے ہی دن سے شرپسند اور بدنیت تھے، انھوں نے عثمان کو قتل کر کے

مسلمانوں کے اندر افراتفری اور جنگ کے شعلے بھڑکا دیئے ان میں اکثر لوگ موالی اور غیر عرب تھے۔

سبائی عبداللہ بن سبا کی پیروی کرتے ہوئے اعتقاد رکھتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رجعت کریں گے اور آپ اپنے اہل بیت کے بدن میں حلول کرتے ہیں چونکہ علی علیہ السلام کی اولاد جو پیغمبر کی بیٹی فاطمہ سے تھی ، نے اسلام اور عربی نسل سے منہ نہیں موڑا اور سبائیوں کو مسترد کردیا اسلیئے وہ علی علیہ السلام کے دوسرے بیٹے محمد بن حنفیہ سے منسلک ہو گئے۔

محمد کی وفات کے بعد ان کا بیٹا ابو ہاشم جو اپنے باپ کی طرح بے قدر تھا ان کا امام بنا، ابو ہاشم نے اپنے بعد محمد بن علی عباسی کو اپنا وصی اور جانشین مقرر کیا اور یہاں سے خلافت بنی عباس میں منتقل ہوگئی۔ سیف کی روایت کے مطابق بنی عباس کا خروج سبائیوں کے خروج کے مانند تھا، دونوں گروہوں کی دعوت کا مرکز شہر کوفہ تھا اور ان کے پیرو ایرانی تھے اور دونوں گروہوں نے عرب مسلمانوں کے خلاف خروج کیا تھا...‘‘

یہ ان مطالب کا خلاصہ تھا جنہیں ولھاوزن نے سیف سے نقل کرتے ہوئے وضاحت کے ساتھ دو بار اس کے نام کی تکرار کی ہے، کتاب کے مقدمہ میں جہاں پر وہ سیف کی ستائش کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سیف کی روایتوں کو طبری سے نقل کیا ہے۔

اس بناء پر ولھاوزن کا مآخذ بھی تاریخ طبری ہے اور طبری کے ہی واسطہ سے اس نے اس افسانہ کو نقل کیا ہے۔

جیسا کہ معلوم ہوا، ابن سبا کا افسانہ عجیب شہرت کا حامل ہوا جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے، کہ جنہوں نے بھی اس افسانہ کو نقل کیا ہے ان سب کی روایتیں بلاواسطہ یا ایک یا اس سے زیادہ واسطوں سے طبری پر ختم ہوتی ہیں۔

وہ لوگ جنہوں نے عبداللہ بن سبأ کی داستان کو، مآخذ کا اشارہ کئے بغیر نقل کیا ہے۔

مؤرخین اور مصنفین کا ایک ایسا گروہ بھی ہے جنہوں نے نہ اپنی روایت کے مآخذ کو لکھا ہے اور نہ اس کتاب کا ذکر کیا ہے جس سے انہوں نے روایت نقل کی ہے، لیکن اس کے باوجود جہاں بھی اجمالی طور پر ان کی کتابوں کے مصادر کا ذکر آتا ہے، طبری ایسی کتابیں نظر آتی ہیں جن میں طبری سے روایت نقل کی گئی ہے، جیسے:

ا۔ میر خواند:

اس نے عبداللہ بن سبا کی داستان کو اپنی کتاب ''روضۃ الصفا'' میں درج کیا ہے، لیکن اس کی سند اور مآخذ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن تحقیق و مطابقت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بھی اس داستان کو طبری سے نقل کیا ہے۔

۲۔ غیاث الدین

غیاث الدین فرزند میر خواند (وفات ۹۴۰ھ) نے اپنی کتاب ''حبیب السیر'' میں عبداللہ

بن سبا کی داستان اپنے باپ کی کتاب ''روضۃ الصفا'' سے نقل کیا ہے لیکن اس کی سند و مآخذ کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔

عبداللہ بن سبا کی داستان کے اسناد

جیسا کہ ذکر ہوا، تاریخ طبری قدیمی ترین کتاب ہے جس میں عبداللہ بن سبا کی داستانیں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور ساتھ ہی اس داستان کے راوی کو بھی معین و مشخص کیا گیا ہے۔ اس کے بعد لکھی جانے والی تمام کتابوں میں، ابن سبا کی داستان اور سبائیوں کے افسانہ کو طبری سے نقل کیا گیا ہے۔

ا۔ ابن سبأ کی داستانوں کیلئے طبری کی سند

اب دیکھنا چاہئے کہ طبری نے اس داستان کو کہاں سے نقل کیا ہے اور اس کی سند کیا ہے؟

ابوجعفر محمد جریر طبری آملی (وفات ۳۱۰ھ) نے سبائیوں کی داستان کو اپنی کتاب " تاریخ الامم و الملوك " میں صرف سیف بن عمر تمیمی کوفی سے نقل کیا ہے، وہ ۳۰ھ کے حوادث سے مربوط حصہ میں اس طرح لکھتا ہے:

"اسی سال، یعنی ۳۰ھ میں ابوذر کی معاویہ کے ساتھ داستان اور معاویہ کا ابوذر کو شام سے مدینہ بھیجنے کا واقعہ پیش آیا، اس سلسلے میں بہت سے واقعات نقل کئے گئے ہیں، انھیں بیان کرنے کا دل تو نہیں چاہتا، لیکن ان معاملات میں معاویہ کیلئے عذر پیش کرنے والوں نے اس موضوع پر اس کی داستان نقل کی ہے کہ " سری بن

یحییٰ'' نے اس داستان کو میرے لئے لکھا ہے اور اس تحریر میں یوں کہتا ہے:

''شعیب بن ابراہیم نے سیف بن عمر سے روایت کی ہے.. جب ابن سودا شام پہنچا تو اس نے ابوذر سے ملاقات کی اور کہا؛ اے ابوذر! کیا یہ دیکھ رہے ہو کہ معاویہ کیا کر رہا ہے...؟''

اس کے بعد طبری ''ابن سبا'' کی داستان کو صرف سیف سے نقل کرتا ہے اور ابوذر کے حالات کی تفصیلات کو مندرجہ ذیل جملہ کے ذریعہ خاتمہ بخشتا ہے:

دوسروں نے ابوذر کی جلاوطنی کی علت کے بارے میں بہت سی چیزیں لکھی ہیں کہ جی نہیں چاہتا انھیں بیان کروں''

جب ۳۰ ـ ۳۶ ھ کے حوادث لکھنے پر پہنچتا ہے تو عثمان کے قتل اور جنگ جمل کے ضمن میں سبائیوں کی داستان کو سیف سے نقل کرتا ہے، سیف کے علاوہ کسی اور سند کا ذکر نہیں کرتا

طبری نے اپنی تاریخ میں سیف کی روایتوں کو مندرجہ ذیل دوسندوں میں سے کسی ایک سے نقل کیا ہے:

۱۔ عبید اللہ بن سعد زہری نے اپنے چچا یعقوب بن ابراہیم سے اور اس نے سیف سے جن روایتوں کو طبری نے اس سند سے سیف سے نقل کیا ہے، وہ ایسی روایتیں ہیں جنہیں اس نے خود عبید اللہ سے سنی ہیں اور انھیں کلمہ ''حدثنی'' یا ''حدثنا'' (یعنی ''میرے لئے'' یا ہمارے لئے روایت کی ہے) سے بیان کیا ہے:

۲۔سری بن یحییٰ نے شعیب ابن ابراہیم سے اور اس نے سیف سے۔

طبری نے اس سند میں سیف کی حدیثوں کو سیف کی دو کتابوں ''الفتوح'' اور ''الجمل'' سے مندرجہ ذیل کلمات میں سے کسی ایک کے ذریعہ سرّی بن یحییٰ سے نقل کیا ہے:

۱۔ کَتَبَ الیَّ ۔یعنی سرّی بن یحییٰ نے مجھے لکھا۔

۲۔ حدثنی ،یعنی سرّی بن یحییٰ نے میرے لئے روایت کی ہے۔

۳۔فی کتابه الیّ[۱] یعنی سرّی بن یحییٰ نے جو خط مجھے لکھا ہے،اس میں روایت کی ہے۔

۲۔ابن سبا کی داستانوں کیلئے ابن عساکر دمشقی کی سند

طبری کے بعد ابن عساکر (وفات ۵۷۱ھ) نے عبداللہ بن سبا کی داستانوں کو اپنی اسی (۸۰) جلد پر مشتمل تاریخ یعنی ''تاریخ مدینہ دمشق'' میں طلحہ، عبداللہ بن سبا اور دوسروں کے حالات کے ضمن میں اپنی پسند سے سیف سے نقل کیا ہے۔سیف کی روایتوں کے مطابق عبداللہ بن سبا کے افسانہ اور دوسری داستانوں کو نقل کرنے کے بارے میں ابن عساکر، کی سند یوں ہے:

ابن عساکر نے ابوالقاسم سمرقندی سے اس نے ابوالحسین نقور سے،اس نے ابوطاہر مخلص سے اس نے ابوبکر سیف سے،اس نے سرّی بن یحییٰ اس نے شعیب سے اور اس نے سیف سے...[۲]

۱۔اس کلمہ سے صرف ایک دفعہ روایت کی ہے،ملاحظہ ہو ج ۱ ص ۲۰۵۵ طبع یورپ،)

۲۔ اخبرنا ابو القاسم السمرقندی عن ابی الحسین النقور عن ابی طاهر االمخلص عن ابی بکر بن سیف، عن السری بن یحیي عن شعیب بن ابراهیم ، عن سیف بن عمر ، ...)

اس طرح ابن عساکر، کی سند چار واسطوں سے ''سری بن یحییٰ'' تک پہنچتی ہے اور ''سرّی بن یحیی'' طبری کے اسنا کا ایک منبع ہے جس کے بارے میں ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے۔

۳۔ ابن ابی بکر

محمد بن یحییٰ بن محمد اشعری مالکی (وفات ۷۴۱ھ) مشہور بہ ابی بکر '' نے عبداللہ بن سبا اور سبائیوں کے افسانہ کو اپنی کتاب '' التمهيد و البيان فى مقتل عثمان بن عفان '' میں سیف بن عمر کی کتاب ''الفتوح'' اور تاریخ ابن اثیر سے نقل کیا ہے۔

اس بناء پر ابن ابوبکر نے سبا اور سبائیوں کے بارے میں سیف کے افسانوں کو کبھی سیف کی کتاب سے بلاواسطہ اور کبھی تاریخ ابن اثیر سے نقل کیا ہے اس طرح معلوم ہوا کہ ابن اثیر نے بھی طبری سے اور طبری نے سیف سے نقل کیا ہے۔

یہاں تک سبائیوں کے بارے میں سیف کے افسانوں کے مندرجہ ذیل تین اسناد معلوم ہوئے:

۱۔ طبری (وفات ۳۱۰ھ) کی سند۔

۲۔ ابن عساکر (وفات ۵۷۱ھ) کی سند۔

۳۔ ابن ابی بکر (وفات ۷۴۱ھ) کی سند۔

بعض مؤرخین اور مصنفوں نے مذکورہ اسناد میں سے کسی سے اور بعض نے دو سے اور سعید افغانی جیسے افراد نے تینوں اسناد سے استفادہ کیا ہے۔

۴۔ ذھبی [1]

ابوعبداللہ محمد بن احمد عثمان ذہبی (وفات ۷۴۸ھ) نے اپنی کتاب ''تاریخ الاسلام'' [2] میں عبداللہ بن سبا سے مربوط بعض افسانوں کو نقل کیا ہے، اس نے ابتداء میں سیف سے ایسی دو روایتیں نقل کی ہیں جو تاریخ طبری میں ذکر نہیں ہوئی ہیں۔ [3]

باوجودیکہ وہ روایتیں افسانہ کو مکمل طور پر بیان کرتی ہے اور اس کے بعد اس نے اپنی کتاب کے ص ۱۲۴۔۱۲۸ طبری نے مفصل طور پر بیان کئے گئے مطالب کو خلاصہ کے طور پر ذکر کیا ہے۔

مذکورہ کتاب کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیف بن عمر کی کتاب ''الفتوح'' کے بعض نسخے ذہبی کے زمانے (آٹھویں صدی ہجری) تک موجود تھے اور اس کا ایک نسخہ ذہبی کے پاس موجود تھا وہ بھی کتاب ''التمہید'' کے مصنف ابن ابی بکر کی طرح اس سے بلا واسطہ روایتیں نقل کرتا تھا من جملہ وہ روایتیں ہیں کہ اس نے سیف سے نقل کی ہیں جو تاریخ طبری میں موجود نہیں ہیں۔

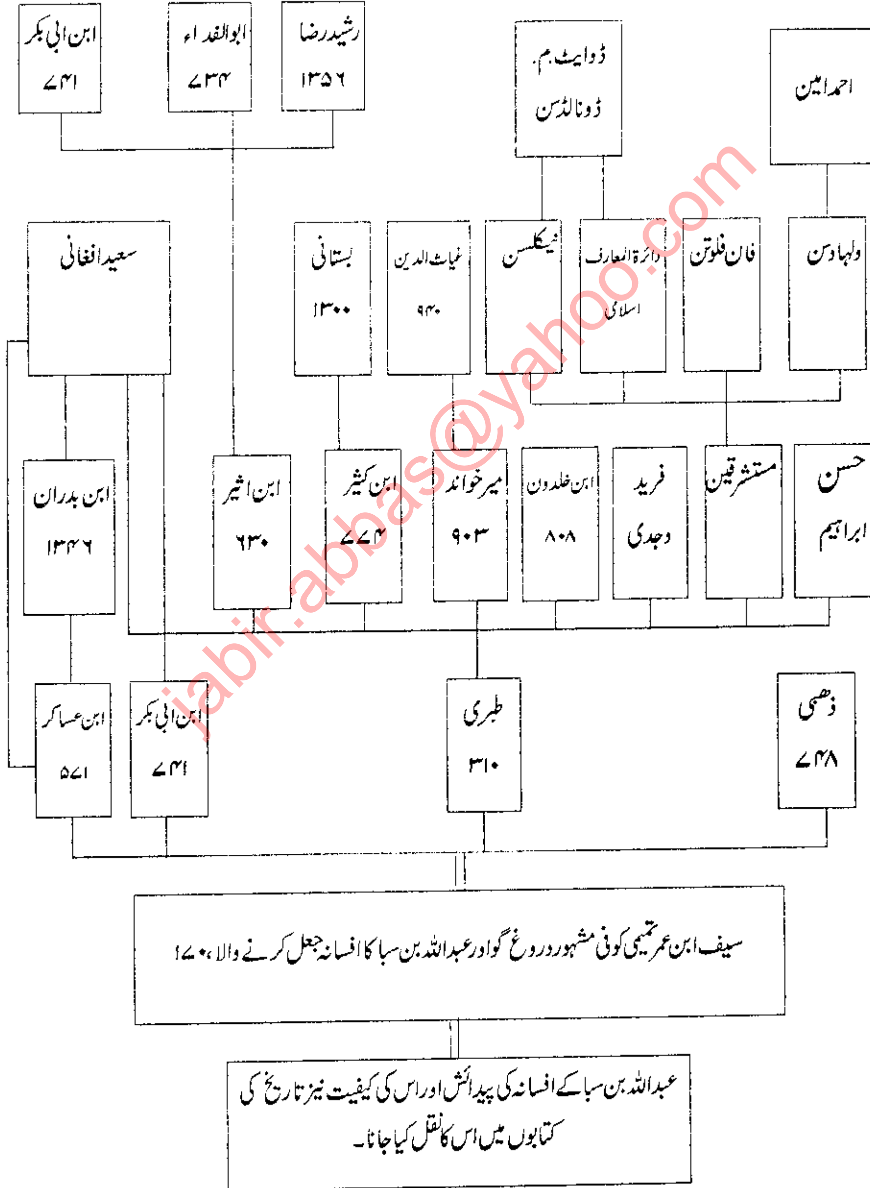
یہاں تک بیان کئے گئے مطالب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان علماء اور مؤرخین نے عبداللہ بن سبا کے افسانہ کو بلا استثناء سیف بن عمر سے نقل کیا ہے، ان میں سے چار افراد یعنی طبری، ابن عساکر، ابن ابی بکر اور ذہبی نے اس افسانہ کو بلا واسطہ سیف سے نقل کیا ہے اور باقی لوگوں نے اسے بالواسطہ نقل کیا ہے۔

۱۔ اس موضوع کو مؤلف نے فارسی ترجمہ میں اضافہ کیا ہے۔

۲۔ ج ۲ ص ۱۲۔۱۲۸۔

۳۔ ذھبی ان دو روایتوں کو نقل کرتے ہوئے ۱۲۲۔۱۲۳ پر یوں لکھتا ہے: و قال سيف بن عمر عن عطية عن يزيد الفقعسي قال: لما خرج ابن السوداء.... اس کے بعد صفحہ ۱۲۳۔۱۲۴ دوسری روایت میں یوں بیان کرتا ہے و قال سيف عن مبشر و سهل ابن يوسف عن محمد بن سعد بن ابی وقاص قال: قدم عمار بن ياسر مصر.....

درج ذیل خاکہ اس نتیجہ گیری کا مظہر ہے:



عبداللہ بن سبا کے افسانہ کو گڑھنے والا سیف بن عمر

و هو: كذّاب متروک الحديث أُتّهم بالزندقة

ابن سبا کے افسانہ کو گڑھنے والا جھوٹا ہے اور اس پر زندیقی ہونے کا الزام ہے

،اس کی روایتیں ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہیں

علمائے رجال

جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر رہا ہے کہ سبائیوں کے افسانے علما اور دانشوروں کے زبان زد ہیں ان افسانوں کا سرچشمہ سیف بن عمر نامی ایک شخص ہے، تمام روات ان قصوں کو اس سے نقل کرتے ہیں، اب مناسب ہے کہ سیف کے بارے میں تحقیق کی جائے اور حقیقت تک پہنچنے کے بعد اس کی روایتوں کی بھی چھان بین کی جائے تا کہ معلوم ہو سکے کہ وہ کس قدر حقیقت سے دور تھا اور اس کی کیا قدر ہے۔

سیف بن عمر کون ہے؟

سیف بن عمر قبیلہ ''اسید'' سے ہے جو تمیم نامی ایک بڑے خاندان کی شاخ تھا، اس لحاظ سے اسے ''اسید تمیمی'' کہا جاتا ہے اور بعض اوقات اسے ''تمیمی برجمی'' بھی کہتے ہیں، برجمی، ابراہیم سے

منسوب ہے کہ خاندان تمیم کے چند قبیلوں کا نام تھا، جنہوں نے آپس میں مل کر عہد و پیمان کیا تھا،

وہ شہر کوفہ کا رہنے والا تھا لیکن اس سے پہلے وہ بغداد میں رہائش پذیر تھا، اس نے ہارون الرشید کی خلافت کے دوران ۱۷۰ھ کے بعد وفات پائی ہے۔

سیف کی روایتیں

اس زمانہ کے مؤرخین کی یہ عادت تھی کہ وہ تاریخی حوادث کو سال کے ساتھ نقل کرتے تھے، اس لئے سیف نے بھی اپنے جعل کئے گئے افسانوں کو صحیح تاریخ کی صورت میں پیش کرنے کیلئے اور انھیں صداقت کا رنگ دینے کیلئے کئی حصوں میں تقسیم کیا ہے اور اس نے ہر حصہ کیلئے علیحدہ سند گڑھ لی ہے اور اس طریقے سے اس نے مندرجہ ذیل دو کتابیں تالیف کی ہیں:

۱۔الفتوح الکبیر و الردۃ ::اس کتاب میں اس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے قریب زمانہ سے عثمان کی خلافت کے زمانہ تک گفتگو کی ہے، اسی کتاب میں ابوبکر کی خلافت کی مخالفت کرنے اور اس کی خلافت کو نہ ماننے والے مسلمانوں سے ابوبکر کی جنگ کو" مرتدوں سے جنگ" کا نام دیا ہے، اس نے اس کتاب میں لکھے گئے تمام حوادث کو افسانوی روپ دیا ہے اور ان میں مبالغہ آمیزی اور غلو سے کام لیا ہے۔

۲۔جمل اور عائشہ اور علی علیہ السلام کی راہ: اس کتاب میں عثمان کے خلاف بغاوت اس کے قتل ہونے اور" جنگ جمل" کے بارے میں گفتگو کی ہے، کتاب کی روایتوں کی چھان بین کے بعد

واضح ہوتا ہے کہ یہ کتاب صرف بنی امیہ کے وفاع میں لکھی گئی ہے۔

سیف نے ان دو کتابوں کے علاوہ دوسری روایتیں بھی گڑھ لی ہیں جو دسیوں کتابوں میں درج ہوکر آج تک تاریخ اسلام کے سب سے بڑے مآخذ میں شمار ہوتی ہیں۔

طبری نے سیف کی روایتوں کو اپنی تاریخ کی کتاب ''تاریخ الامم والملوک'' میں ۱۱ھ سے ۳۷ھ کے تاریخی حوادث کے ضمن میں نقل کیا ہے۔

اس کے بعد ابن عساکر نے بھی اپنی اسی (۸۰) جلدوں پر مشتمل تاریخ میں دمشق سے گزرنے والے اشخاص کے ضمن میں ان میں سے بعض روایتوں کو نقل کیا ہے۔

اصحاب پیغمبرؐ پر خصوصی شرحیں لکھنے والے علماء، یعنی:

۱۔ ابن عبدالبر وفات ۴۳۶ھ، نے کتاب ''استیعاب'' میں،

۲۔ ابن اثیر، وفات ۶۳۰ھ نے کتاب ''اسد الغابہ'' میں۔

۳۔ ذھبی وفات ۷۴۸ھ نے کتاب ''التجرید'' میں۔

۴۔ ابن حجر، وفات ۸۵۲ نے کتاب ''الاصابہ'' میں سیف کے افسانوں کے بعض ہیروں کو اصحاب پیغمبرؐ کے صف میں لا کھڑا کیا ہے اوران کی زندگی کے حالات کی تفصیلات لکھی ہیں ان کتابوں کی تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان ہیروں میں سے تقریباً ایک سو پچاس کا کہیں وجود ہی نہیں تھا بلکہ ''صرف سیف بن عمر'' تمیمی کے ذہن کی تخلیق ہیں''[1]

[1] مصنف نے اپنی کتاب '' ایک سو پچاس جعلی اصحاب'' میں ان کی معرفی کی ہے۔

لیکن یہ علماء سیف کے افسانوں میں ان کے ناموں کو دیکھتے ہیں لہذا انھیں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فہرست میں قرار دیا ہے لہذا ان کی زندگی کے حالات کی وضاحت لکھنے کیلئے بھی ہاتھ پاؤں مارا ہے اور اس طرح اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعداد کو بڑھا دیا ہے[1] اسلامی شہروں کی جغرافیہ لکھنے والے جیسے یاقوت حموی (وفات ۶۲۶ ھ) نے اپنی کتاب ''معجم البلدان'' میں اور صفی الدین نے ''مراصد الاطلاع'' میں سیف کی روایتوں سے استفادہ کر کے بعض ایسی جگہوں کی شرحیں لکھی ہیں جو صرف سیف کے افسانوں میں موجود ہیں:

اس طرح سیف بن عمر نے صرف عبداللہ بن سبا کے افسانہ کو ہی ایجاد کر کے تاریخ اسلام میں ایک ہی ہیرو جعل نہیں کیا ہے بلکہ سینکڑوں دوسرے افسانے اور تاریخی بہادر ہیں جو اس کی فکر کی تخلیق ہیں اور ان کا کہیں وجود نہیں ملتا۔

ان افسانوں کو حدیث، تفسیر، تاریخ، جغرافیہ، ادبیات اور انساب کی سینکڑوں کتابوں میں درج کیا گیا ہے، سیف کی روایتوں کی قدر و منزلت معلوم کرنے کیلئے ہمیں سب سے پہلے علمائے رجال کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے تا کہ یہ دیکھ لیں کہ انہوں نے سیف کی روایتوں کے قوی، ضعیف، صحیح، اور موثق ہونے کے بارے میں کیا کہا ہے اس کے بعد انشاء اللہ اس کی روایتوں کی چھان بین کریں گے۔

---

[1] ۔ مثال کے طور پر سیف نے اپنے افسانوں میں مذکورہ بہادروں کو سپہ سالاروں کے طور پر معرفی کیا ہے اور یہی دلیل بن گئی ہے کہ وہ بہادر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب تھے کیونکہ خود سیف کے بقول رسم یہ تھی کہ سپہ سالار اور کمانڈر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتخاب ہوتے تھے۔

سیف علم رجال کی کتابوں میں:

۱۔ یحییٰ بن معین (وفات ۲۳۳ھ) نے اس کے بارے میں کہا ہے:

''اس کی حدیث ضعیف اور کمزور ہے''[1]

۲۔ نسائی، صاحب صحیح (متوفی ۳۰۳) نے کہا ہے:

''ضعیف ہے، اس کی حدیث کو ترک کیا گیا ہے، وہ نہ مورد اعتماد ہے اور نہ امین''[2]

۳۔ ابوداؤد (وفات ۲۷۵ھ) نے کہا ہے:

''بے ارزش ہے اور انتہائی دروغگو ہے''[3]

۴۔ ابن حماد عقیلی (وفات ۳۲۳ھ) نے اس کے بارے میں کہا ہے:

''اس کی روایتوں پر اعتماد نہیں کیا جاتا ہے اس کی بہت سی روایتوں میں سے ایک پر بھی اعتبار نہیں کرنا چاہئے''[4]

۵۔ ابن ابی حاتم (وفات ۳۲۷ھ) نے کہا ہے:

''چونکہ وہ صحیح احادیث کو خراب کرتا تھا لہذا لوگ اس کی احادیث پر اعتبار نہیں کرتے تھے، اس

۱۔ کتاب الضعفاء ج ۲ ص ۲۴۵، تہذیب التہذیب ج ۴/ ۲۹۵ رقم ۵۰۶، الضعفاء الکبیر ج ۲/ ۱۷۵ رقم ۶۹۴)

۲۔ الضعفاء والمتروکین ص ۵۱، رقم ۲۶۵۔

۳۔ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۹۵، رقم ۵۰۶۔

۴۔ الجرح والتعدیل ج ۷ ص ۱۳۶، رقم ۶۲۷، تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۹۵۔

کی حدیث کو ترک کیا گیا ہے"[۱]

۶۔ابن سکن (وفات ۳۵۳ھ) نے کہا ہے: "ضعیف ہے"

۷۔ابن حبان (وفات ۳۵۴ھ) نے کہا ہے:

"اپنی جعل کی گئی حدیثوں کو کسی مؤثق شخص کی زبانی نقل کرتا تھا مزید کہتا ہے "سیف پر زندیقی ہونے کا الزام ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ حدیث گڑھ کر انھیں مؤثق افراد سے نسبت دیتا تھا[۲]

۸۔دارقطنی (وفات ۳۸۵ھ) نے کہا ہے:

"ضعیف ہے اور اس کی حدیث کو ترک کیا گیا ہے"[۳]

۹۔حاکم (وفات ۴۰۵ھ) نے کہا ہے:

"اس کی حدیث کو ترک کیا گیا ہے، اس پر زندیقی ہونے کا الزام ہے [۴]

۱۰۔ابن عدی (وفات ۳۶۵ھ) نے اس کے بارے میں کہا ہے:

"اس کی بعض احادیث انتہائی مشہور ہیں لیکن میری نظر میں اس کی تمام احادیث نا قابل اعتبار ہیں اسی وجہ سے اس کی احادیث پر بھروسہ نہیں کیا جاتا ہے۔

۱۔المجروحین ج۱،ص ۳۴۵،تہذیب التہذیب ج۴ص ۲۹۶

۲۔تہذیب التہذیب ج۴ص ۲۹۶،

۳۔تہذیب التہذیب ج۴ص ۲۹۶

۴۔تہذیب التہذیب ج۴ص ۲۹۵اور ۵۰۶

۱۱۔صاحب قاموس، فیروز آبادی (وفات ۸۱۷ھ) فرماتے ہیں:

''ضعیف ہے''

۱۲۔محمد بن احمد ذہبی (وفات ۷۴۸ھ) نے اس کے بارے میں کہا ہے:

''تمام دانشوروں اور علمائے اسلام کا اس امر پر اجماع اور اتفاق ہے کہ وہ ضعیف تھا اور اس کی حدیث متروک ہے''[1]

۱۳۔ابن حجر (وفات ۸۵۲ھ) نے کہا ہے:

''ضعیف ہے''[2]

ایک اور کتاب میں کہتا ہے:

''اگر چہ تاریخ کے بارے میں اس کی نقل کی گئی روایتیں بہت زیادہ اور اہم ہیں، لیکن چونکہ وہ ضعیف ہے، لہذا اس کی حدیث کو ترک کیا گیا ہے''[3]

۱۴۔سیوطی (وفات ۹۱۱ھ) نے کہا ہے:

''انتہائی ضعیف ہے''

۱۔المغنی فی الضعفاء ج۱ص۲۹۲، رقم ۲۷۱۶۔

۲۔تہذیب التہذیب ج۴ص ۲۹۵، ۲۹۶، رقم ۵۰۶۔

۳۔تقریب التہذیب ج۱ص ۳۴۴، رقم ۶۳۳۔

۱۵۔ صفی الدین (وفات ۹۲۳ھ) نے کہا ہے:

"اسے ضعیف شمار کیا گیا ہے"[۱]

یہ تھا سیف کے بارے میں علم رجال کے دانشوروں اور علماء کا نظریہ اب ہمیں سیف کی روایتوں کی چھان بین کرنا چاہئے تا کہ روایتوں کو جعل کرنے میں اس کی روش معلوم ہو سکے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی روایتوں کی قدر و قیمت کا بھی اندازہ ہو سکے۔

ہم ابن سبا کے افسانہ کی تحقیق سے پہلے نمونہ کے طور پر سیف کی چند روایتوں کو نقل کر کے ان کی چھان بین کرتے ہیں اس کے بعد انشاء اللہ ابن سبا کے افسانہ کی چھان بین کریں گے۔

۱۔ خلاصۃ التہذیب ص ۱۳۶۔

سیف کی زندگی کے حالات کے منابع

عبداللہ بن سبا کے افسانہ کو تخلیق کرنے والے سیف بن عمر کی زندگی کے حالات کے بارے میں مندرجہ ذیل کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے:

۱۔فہرست ابن ندیم

۲۔الجرح والتعدیل: ابی ابی حاتم رازی: ج ۷، ص ۱۳۶۔

۳۔الاستیعاب: ابن عبدالبر، ج ۴، ۲۵۲۔

۴۔الضعفاء الکبیر: عقیلی، ج ۲، ص ۱۷۵۔

۵۔المغنی فی الضعفاء: ذھبی، ج ۱/ ص ۲۹۲

۶۔میزان الاعتدال: ذھبی، ج ۲/ ۲۵۵۔

۷۔تہذیب التہذیب: ابن حجر عسقلانی، ج ۴/ ص ۲۹۶

۸۔کتاب الضعفاء والمتروکین: نسائی، ص ۵۱

۹۔الاصابۃ: ابن حجر عسقلانی، ج ۴ ص ۱۷۵۔

۱۰۔تقریب التہذیب: ابن حجر، ج ۱ ص ۳۴۴،

۱۱۔خلاصۃ التہذیب: صفی الدین ص ۱۲۶،

۱۲۔کتاب المجروحین: ابن حبّان، ج ۱ ص ۳۴۵۔

۱۳۔کشف الظنون: حاجی خلیفہ، ج ۱ ص ۱۲۴

۱۴۔ھدایۃ العارفین: اسماعیل پاشا، ج ۱ ص ۴۱۲

۱۵۔الغدیر: سید عبدالحسین امینی، ج ۵ ص ۱۳۳۔

۱۶۔الاعلام: زرکلی، ج ۳ ص ۱۵۰۔

دوسرا حصہ

سیف کی روایت میں سقیفہ کی داستان

- سپاہ اسامہ
- احادیث میں سقیفہ کی داستان
- داستان سقیفہ کی بنیاد ڈالی جارہی ہے
- پیغمبر کی رحلت
- پیغمبر کی تدفین سے پہلے خلافت کے امیدوار
- سقیفہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت
- حضرت ابوبکر کی عمومی بیعت اور پیغمبر کی تدفین
- حضرت ابوبکر کی بیعت کے مخالف
- فاطمہؑ کے گھر میں پناہ لینے والے
- حضرت ابوبکر کی بیعت کے ساتھ علیؑ کی مخالفت
- بیعت ابوبکر کے بارے میں بزرگ اصحاب کے فیصلے
- حضرت ابوبکر کی حکومت کے خلاف ابوسفیان کی بغاوت
- سیف کی روایتوں کی چھان بین یا نتیجہ گیری

سپاہ اسامہ

"قد أعطى السّلطة رغبتها و النّاس رغبتهم"

سیف نے ان داستانوں میں تحریف کر کے لوگوں کی خواہشات کو پورا کرنے کے علاوہ قدرتمندوں کی خواہشات کو بھی پورا کیا ہے۔

مؤلف

سیف کی روایت میں سپاہ اسامہ

طبری نے اپنی تاریخ کی ج ۳ ۲۱۲/ پر ۱۱ھ کے وقائع اور حوادث بیان کرتے ہوئے اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق کی ج ۱ ص ۴۲۷ میں لشکر اسامہ کے بارے میں درج کیا ہے اس روایت میں سیف کہتا ہے:

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی وفات سے قبل اہل مدینہ اور اس کے اطراف کے باشندوں پر مشتمل ایک لشکر تشکیل دیا تھا، اور عمر ابن خطاب بھی اس لشکر میں شامل تھا، رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس لشکر کے سپہ سالار کے طور پر اسامہ بن زید کو مقرر فرمایا تھا، ابھی یہ لشکر مدینہ کے خندق سے نہیں گزرا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے رحلت فرمائی۔

اسامہ نے لشکر کے آگے بڑھنے سے روکا اور عمر سے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ کے پاس جا کر ان سے رخصت حاصل کرو تا کہ میں لوگوں کو لوٹا دوں ...''

مزید کہتا ہے:

''اس لشکر میں موجود انصار نے عمر کے ذریعہ ابوبکر کو پیغام بھیجا کہ اسامہ کی جگہ پر کسی اور کو لشکر کا امیر مقرر کریں، عمر نے جب انصار کے اس پیغام کو پہنچا دیا تو ابوبکر ناراض ہوئے اور عمر کی داڑھی کو پکڑ کر کہا: اے ابن خطاب! تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے اور تیرے مرنے پر روئے! اسامہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کا سردار مقرر فرمایا ہے، تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اس سے یہ منصب چھین لوں اور کسی دوسرے کو اس کی جگہ پر معین کردوں؟

اسکے بعد کہتا ہے:

''ابوبکر نے اس لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور انھیں رخصت کیا اور رخصت کے وقت یہ دعا پڑھی: خدا کے نام لیکر روانہ ہو جایئے، خدا تمہیں قتل و طاعون سے نابود ہونے سے بچائے''

یہ تھی لشکر اسامہ کے بارے میں سیف کی روایت۔

سپاہ اسامہ سیف کے علاوہ دوسری روایتوں میں

دوسرے راویوں نے لشکر اسامہ کے بارے میں یوں بیان کیا ہے:

''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۱ھ میں سوموار کے دن جبکہ ماہ صفر کے چار دن باقی بچے تھے، رومیوں سے جنگ کی تیاری کا حکم دیدیا، دوسرے دن اسامہ بن زید کو بلایا اور فرمایا:

سپہ سالار لشکر کی حیثیت سے اس جگہ کی طرف روانہ ہو جاؤ جہاں پر تیرا باپ شہید ہوا ہے لہذا جاؤ اور ان پر ٹوٹ پڑو۔

بدھ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سر درد اور بخار کا اثر ہوا اور جمعرات کی صبح کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے جنگ کے پرچم کو اسامہ کے ہاتھ میں دیدیا، اسامہ پرچم کو ہاتھ میں لینے کے بعد مدینہ سے نکل گئے اور مدینہ سے ایک فرسخ کی دوری پر ''جرف'' کے مقام پر پڑاو ڈال کر کیمپ لگا دیا۔

عام طور پر مہاجر وانصار کے سرداروں کو اس جنگ میں شرکت کی دعوت دی گئی، ابوبکر، عمر، ابو عبیدہ جراح، سعد وقاص اور سعید بن زید کے علاوہ چند دوسرے لوگ ان میں شامل تھے، کچھ لوگوں نے اعتراض کے طور پر کہا: ''کیوں اس بچہ کو ایک ایسے لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا جاتا ہے جو صف اول کے مہاجرین پر مشتمل ہے!؟

یہ باتیں سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت برہم ہو گئے، آپؐ کے سر پر ایک رومال بندھا ہوا تھا اور شانوں پر ایک تولیہ رکھا تھا[۱]، آپؐ اسی حالت میں گھر سے باہر تشریف لائے اور منبر پر جا کر کر فرمایا:

''یہ کیا باتیں ہیں جو اسامہ کی سپہ سالاری کے بارے میں سننے میں آتی ہیں بے شک آپ وہی لوگ ہیں جو اس سے پہلے اس کے باپ کی سپہ سالاری کے بارے میں اعتراض کرتے تھے، جبکہ بخدا اسکا باپ ایک لائق کمانڈر تھا اور اس کا بیٹا بھی اس کی لیاقت وشائستگی رکھتا ہے۔ اس کے بعد آپؐ منبر سے نیچے تشریف لائے، اسامہ کے ساتھ جانے والے مسلمانوں نے پیغمبر خداؐ کو الوداع کہہ دیا اور ''جرف'' کے فوجی کیمپ کی طرف روانہ ہو گئے۔

پیغمبر خداؐ کا مرض شدت پکڑتا گیا اس حد تک کہ آپؐ بیماری کی شدت کی وجہ سے بے ہوش پڑے ہوئے تھے، اسامہ آپؐ کے نزدیک آئے اور جھک کر آپؐ کے بوسے لئے، پیغمبر خداؐ میں بات کرنے کی طاقت نہیں تھی، اسامہ لوٹے اور سوموار کو دوبارہ پیغمبر خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس دن پیغمبر کی حالت بہتر تھی اور آپؐ نے اسامہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''خوش بختی اور مبارک کے ساتھ روانہ ہو جاؤ''، اسامہ نے پیغمبر خداؐ سے رخصت حاصل کی الوداع کہا اور اپنے فوجی کیمپ کی طرف آ گئے اور فوج کو روانہ ہونے کا

۱۔ ان دنوں رسم یہ تھی کہ مریضوں کو درد اور عمامہ کے بجائے ان کے سر پر ایک رومال باندھا جاتا تھا اور شانوں پر ایک تولیا رکھا جاتا تھا اور یہ اس وقت ہوتا تھا جب بیمار کا سر عمامہ پہننے اور شانے پر ردا ڈالنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔

حکم دیدیا، لیکن جب اپنے گھوڑے پر سوار ہورہے تھے، اسی اثناء میں اسکی ماں کی طرف سے ایک قاصد آیا اور خبر دیدی کہ پیغمبرؐ احتضار کی حالت میں ہیں، لہذا اسامہ، عمر، ابو عبیدہ اور چند دیگر افراد کے ہمراہ واپس لوٹا، پیغمبر خداؐ نے بھی اسی دن وفات پائی[۲]

یہ تھی اسامہ کے لشکر کی حالت پیغمبر کی زندگی کے آخری لمحات تک کی ایک اجمالی تشریح۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد والے حالات کے بارے میں ابن عساکر نے اپنی کتاب کے ج ۱/۴۳۳ میں یوں روایت کی ہے:

''جب خلافت کیلئے بیعت لینے کا کام تمام ہوا اور لوگوں نے اطمینان کی سانس لی، تو ابوبکر نے اسامہ سے کہا: ''اس جگہ کی طرف چلے جاؤ جہاں جانے کا تمہیں پیغمبر خداؐ نے حکم دیا ہے'' مہاجرین اور انصار سے بعض لوگوں نے ابوبکر کو یہ تجویز پیش کی کہ اس لشکر کو روانہ کرنے میں تاخیر کریں لیکن ابوبکر نے ان کی یہ تجویز منظور نہیں کی۔ ۴۳۸ پر ایک اور روایت میں کہتا ہے۔

ابوبکر نے لشکر کو روانہ کیا اور اسے رخصت کرتے ہوئے اسامہ سے مخاطب ہو کر کہا:

''میں نے خود سنا ہے کہ پیغمبر خداؐ ضروری ہدایات تجھے دے رہے تھے ان ہی ہدایات پر عمل کرنا میں تجھے کوئی اور حکم نہیں دیتا ہوں''

۱۔ اسی روایت کو ابن سعد نے طبقات ج ۴/۱۹۰، میں ابن سید نے ''عیون الاثر، ج ۲/۸۱ میں نقل کیا ہے اور دوسروں نے بھی صراحت کے ساتھ کہ ابوبکر اور عمر اسامہ کے لشکر میں شامل تھے ان میں بلاذری نے انساب الاشراف ج ۱/۴۷۴، یعقوبی نے اپنی تاریخ ۲/۲۷ میں، ابن بدران نے تہذیب ج ۲/۴۷ میں، ابن اثیر نے اپنی تاریخ کی ج ۲/۱۲۰ میں، ملا متقی نے کنز العمال ج ۵/۳۱۲ اور منتخب کنز ج ۴/۱۸۰ میں، ابن سعد نے بھی طبقات ج ۴/۶ میں اور مراغی نے ''تلخیص معالم دار الہجرہ ص ۹۰ میں درج کیا ہے

تطبیق وموازنہ کا نتیجہ

ا۔ سیف اپنی روایت میں کہتا ہے:

ابھی اسامہ کے لشکر کا آخری حصہ مدینہ کے خندق سے نہیں گزرا تھا کہ پیغمبرؐ نے رحلت فرمائی، اس جملہ کو سیف نے ایک خاص مقصد کے پیش نظر گڑھ لیا ہے، اس طرح وہ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ پیغمبر کے اصحاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمؐ کے حکم کی تعمیل کرنے میں ایسے آمادہ تھے کہ آپؐ حکم روانگی کے بعد بلا تاخیر روانہ ہوئے اور ابھی لشکر کا آخری حصہ مدینہ کے خندق سے نہ گزرا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی ... اس طرح وہ اس سے پہلے اور بعد والی مخالفتوں اور نافرمانیوں پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے! جبکہ دوسری روایتوں میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ حقیقت اس کے برعکس تھی اور اسامہ کے فوجیوں نے ''جرف'' میں کیمپ لگایا تھا اور چند روز تک مدینہ میں رفت وآمد کرتے رہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت ٹھیک ہونے پر اسامہ کے لشکر کے روانہ ہونے کے بارے میں سوال فرماتے تھے، جب آپ کو معلوم ہوتا تھا کہ بعض افراد آپؐ کے حکم پر عملی جامہ پہنانے میں ٹال مٹول کر رہے ہیں اور آپؐ کے حکم کے اجراء میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں تو آپ سخت برہم ہوتے تھے اور مکرر فرماتے تھے:

''لشکر اسامہ کو روانہ کرو! لشکر اسامہ کو بھیجدو!''

لیکن سیف نے اس حقیقت کے برخلاف تخریب کاروں کو بری کرنے کیلئے مذکورہ جملہ کا اضافہ کیا ہے۔

۲۔ سیف کہتا ہے:

''اسامہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی خبر سنتے ہی عمر کو خلیفۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر کے پاس بھیج دیا اور ان سے اجازت چاہی تا کہ واپس لوٹیں'' سیف نے اس جملہ کو بھی اپنے خاص مقاصد کے پیش نظر گڑھ لیا ہے، جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ دوسری روایتوں میں آیا ہے: ''جو خبر اسامہ کو پہنچی وہ پیغمبرؐ کے احتضار کی خبر تھی اور اسامہ عمر اور ابو عبیدہ کے ہمراہ یا بعض روایتوں میں ہے ابوبکر و عمر کے ہمراہ مدینہ واپس لوٹے۔ پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد ابوبکر مدینہ آئے اور سقیفہ میں ان کی بیعت انجام پائی جو مسجد النبی میں اختتام کو پہنچی اور جب ابوبکر پیغمبرؐ کے خلیفہ کے عنوان سے پہچانے گئے تو لشکر اسامہ کے سلسلہ میں مداخلت کی، لیکن سیف اپنے شاطرانہ بیان سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ ابوبکر کی خلافت کا مسئلہ پیغمبر کے زمانے سے چلا آرہا تھا!!۔

۳۔ سیف روایت کرتا ہے: ''انصار نے ابوبکر سے درخواست کی کہ اسامہ سے سپہ سالاری کا

عہدہ چھین کر اس کی جگہ کسی اور کو معین کیا جائے'' جبکہ دوسری روایتوں میں خاص کر تاریخ ابن عساکر ج ۱ص ۴۳۸ پر واضح طور پر آیا ہے کہ یہ درخواست پیغمبر خداؐ سے ہوئی ہے اور درخواست کرنے والے مہاجرین میں سے صف اول کے کچھ لوگ تھے نہ انصار، لیکن چونکہ سیف کی ہم عصر حکومت مہاجرین کے ہاتھوں میں تھی، لہذا اس نے وقت کی حکومت کو راضی رکھنے کیلئے مہاجرین کا کام انصار کے سر پر تھونپ دیا ہے۔

۴۔ سیف کہتا ہے کہ ابوبکر نے اسامہ اور اس کے لشکر کو دس احکام جاری کئے، جبکہ دوسری روایتوں کے مطابق ضروری احکام پیغمبر خداؐ نے دئے تھے، حتی ان روایتوں میں آیا ہے ابوبکر نے کہا: میں نے سنا ہے کہ پیغمبر خداؐ نے تمھیں ضروری ہدایات دئے ہیں، ان ہی ہدایات پر عمل کرنا میں ان کے علاوہ کوئی اور حکم نہیں دوں گا۔

۵۔ اپنی روایات کے اختتام پر سیف کہتا ہے:

''عمر جو پیغام انصار کی طرف سے ابوبکر کے پاس لائے تھے، اس کے سبب ابوبکر نے عمر کی داڑھی پکڑ کر ان کی نفرین کی''، جبکہ ایسا واقع ہونا بعید لگتا ہے، کیونکہ دوسری روایتوں میں اس سلسلے میں کوئی ذکر نہیں ہے، اور دوسری طرف سے '' و ما علی الرسول الاّ البلاغ'' بھی ہے۔

اگر چہ ہم نے اس سے پہلے دیکھا کہ سیف نے اپنی جعل کی گئی روایتوں میں حکومت وقت اور

اس کے ہم عصر لوگوں کی خوشنودی اور رضا مندی کے تحفظ کی کوشش کی ہے لیکن یہ آخری جملہ کس لئے گڑھ لیا ہے؟ کیا اس کے علاوہ کوئی اور علت ہوسکتی ہے کہ علم رجال کے علماء کے بقول وہ زندیق تھا، اور تاریخ اسلام کا مذاق اڑانا چاہتا تھا؟ ہمیں تو اس کے علاوہ کوئی اور سبب نظر نہیں آتا ہے!!

سیف نے کچھ ایسی روایتیں جعل کی ہیں جن کی بالکل کوئی بنیاد نہیں ہے، سیف کے افسانے خود اس سے مربوط ہیں ان افسانوں میں ایسے ہیرو اور پہلوان نظر آتے ہیں کہ زمانے کی ماما نے انھیں ابھی جنم ہی نہیں دیا ہے، لیکن سیف کی روایتوں کے منتشر ہونے کے بعد وہ ہیرو، اسلام کی عظیم شخصیتوں میں شمار ہوئے ہیں، انشاء اللہ ہم اس کتاب کے اگلے صفحات میں ان سورماؤں کی معرفی کرادیں گے۔

سپاہ اسامہ میں موجود نامور اصحاب

اس بحث کے اختتام پر مناسب ہے کہ سپاہ اسامہ میں موجود چند اصحاب رسولؐ کی زندگی کے بارے میں خلاصہ کے طور پر کچھ بیان کیا جائے۔

اول ودوم: ابوبکر وعمر یہ پہلے اور دوسرے خلیفہ ہیں جو محتاج تعارف نہیں ہیں اس لئے ان کے حالات کی تشریح کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

سوم: ابوعبیدہ جراح[1] ان کے حالت کے بارے میں یوں کہا گیا ہے:

۱۔ ملاحظہ ہو الاستعیاب ج ۲/۳۔۴ اور اسد الغابہ ج ۸۴/۳۔۸۶ اور اصابہ ج ۳۴۵/۲۔

''ابوعبیدہ ان کی کنیت تھی اوران کا نام عامرابن عبداللہ بن جراح قرشی تھا۔ان کی ماں امیمہ بنت غنم بن جابر تھیں۔وہ اسلام کے صف اول کے اشخاص میں سے تھے اوروہ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے دوبار ہجرت کی ہے۔ابوبکر نے انھیں ایک لشکر کا سردار مقرر کر کے شام بھیجدیا۔انھوں نے ۱۸ھ میں ''عمواس'' نامی مشہور طاعون کے سبب وفات پائی،اورموجودہ اردن میں ایک جگہ پرانکو سپرد خاک کیا گیا۔

چہارم: سعد ''وقاص''[۱]: ان کی کنیت ابواسحاق تھی اوران کے باپ کا نام مالک تھا،وہ قریش کے قبیلۂ زہرہ سے تعلق رکھتے تھے،کہا جاتا ہے کہ وہ ساتویں افراد تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا نیز انھوں نے بدراوردوسرے غزوات میں شرکت کی ہے،وہ اسلام میں پہلے وہ شخص ہیں جس نے سب سے پہلے دشمن کی طرف تیر پھینکا،وہ عراق کے سرکردہ فاتحین میں سے تھے اورعمر نے انھیں کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا،عمرابن خطاب نے ابو لؤ لؤ کے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد سعد وقاص کو خلافت کی چھ رکنی شوریٰ کا ممبر معین کیا۔

سعد نے عثمان کے قتل ہونے کے بعد لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کی اورمعاویہ کی خلافت کے زمانے میں مدینہ سے باہر ''عقیق'' نامی ایک جگہ پر رہائش پذیر تھے اوروہیں پر وفات پائی،ان کے جنازہ کو مدینہ لے جا کر بقیع میں دفن کیا گیا۔

پنجم: سعید بن زید[۲]: سعید قریش کے قبیلۂ عدی سے تعلق رکھتے تھے اورحضرت عمرابن خطاب

۱۔ ملاحظہ ہو استیعاب، ج ۲ ص ۱۸۔۲۵ اور اسد الغابہ، ج ۲ ۲۹۰/۲ واصابہ، ج ۲ ۳۰/۲۔۳۶

۲۔ اسکے حالات زندگی کے سلسلے میں اسد الغابہ ج ۲ ۳۰۸/۲ اوراصابہ واستیعاب کا مطالعہ کیا جائے۔

کا چچیرے بھائی تھے۔ عمر نے سعید کی بہن عاتکہ سے اور سعید نے عمر کی بہن فاطمہ سے شادی کی تھی۔

عمر کی بہن فاطمہ اور عمر کے چچیرے بھائی سعید نے عمر سے پہلے اسلام قبول کیا، جب عمر کو اس کی اطلاع ملی تو ان کے گھر جا کر اپنی بہن کے چہرے پر ایسا تھپڑ مارا کہ ان کے رخسار سے خون جاری ہو گئے، لیکن اس کے فوراً بعد بہن کی اس حالت پر رحم کھا کر خود بھی مسلمان ہو گئے!!! سعید نے ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں وفات پائی اور مدینہ میں انھیں سپرد خاک کیا گیا۔

ششم۔ اسامہ[۱]: اسامہ کے باپ زید بن حارثہ کلبی، پیغمبر خداؐ کا آزاد کردہ غلام اور ان کی ماں ام ایمن حضرت کی آزاد کردہ کنیز اور ان کی خادمہ تھیں، اسامہ اسلام کے ابتدائی دنوں میں پیدا ہوئے تھے اور انھوں نے معاویہ کی خلافت کے دوران وفات پائی تھی۔

سپاہ اسامہ روانہ کرنے میں پیغمبر خداؐ کا مقصد

جس کام کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں انجام دیا، وہ حیرت انگیز تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحاب میں سے بعض افراد اور بزرگوں کو انتہائی اصرار کے ساتھ مدینہ سے نکال کر شام اور سوریہ کی سرحد تک روانہ کر کے اسلامی مرکز سے دور بھیجنا چاہتے تھے۔ اس غرض سے ان کو مجبور کیا تھا کہ اسامہ کی کمانڈری میں رہیں، یعنی ایک ایسے شخص کی کمانڈری میں جس کے ماں باپ دونوں غلام تھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں آزاد کیا تھا۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں مذکورہ افراد کو اسامہ کی سرکردگی میں مدینہ (جو اس زمانے میں اسلام کا دار الخلافہ تھا) سے دور بھیجنا چاہتے تھے اور اس نازک وقت پر علی علیہ السلام کو اپنے سرہانے رکھنا چاہتے تھے؟!!!

سیف کی احادیث میں سقیفہ کی داستان

"الا و ان لی شیطاناً یعترینی فاذا أتانی فاجتنبونی ..."

ہوشیار رہو! میرا ایک شیطان ہے جو بعض اوقات مجھ پر مسلط ہوتا ہے اور اگر
تم لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا تو اس وقت مجھ سے دوری اختیار کرنا تا کہ
میری طرف سے تمہارے مال و جان کو کوئی نقصان نہ پہنچے....

ابوبکر

سیف نے سقیفہ کی داستان کو سات روایتوں میں نقل کیا ہے ہم اس فصل میں پہلے اس کی ان روایتوں کو نقل کریں گے اور اس کے بعد ان کے اسناد کی تحقیق کریں گے، اگلی فصلوں میں دوسرے راویوں کی روایتوں سے ان کی تطبیق و موازنہ کر کے چھان بین کریں گے اور آخر میں سیف کی روایتوں کے مآخذ اور ان کے مضمون کے بارے میں تحقیق کا نتیجہ علم دوست حضرات کی خدمت میں پیش کریں گے۔

سیف کی روایتیں

پہلی روایت:

ابن حجر نے قعقاع بن عمرو کی زندگی کے حالات کو سیف سے نقل کرتے ہوئے یوں بیان کیا

ہے کہ قعقاع نے کہا ہے:

''میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت وہاں پر حاضر تھا، جب ہم نے ظہر کی نماز پڑھی تو ایک شخص نے مسجد میں داخل ہوکر کہا: انصار متفقہ طور پر سعد بن عبادہ کو جانشینی اور خلافت کے عہدہ پر منتخب کرنا چاہتے ہیں اور اس بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان کو توڑنا چاہتے ہیں۔ مہاجرین اس خبر کو سننے کے بعد وحشت میں پڑ گئے[1]

دوسری روایت:

طبری نے ۱۱ھ میں سیف سے نقل کیا ہے کہ راوی نے سعید بن زید سے پوچھا: کیا تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت حاضر تھے؟

اس نے کہا: جی ہاں!

ابوبکر کی بیعت کس دن کی گئی؟

اس نے جواب میں کہا اسی دن جس روز رسول خداؐ نے رحلت فرمائی، کیونکہ لوگ نہیں چاہتے تھے نصف دن بھی اجتماعی نظم و انتظام کے بغیر گزاریں۔

کیا کسی نے ابوبکر کی بیعت سے اختلاف کیا؟

۱۔ اصابہ: ۲/۲۴۰، الجرح والتعدیل رازی ج ۳/ حصہ ۲/ ۱۳۶۔

نہیں ،صرف ان لوگوں نے مخالفت کی جو مرتد ہوئے تھے یا مرتد ہونے کے نزدیک تھے تو انھیں خدا نے انصار کے ہاتھوں نجات بخشی تھی۔

کیا مہاجرین میں سے کسی نے بیعت سے سرپیچی کی؟

نہیں ،تمام مہاجرین نے کسی کی تجویز کے بغیر یکے بعد دیگرے بیعت کی۔

تیسری روایت:

طبری نے بھی سعد بن عبادہ کیلئے بیعت لینے کی انصار کی کوشش اور ان کی ابو بکر سے مخالفت کے بارے میں یوں روایت کی ہے:

کہ [1] ''سیف نے اپنے مآخذ سے سہل اور ابی عثمان سے اور اس نے ضحاک بن خلیفہ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: ''جب حباب بن منذر [2] نے کھڑے ہو کر تلوار ہاتھ میں لی اور کہا:

انا جذیلها المحکک و عذیقها المرجب ، ان ابو شبل فی عرینة الاسد '' [3]

۱۔طبری ج ۳/۲۱۰

۲۔حباب بن منذر پیغمبر خداؐ کے اصحاب میں سے تھے ان کی زندگی کے حالات بعد میں بیان کئے جائیں گے۔

۳۔یہ تین جملے عربی ضرب المثل ہیں اور ان کے معنی یہ ہیں: میں اس لکڑی کے مانند ہوں جسے اونٹوں کے سونے کی جگہ پر رکھا جاتا ہے تا کہ کھجلی آنے پر وہ اپنے بدن کو اس کے ساتھ رگڑ لیں (یہ اس بات کی طرف کنایہ ہے کہ مشکل کے وقت میری رائے کی طرف پناہ لیں) اور میں اس قوی درخت کے مانند ہوں کہ مشکلات میں میرے سائے میں پناہ لیتے ہیں اور حوادث کے طوفان مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچاتے۔ میں کچھار میں شیر کے بچوں کے باپ کے مانند ہوں۔

عمر نے تلوار ہاتھ میں لی اور سعد بن عبادہ کی طرف حملہ کیا، دوسرے لوگ بھی سعد بن عبادہ پر حملہ آور ہوئے اور پے در پے ابو بکر کی بیعت کی، انصار کا یہ کام ایام جاہلیت کی سی ایک غلطی تھی جس کا ابو بکر نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

جس وقت سعد بن عبادہ پایمال ہوا، ایک شخص نے کہا؛ کیا تم لوگوں نے سعد بن عبادہ کو قتل کر ڈالا؟ عمر نے جواب میں کہا: خدا اسے مار ڈالے، وہ ایک منافق شخص ہے! اس کے بعد عمر نے حباب کی تلوار کو ایک پتھر پر مار کر اسے توڑ دیا"

چوتھی روایت:

اس کے بعد طبری نے مندرجہ ذیل روایت کو نقل کیا ہے[1] سیف نے جابر سے روایت کی ہے کہ: "سعد بن عبادہ" نے اس دن ابو بکر سے کہا:

اے مہاجرین کی جماعت! تم لوگوں نے میری حکمرانی پر رشک کیا ہے! اور اے ابو بکر! کیا تم نے میرے خاندان کی حمایت میں ہمیں بیعت کرنے پر مجبور کیا ہے؟ ابو بکر اور ان کے حامیوں نے جواب میں کہا: اگر ہم تیری دلی چاہت کے خلاف ملت سے جدا ہونے پر تجھے مجبور کرتے اور تم مسلمان کے اجتماع سے اپنے رابطہ کو برقرار رکھتے، تو تم یہ کام کر سکتے، لیکن ہم نے تجھے اجتماع سے پیوست ہونے پر مجبور کیا، معلوم ہے کہ اس رسالت کو بدلا نہیں جا سکتا ہے، اگر اطاعت کرنے سے منہ موڑ لو گے اور

معاشرے میں تفرقہ ایجاد کرو گے تم ہم تیرا سر قلم کریں گے۔

پانچویں روایت:

طبری ابوبکر اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی بیعت کے بارے میں بھی سیف سے اس طرح نقل کرتا ہے کہ علیؑ گھر میں تھے کہ خبر ملی کہ ابوبکر نے بیعت کیلئے نشست کی ہے چونکہ وہ ابوبکر کی بیعت کرنے میں تاخیر کرنا نہیں چاہتے تھے، اس لئے صرف ایک کرتا پہن کر قبا و شلوار کے بغیر پوری عجلت کے ساتھ باہر آئے اور ابوبکر کے پاس دوڑے اور ان کی بیعت کی، اس کے بعد کسی کو بھیج دیا تا کہ ان کی قبا لے آئے پھر قبا کو پہننے کے بعد ابوبکر کے پاس بیٹھ گئے۔

چھٹی حدیث:

اس کے علاوہ طبری نے سیف سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دوسرے دن ابوبکر نے دو خطبے نسبتاً طولانی بیان کئے جن میں دوسری تمام چیزوں کی نسبت موت، دنیا کے فانی ہونے اور آخرت کے بارے میں بات کی۔

انشاء اللہ ہم ان خطبوں کو کتاب کے آخر میں (روایتوں کی چھان بین کے باب میں) نقل کر کے اس پر تحقیق کریں گے، ان دو خطبوں میں جو چیز قابل توجہ ہے وہ یہ جملہ ہے کہ ابوبکر نے کہا ہے:

ألا و إنّ لی شیطاناً یعترینی فاذا اتانی فاجتنبونی لا أُؤثر فی اشعارکم و ابشارکم.

ہوشیار رہو! میرا ایک شیطان ہے جو کبھی کبھار مجھ پر مسلط ہوتا ہے اگر وہ شیطان میرے نزدیک آیا تو تم لوگ مجھ سے دوری اختیار کرنا تاکہ میں اپنے مفاد میں تمہارے مال وجان پر دست درازی نہ کروں''

ساتویں حدیث:

طبری[۱] نے مبشر بن فضیل سے اس نے جبیر سے اس نے اپنے باپ صخر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے محافظ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا:

پیغمبر خداؐ کی وفات کے وقت خالد بن سعید عاصی یمن میں تھا۔ وہ ایک مہینہ بعد مدینہ کی طرف آیا۔ اور ایک زیبا قبا پہنے عمر اور حضرت علی علیہ السلام کے سامنے حاضر ہوا، جب عمر نے اسے ایک زیبا قبا میں ملبوس پایا تو اپنے حامیوں سے مخاطب ہو کر بلند آواز میں بولے: خالد کی زیب تن کی ہوئی قبا کو پھاڑ ڈالو! اس نے ریشمی قبا پہنی ہے جبکہ یہ جنگ کا زمانہ نہیں ہے بلکہ صلح کا زمانہ ہے[۲] عمر کے حامیوں نے ان کے حکم سے خالد کی زیبا قبا کو پھاڑ ڈالا۔

خالد نے غصے کی حالت میں حضرت علی علیہ السلام کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے ابوالحسن! اے عبد مناف کے فرزند! کیا خلافت کو کھونے کے بعد مغلوب ہو چکے ہو؟ حضرت علی علیہ السلام نے جواب میں کہا: تم اسے غالب و مغلوب دیکھتے ہو یا خلافت کو!؟[۳]

۱۔ طبری ج ۲/۵۸۶۔

۲۔ اسلام میں مردوں کیلئے جنگ کے موقع پر ریشمی لباس پہننا جائز ہے اور صلح میں حرام ہے۔

۳۔ قال : قال یا ابا الحسن یا بنی عبد مناف اغُلِبتم علیها ؟ فقال علیٌّ أ مغالبة تری ام خلافة ؟!

خالد نے کہا: اے عبد مناف کے بیٹو! ''تمہارے سوا کوئی اور خلافت کا سزاوار نہیں ہے؟'' عمر نے خالد سے مخاطب ہو کر کہا؛ خدا تیرے منہ کو توڑ ڈالے! تم نے ایسی بات کہی ہے جو جھوٹوں کیلئے ہمیشہ سند بن جائے گی اور اس کو نقل کرنے والا اپنے لئے نقصان کے سوا کچھ نہیں پائے گا! اس کے بعد عمر نے خالد کی باتوں کی رپورٹ ابوبکر کو پیش کی۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد جب ابوبکر مرتدوں سے جنگ کرنے کیلئے ایک لشکر کو منظّم کر رہے تھے تو خالد کے ہاتھ بھی ایک پرچم دینے کی ٹھان لی، عمر نے انھیں ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا:

خالد ایک ناتوان اور کمزور شخص ہے اور اس نے ایک ایسا جھوٹ بولا ہے کہ جب تک اسکے اس جھوٹ کو نقل کرنے والا دنیا میں موجود ہو اور لوگ اس کے گرد جمع ہو جائیں اس شخص سے ہرگز مدد طلب نہیں کرنی چاہئے، ابوبکر نے مرتدوں سے جنگ کرنے کے بجائے خالد کو رومیوں سے جنگ کرنے کیلئے بھیجا اور اسے فوج کے ڈپٹی کمانڈر کی حیثیت سے تیماء روانہ کیا اس طرح عمر کی باتوں کے ایک حصہ پر عمل کیا اور ایک حصہ کو مسترد کر دیا۔

سیف کی روایتوں کا مآخذ

علم حدیث کے دانشور اور علماء جب کسی روایت کے بارے میں تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو وہ دو چیزوں کو مدنظر رکھتے ہیں:

اول: روایت کا مآ خذ، یعنی روایت کرنے والا کن خصوصیات کا مالک ہے اور اس نے روایت کو کن اشخاص سے نقل کیا ہے۔

دوم: روایت کا متن، یعنی روایت میں بیان ہوئے مطالب کی چھان بین کرنا اس لحاظ سے سقیفہ کے بارے میں سیف کی روایتوں کو متن و مآ خذ کے لحاظ سے چھان بین کرنا چاہئے تا کہ ان کی علمی قدر و منزلت اور اعتبار کی حیثیت معلوم ہو سکے اب ہم سیف سے نقل کی گئی روایتوں کے مآ خذ کی چھان بین کرتے ہیں۔

سیف کی سب سے پہلی روایت جسے ہم نے نقل کیا وہ کتاب ''الاصابہ'' سے ہے، جسے سیف نے قعقاع بن عمرو تمیمی سے نقل کیا ہے، قعقاع ایک ایسا سورما ہے جو سیف کے خیالات کی تخلیق ہے اسی قسم کے کسی شخص کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں ہے، لیکن بعض علماء نے تحقیق کئے بغیر صرف سیف کی روایت پر بھروسہ کر کے قعقاع کے نام کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی فہرست میں درج کر کے سیف کی روایتوں سے اس کی زندگی کے مفصل حالات قلم بند کر دیے ہیں سینکڑوں کتابوں میں اس کے اشعار، بہادریوں، جنگوں، جنگی منصوبوں، لشکر کشیوں اور اجتماعی کارکردگی کے بارے میں قلم فرسائی کی ہے، ان افسانوں کا سر چشمہ صرف اور صرف سیف کی روایتیں ہیں۔ ہم نے اس موضوع اور سیف کے اس قسم کے افسانوی بہادروں کے بارے میں اپنی کتاب '' خمسون و مأة صحابی مختلق'' میں تفصیلات بیان کی ہیں [1]

[1] اس کتاب کا ترجمہ اردو زبان ''۱۵۰ جعلی اصحاب'' کے عنوان اسی مترجم کے قلم سے ہوا ہے۔

سیف نے تیسری روایت کو سہل سے نقل کیا ہے اور اسے یوسف بن سلمی انصاری کا بیٹا بتایا ہے ہم نے جس کتاب میں اس کے بارے میں لکھا ہے وہاں یہ ثابت کیا ہے کہ حقیقت میں اس نام کا کوئی راوی ہی وجود نہیں رکھتا تھا اور یہ بھی سیف کے خیالات کی تخلیق ہے۔

چوتھی روایت سیف نے مبشر سے نقل کی ہے، یہ نام بھی صرف سیف کی روایتوں میں درج ہے اس کا کہیں اور سراغ نہیں ملتا، علم حدیث کے علماء نے اس کے بارے میں کہا ہے:

''سیف اس سے روایت کرتا ہے لیکن اسے کوئی نہیں جانتا''[1]

آخری روایت کو سیف نے صخر نامی ایک شخص سے نقل کیا ہے، سیف نے اس کا پیغمبر خداؐ کے خصوصی محافظ کے عنوان سے تعارف کرایا ہے، جبکہ علم رجال کی کتابوں اور پیغمبر خداؐ کے اصحاب کی زندگی کے حالات میں اس قسم کے کسی شخص کا ذکر تک نہیں ہے اور پیغمبر خداؐ کا کوئی محافظ اس نام کا نہیں تھا۔

اس کے مآخذ میں اور بھی مجہول راوی ہیں کہ اس خلاصہ میں ان کا ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

یہ تھیں سیف کی روایتیں مآخذ اور قدر و منزلت کے لحاظ سے، اب ہم ان روایات کے متن کے بارے میں قارئین کو جانکاری دیں گے۔

۱۔ ملاحظہ ہو لسان المیزان ج ۵/۱۳

سیف کی روایتوں کے مآخذ

سیف کی روایتوں میں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ اسے روایت گڑھنے میں خاص مہارت تھی۔ کیونکہ وہ روایتوں کے ایک حصہ میں حقائق کی تحریف کرتا ہے اور حوادث کے دوسرے حصہ کو ایسے نقل کرتا ہے کہ پڑھنے والا غیر شعوری طور پر مطلب کو واقعیت کے خلاف سمجھتا ہے اس مطلب کی وضاحت کیلئے سیف کی روایت گڑھنے کی مہارت کے سلسلے میں یہاں پر ہم ایک نمونہ پیش کرتے ہیں: قعقاع سے نقل کی گئی سیف کی روایت میں (جسے اسی کتاب میں پہلی روایت کے طور پر درج کیا گیا ہے) آیا ہے:

''پیغمبر خداؐ کی رحلت کے دن ظہر کی نماز کے بعد یہ خبر ملی کہ انصار سعد بن عبادہ کی بیعت کر کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئے گئے عہد و پیمان کو توڑنا چاہتے ہیں''

پڑھنے والا اس روایت سے یہ سمجھتا ہے کہ لوگوں نے خلافت کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی عہد و پیمان باندھا تھا، جسے انصار توڑنا چاہتے تھے۔

اس کے علاوہ لشکر اسامہ کے بارے میں دوسری روایت میں (جسے ہم نے اس سے پہلے بیان کیا) تاریخ طبری اور تاریخ ابن عساکر سے نقل کر کے سیف بیان کرتا ہے:

''جب پیغمبر خداؐ کی رحلت کی خبر فوجی کیمپ میں پہنچی، تو اسامہ نے عمر کو رسول خدا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ ابوبکر کے پاس بھیجا..."

اس روایت سے اس امر کا استنباط ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لوگوں کا عہد و پیمان ابوبکر کی خلافت کے بارے میں تھا۔

سیف نے سقیفہ کہ داستان نقل کرنے میں مذکورہ چابک دستی اور مہارت سے کافی استفادہ کیا ہے۔

سقیفہ کا واقعہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جس میں حقیقت اپنی اصلی راہ سے مکمل طور پر منحرف ہوئی ہے، سیف نہیں چاہتا تھا اس تاریخی امانت میں خیانت کئے بغیر اسے دوسرں تک پہنچادے، سقیفہ کے بارے میں نقل کی گئی اس کی تمام روایتیں خلاف واقع اور حقیقت سے دور ہیں، سقیفہ اور ابوبکر کی بیعت کے بارے میں حقیقت قضیہ جاننے سے سیف کے جھوٹ کا پول کھلنے کے علاوہ سقیفہ کے بارے میں معاویہ کے زمانے تک کے تاریخی حقائق کھل کر سامنے آتے ہیں۔

لہذا اہم ضروری سمجھتے ہیں کہ پہلے سقیفہ کے واقعہ کو مکمل طور پر اور استناد کے ساتھ علمائے اہل سنت کی معتبر کتابوں میں موجود مورد اعتماد روایتوں سے نقل کر کے پیش کریں اور اس کے بعد اس سلسلے میں سیف کی نقل کی گئی روایتوں کی چھان بین کریں۔

داستان سقیفہ کی داغ بیل

هلمِ اكتب لكم كتاباً لن تضلّوا بعده ابداً

آؤ! میں تمہارے لئے ایک ایسا وصیت نامہ لکھدوں گا، جس کے ہوتے ہوئے تم لوگ ہرگز گمراہ نہیں ہوگے

پیغمبر اکرمؐ

ان النبیّ غلبه الوجع و عندكم كتاب الله

پیغمبر خداؐ بخار اور بیماری کے سبب بولتے ہیں، تمہیں کتابِ خدا کے ہوتے ہوئے ان کی تحریر کی ضرورت نہیں ہے۔

عمر، خلیفہ دوم

وہ فرمان جس کی اطاعت نہیں ہوئی

سقیفہ کے واقعہ کی پیغمبر خداؐ کی رحلت سے پہلے داغ بیل ڈالی گئی تھی، چنانچہ ہم نے گزشتہ فصل میں دیکھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ کوشش اور تلاش تھی کہ اسلام کے دار الخلافہ مدینہ کو سرکردہ مہاجر اور انصار سے خالی کریں اسی لئے انھیں شام کی سرحدوں پر جاکر جہاد کرنے کی ذمہ داری دیدی تھی، صرف علی علیہ السلام کو مدینہ میں اپنے سرہانے رہنے کی اجازت دی تھی، لیکن ان لوگوں نے پیغمبر

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی اطاعت نہیں کی اور اس حکم کی تعمیل کرنے میں لیت ولعل اور لاپرواہی سے کام لیا اور اسی دوران پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحلت فرما کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، اس رونما شدہ واقعہ کے دوران ایک ایسا اہم حادثہ پیش آیا، جس نے تاریخ کی راہ کو مکمل طور پر موڑ کے رکھ دیا۔

وصیت نامہ، جو لکھا نہ جا سکا

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زندگی کے آخری لمحات قریب سے قریب تر ہوتے جا رہے تھے، مدینہ منورہ کی فضا میں اضطراب اور وحشت کے بادل منڈلا رہے تھے، ہر ایک یہ محسوس کر رہا تھا کہ عالمِ بشریت جلدی ہی اپنے عظیم الشان قائد سے محروم ہونے والی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے تربیتی منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے بستر علالت پر ہی آخری خاکہ کھینچ رہے تھے۔ آپؐ نے فیصلہ کیا کہ کسی تاخیر کے بغیر اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنائیں اور اپنی کئی برسوں کی زحمتوں اور خدمات کو ضائع ہونے نہ دیں، لیکن افسوس کا مقام ہے کہ وہی افراد جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی کے خلاف مدینہ سے باہر نہ نکلے تھے، حالات کا جائزہ لے رہے تھے تا کہ پہلی فرصت میں اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہنائیں۔

لہذا انہوں نے اس امر کی اجازت نہیں دی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ؐ کا آخری پروگرام بشریت کی راہنمائی کیلئے ایک تحریری سند کے طور پر باقی رہے۔

عمر ابن خطاب بذات خود کہتے ہیں:

''ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے اور خواتین پردے کے پیچھے بیٹھی تھیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے سات خوشبو والے پانی سے غسل دینا اور میرے لئے ایک کاغذ اور قلم لاؤ تاکہ تمہارے لئے ایک ایسی تحریر لکھدوں کہ اس کے بعد تم لوگ ہرگز گمراہ نہ ہوگے''

خواتین نے کہا: جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے ہیں اس چیز کو حاضر کرو[1]

مقریزی لکھتا ہے:

''اس بات کو جحش کی بیٹی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی زینب اور اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی دوسری عورتوں نے کہا: ''عمر'' کہتے ہیں: ''میں نے کہا چپ رہو، تم وہی عورتیں ہو، جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوتے ہیں تو اپنی آنکھوں پر زور دیکر روتی ہو اور جب آپ دوبارہ صحت یاب ہوجاتے ہیں تو ان کی گردن پکڑ کر ان سے نفقہ مانگتی ہو! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''یہ عورتیں تم سے بہتر ہیں''

ابن سعد نے طبقات[2] میں جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا:

۱۔ ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ج ۲/ ۳۷ و نہایۃ الارب ج ۱۸، ۳۷۵، و کنزل العمال ج ۳/ ۱۳۸ و ج ۴/ ۵۲ اور مختصر کنز ج ۳۔

۲۔ ج ۲ صفحہ ۲۴۲۔

''پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت کاغذ طلب کیا تا کہ اپنی امت کیلئے ایک ایسی تحریر لکھ ڈالیں کہ اس کے بعد نہ آپ کی امت گمراہ ہوگی اور نہ کوئی اسے گمراہ کر سکے گا، اس مجلس میں حاضر لوگوں نے ایسا ہنگامہ مچایا کہ پیغمبر اسلام نے اپنا فیصلہ ترک کر دیا۔

اس کے علاوہ مسند احمد[1] میں ابن عباس سے روایت کی گئی ہے: جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی موت نزدیک آئی تو آپ نے فرمایا:

''میرے لئے ایک بھیڑ کا کندھا لاؤ[2] میں تم لوگوں کیلئے ایک تحریر لکھ دوں گا تا کہ میرے بعد تمہارے درمیان حتی دو افراد میں بھی آپس میں اختلاف پیدا نہ ہو سکے''

ابن عباس کہتے ہیں:

''ایک جماعت نے شور و ہنگامہ شروع کر دیا تو ایک عورت نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: ''افسوس ہو تم لوگوں پر! پیغمبر وصیت کرنا چاہتے ہیں''

ابن عباس اپنی ایک دوسری روایت میں کہتے ہیں[3] پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس

۱۔ ج ۱ ص ۲۹۳۔

۲۔ اس زمانہ میں کاغذ نہ ہونے کی وجہ سے تحریرات چمڑے، حیوانوں کی ہڈیوں اور لکڑی جیسی چیزوں پر لکھے جاتے تھے۔

۳۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ر ۲۴۴۔

بیماری کے دوران (جس کے سبب آپ وفات پا گئے) فرمایا:

''میرے لئے دوات اور ایک کاغذ لاؤ تا کہ تمہارے لئے ایک ایسی تحریر لکھ دوں کہ تم اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے؟''

عمر نے کہا: روم کے باقی رہ گئے فلاں اور فلاں شہروں کو جب تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح نہیں کر لیں گے اس وقت تک اس دنیا سے نہیں جائیں گے، اور اگر آپ نے وفات پائی تو ہم آپ کے انتظار میں اسی طرح رہیں گے جس طرح بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے انتظار میں منتظر رہے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی زینب نے اس کے جواب میں کہا: کیا نہیں سنتے ہو پیغمبر تمہیں وصیت کرنا چاہتے ہیں؟! اس کے بعد انہوں نے ہنگامہ اور شور و شرابا کیا، لہذا پیغمبرؐ نے فرمایا: یہاں سے اٹھ جاؤ'' جب وہ اٹھ کر چلنے لگے تو آپ نے وفات پائی''۔

ان روایتوں اور اس کے بعد آنے والی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری لحات میں ضعیف حالت کے باوجود کئی بار حکم دیا تھا کہ ان کیلئے کاغذ و دوات لائی جائے، لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر کے پاس بیٹھے ہوئے افراد نے مجلس میں کھلبلی اور ہنگامہ مچا کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے فیصلہ سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا، آنے والی بحثوں میں جن روایتوں کو ہم نقل کریں گے، ان سے معلوم ہو جائے گا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حضور میں کس طرح کے ناشائستہ باتیں کی گئیں جن کے سبب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وصیت نامہ لکھنے سے صرف نظر کریں۔

صحیح بخاری[1] اور دوسری کتابوں میں روایت نقل ہوئی ہے کہ ابن عباس نے کہا:

''جمعرات کا دن...کیسا دن تھا،؟! اس کے بعد اس قدر روئے کہ ان کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں نے کنکریوں کو تر کر دیا. اس کے بعد بولے: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شدید بیماری کے عالم میں فرمایا: میرے لئے ایک کاغذ لاؤ تا کہ تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں کہ میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے''

مجلس میں موجود افراد میں جنگ و جدل برپا ہوگیا ، جبکہ کسی بھی پیغمبر کے حضور اختلاف وجدال کرنا جائز نہیں ہے، کچھ لوگوں نے کہا: پیغمبرؐ ہذیان بک رہے ہیں!!

پیغمبر نے فرمایا:

''مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو! میری حالت اس سے بہتر ہے جو تم میرے بارے میں کہتے ہو؟[2]

ابن عباس نے ایک دوسری روایت میں اس بات کے راوی کا تعارف کرایا ہے، صحیح بخاری میں

۱۔ حدیث کا لفظ صحیح بخاری میں سے ہے، کتاب جہاد باب جوائز وفد ج ۱۲۰/۲، ملاحظہ ہو ج ۱۲۲/۲ باب اخراج یہود از جزیرۃ العرب کتاب جزیہ اور صحیح مسلم ج ۵/ ۷۵ باب ترک وصیت اور مسند احمد تحقیق احمد شاکر حدیث نمبر ۱۹۳۵ اور طبقات ابن سعد ۲۴۴/۲، اور طبری ج ۱۹۳/۴ ان کی حدیث کے لفظ میں یہ ہے: ما شانه أهجر ..... فذهبوا يُعيدون عليه فقال: دعوني .....)

۲۔ بلاذری کی انساب الاشراف ج ۵۶۲/۱، ملاحظہ ہو اور طبقات ابن سعد ج ۲۴۲/۲ اور صحیح مسلم ج ۷۶/۵ اور ان لفظ ان رسول الله لیَھجُر تحریر ہوا ہے۔

اس سے نقل کر کے بیان ہوا ہے[1]

''جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت نزدیک آ گئی، کچھ لوگ، جن میں عمر ابن خطاب بھی شامل تھے، پیغمبر خداؐ کے گھر میں جمع ہوئے تو، پیغمبرؐ نے فرمایا: جلدی کرو تا کہ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے''

عمر ابن خطاب نے حاضرین سے کہا: بیماری نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حواس خمسہ پر غلبہ کیا ہے، قرآن تمہارے پاس ہے اور خدا کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے!''

اس گھر میں موجود لوگوں کے درمیان اختلاف پیدا ہوا، بعض لوگوں نے عمر کی ہاں میں ہاں ملائی، جب بیہودہ گفتگو حد سے بڑھ گئی اور اختلاف کا دامن پھیلنے لگا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رنجیدہ ہو کر فرمایا:

''میرے نزدیک سے اٹھ جاؤ، کیونکہ میرے سامنے جدال واختلاف کرنا جائز نہیں ہے''۔

مسند احمد کی روایت اور طبقات میں یوں آیا ہے:

''جب بیہودہ کلام حد سے بڑھ گیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رنجیدہ خاطر ہوئے اور فرمایا:

''میرے پاس سے اٹھ جاؤ!''

اس حدیث کا راوی کہتا ہے کہ: ابن عباس مکرر کہتے تھے: ''بدبختی اور مصیبت ہم پر اس وقت

۱۔ یہ لفظ صحیح بخاری میں ہے ملاحظہ ہو ج ۱/۲۲، باب کتابۃ العلم، کتاب علم سے اس لفظ کے نزدیک ہے، مسند احمد تحقیق احمد شاکر حدیث نمبر ۲۹۹۲، طبقات ج ۲/ ۲۴۴

نازل ہوئی جب اختلاف اور یاوہ گوئی کے سبب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس تحریر کو نہ لکھ سکے"

[۱] وہ صحابی، جس نے پیغمبر خداؐ پر ہذیان بکنے کی تہمت لگائی۔

ان تمام روایتوں میں عمر ابن خطاب کے علاوہ کسی اور کا نام نہیں لیا گیا ہے، یہ عمر تھے جنھوں نے پیغمبرؐ کی بیویوں کے یہ کہنے: "جو پیغمبرؐ چاہتے ہیں اسے حاضر کیجئے" کے جواب میں کہا: "انکن صواحبة"[۲] اور اس رائج ضرب المثل کے ذریعہ ان کی سرزنش کر کے اس توہین آمیز لہجہ میں پیغمبرؐ کی بیویوں کی بے احترامی کی۔

یہ عمر تھے جس نے یہ کہا کہ: اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مر جائیں تو روم کے شہروں کو کون فتح کرے گا؟

یہ عمر تھے جس نے جب احساس کیا کہ مجلس میں حاضرین کی اکثریت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مرضی کی حامی ہے اور قریب ہے مسلمانوں کے ہاتھ پیغمبرؐ کی ایک ایسی تحریر آئے جس سے

۱۔ یہ صحیح بخاری کی عبارت کتاب اعتصام بہ کتاب وسنۃ کے باب کراهیة الخلاف، ج ۴/ ۱۸۰ اور کتاب مرض کے باب قول المریض قوموا عنی ج ۴/ ۵ اور ج ۳/ ۶۲ باب مرض النبی کتاب مغازی اور صحیح مسلم ج ۵/ ۷۶ کتاب کے آخری باب "وصیة" میں اور مسند احمد تحقیق احمد شاکر حدیث نمبر ۳۱۱۱ اور تاریخ ابن کثیر ج ۵/ ۲۲۷۔ ۲۲۸ اور تیسیر الوصول ج ۴/ ۱۹۴ اور تاریخ ذہبی ج ۱/ ۳۱۱ اور تاریخ خمیس ج ۱/ ۱۸۲ اور البدء و تاریخ ج ۵/ ۹۵ اور تاریخ ابن محنہ تاریخ کامل کے حاشیہ پر ۱۰۸، تاریخ ابو الفدا ج ۱/ ۱۵۱ میں آیا ہے: فقالَ : قُوموا عني لا ينبغي عِندَ نبيّ تَنازُع ، فقالوا : إنَّ رسول الله ليهجُر فذهبوا يعيدون عليه ، فقال : دعوني ما أنا فيه خيرٌ مما تدعوني إليه۔

۲۔ صدر اسلام میں اگر کسی عورت کو ڈانٹا جاتا تھا تو اسے ان عورتوں سے تشبیہ دیتے تھے جو حضرت یوسف سے محبت کرتی تھیں اور اسے زندان بھیجا جاتا تھا، ایسی عورت کو کہتے تھے: إنكن صُويحباتة تشبيها لها بصويحبات يوسف.

عمر اور اس کے حامیوں کے منصوبے نقش بر آب ہو جائیں گے تو اس نے کہا: پیغمبرؐ پر بیماری کا دباؤ پڑا ہے اور وہ نہیں جانتے ہیں کہ کیا بول رہے ہیں، تمہارے پاس قرآن ہے اور وہی کافی ہے!

عمر نے ہی کہا تھا: ''یہ شخص ہذیان بک رہا ہے اور اس نے اس نامناسب جملہ کو کہہ کر اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا، کیونکہ عمر کے اس جملہ اور ان کا پیغمبر اکرمؐ کی طرف ہذیان کی نسبت دینے نے دوسرے کے ذہنوں پر بھی اثر ڈالا تھا، لہذا اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکمل اصرار کے طور پر کوئی وصیت بھی لکھ ڈالتے تو اس کی کوئی قدر و منزلت ہی باقی نہ رہتی اور اس کے مخالف کہتے کہ یہ وصیت اس حالت میں لکھی گئی ہے جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حواس خمسہ کھو بیٹھے تھے ۔لہذا اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی جاتی ، یہ نازک نکتہ ابن عباس کی ایک روایت میں مورد توجہ قرار پایا ہے، وہ کہتے ہیں:

''پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں موجود افراد میں سے ایک شخص نے کہا: ''پیغمبر خدا ہذیان بک رہے ہیں''

اس کے بعد جب مجلس میں حالات معمول کے مطابق ہوئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا: کیا آپ جس چیز کو چاہتے تھے اسے آپ کیلئے لائیں؟ پیغمبر نے فرمایا:

اب اس کا فائدہ کیا ہے؟! یعنی یہ بات کہنے کے بعد اس تحریر کا کوئی فائدہ نہیں ہے!

جی ہاں! ہنگامہ برپا کر کے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی زندگی کے آخری لمحات میں

ایک وصیت نامہ لکھنے نہیں دیا گیا اس طرح قبل اس کے کہ ایک اور فرصت ہاتھ آتی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وصیت نامہ کو تحریر فرماتے تا کہ لوگ ہمیشہ کیلئے گمراہی سے نجات پاتے، آپ نے رحلت فرمائی۔

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۲/۲۴۴

وضاحت طلبی

اس بحث کے آخر میں مناسب ہے کہ عمر سے ایک سوال کیا جائے وہ یہ ہے کہ جہاں پر آپ نے یہ جرأت اور جسارت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہذیان بکنے کی تہمت لگائی! کیا وجہ ہے کہ آپ نے یہی الزام ابوبکر کونہیں دیا جب کہ انھوں نے بیہوشی کے عالم میں وصیت نامہ لکھا؟

طبری لکھتا ہے: ابوبکر نے عثمان کو اپنی بیماری کی حالت میں اپنے سرہانے بلایا اور کہا: لکھو ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' یہ ابوبکر بن ابی قحافہ کی طرف سے مسلمانوں کے نام ایک وصیت ہے امابعد...''

راوی کہتا ہے:

اس کے بعد بیہوش ہو گئے اور کوئی بات نہ کر سکے (لہٰذا عثمان نے ابوبکر کی بیہوشی) کے عالم میں لکھا، ''امابعد، میں نے اپنے فیصلہ کے مطابق عمر ابن خطاب کو تم لوگوں پر اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر کیا ہے، جان لو کہ میں نے تمہارے متعلق خیرخواہی میں کسی قسم کی لاپروائی نہیں برتی ہے''

جب عثمان تحریر لکھنے سے فارغ ہوئے تو ابوبکر ہوش میں آئے اور عثمان سے کہا: ذرا پڑھو دیکھتا ہوں کہ تم نے کیا لکھا، عثمان نے جو کچھ لکھا تھا ابوبکر کو پڑھ کر سنا دیا۔

ابوبکر نے کہا: ''اللہ اکبر! میرے خیال میں تم ڈر گئے کہ اگر میں اس بیہوشی کے عالم میں مرجاؤں تو لوگوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا''

اس نے جواب میں کہا: جی ہاں۔

ابوبکر نے کہا: ''خدا تجھے اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے خیر پہنچائے اور اس طرح عثمان کی تحریر کی تائید کی۔

کیا عمر نے اس تحریر کے بارے میں کوئی رد عمل ظاہر کیا؟

طبری کہتا ہے:

''عمر بیٹھ گئے جبکہ لوگ ان کے پاس بیٹھے تھے، عمر کے ہاتھ میں درخت خرما کی ایک ٹہنی تھی۔ ابوبکر کے آزاد کردہ غلام شدید ابوبکر کی اس تحریر کو ہاتھ میں لئے ہوئے تھے، جس میں عمر کی جانشینی کا فرمان لکھا گیا تھا، عمر نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا:

اے لوگوں سن لو! اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلیفہ کے حکم کی اطاعت کرو؟ خلیفہ تمہیں کہتا ہے: ''میں نے تمہاری خیر خواہی میں کسی قسم کی لا پروائی نہیں کی ہے''[1]

تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ عمر حالت بیماری میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تحریر کو قبول نہ کرتے ہوئے کہتے ہیں حسبنا کتاب اللہ لیکن ابوبکر کے اس حالت میں لکھی گئی تحریر کی تائید کرتے ہیں!! دیکھئے فرق کہاں سے کہاں تک ہے! بے شک ابن عباس کو حق تھا کہ رونما ہوئے اس حادثہ پر اتنے آنسو بہائیں کہ کنکریاں تر ہو جائیں۔

۱۔ تاریخ طبری ج ۴/۵۱۔

پیغمبر خداؐ کی وفات

ترکوا رسول اللہ کما ھو..... و اسرعوا الی السقیفة

انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جنازہ کو زمین پر

چھوڑ کر خلیفہ منتخب کرنے کیلیۓ خود سقیفہ کی طرف دوڑ پڑے۔

مؤرخین

رسول خداؐ کی رحلت اور حضرت عمر کا اس سے انکار

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سوموار کی ظہر کو اس دنیا سے رحلت فرمائی، اس وقت عمر مدینہ میں[1] تھے اور ابوبکر "سنح" میں اپنے ذاتی گھر[2] پر تھے۔

عائشہ کہتی ہیں: "عمر اور مغیرۃ بن شعبہ اجازت حاصل کرنے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کمرے میں داخل ہوئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چہرے پر ڈالے گئے کپڑے کو اٹھا کر کنارے رکھدیا، عمر نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا اور چیخ کر کہا "آہ! رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم! انتہائی بیہوشی کے عالم میں پڑے ہیں!" اس کے بعد اٹھے اور

۱۔ سیرۃ ابن ہشام ج ۴ ص ۳۳۳۱ ۔ ۳۳۴ اور تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۴۲)

۲۔ ابوبکر کا گھر سنح میں تھا، سنح مدینہ کے مشرق میں ایک میل کے فاصلہ پر واقع تھا، انصار کے بنی حارث بھی وہیں سکونت کرتے تھے۔

کمرہ سے باہر چلے گئے۔

کمرے سے باہر آتے ہوئے مغیرہ نے حضرت عمر کی طرف مخاطب ہو کر کہا: ''اے عمر! خدا کی قسم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا سے رحلت فرمائی ہے''

عمر نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز مرے نہیں ہیں، لیکن تم ایک فتنہ گر ہو اس لئے ایسا کہتے ہو! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی نہیں مریں گے جب تک کہ منافقین کو نابود نہ کر کے رکھ دیں[1] عمر نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جو بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت کا ذکر کرتا تھا اسے قتل کرنے کی دھمکی دیتے ہوئے کہتے تھے:

''لوگوں میں سے بعض منافقین گمان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا سے رحلت فرمائی ہے، جبکہ ایسا نہیں ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں مرے ہیں بلکہ موسیٰ بن عمران کی طرح جو چالیس دن تک لوگوں سے غائب ہو کر پھر واپس لوٹے تھے اور لوگوں نے ان کے بارے میں کہا تھا کہ وہ مر گئے ہیں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے خدا کے ہاں چلے گئے ہیں اور خدا کی قسم وہ واپس لوٹیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر رکھ دوں گا جو یہ کہتے ہیں کہ آپؐ وفات کر گئے ہیں[2]

۱۔ یہ عبارت ابن سعد کی طبقات ج ۲ رق ۲/ ۱۵۴ سے نقل کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ متقی کنزل العمال ج ۴/ ۵۰، ذہبی نے اپنی تاریخ میں ج ۱/ ۳۷، ذینی دحلان نے حاسیۃ الحلیہ ج ۳/ ۳۸۹ میں، نہایۃ الارب ج ۱۸، ۳۹۹، مسند احمد ج ۶/ ۲۱۹ میں اس کو درج کیا ہے۔

۲۔ تاریخ یعقوبی ج ۲/ ۹۵، طبری ج ۲/ ۴۴۲، ابن کثیر البدایہ والنہایۃ ج ۵. ۲۴۴، تاریخ الخمیس ج ۲/ ۱۸۵ اور تیسیر الوصول ج ۲/ ۴۱۔

اس کے بعد بولے: جوبھی یہ کہے کہ آپ نے وفات پائی ہے، میں اس تلوار سے اس کا سر قلم کر کے رکھ دونگا[۱] رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان کی طرف گئے ہیں[۲] اس وقت ابن ام مکتوم[۳] نے مسجد النبیؐ میں حضرت عمر کیلئے اس آیت کی تلاوت کی:

''اور محمدؐ تو صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ کیا اگر وہ مرجائیں یا قتل ہوجائیں تو تم الٹے پیروں پلٹ جاؤ گے جوبھی ایسا کرے گا وہ خدا کا کوئی نقصان نہیں کرے گا خدا تو عنقریب شکر گزاروں کو ان کی جزا دے گا..[۴]

پیغمبر خداؐ کے چچا عباس نے بھی کہا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قطعی طور پر فوت ہو چکے ہیں اور میں نے ان کے چہرے پر وہی علائم وآثار مشاہدہ کئے ہیں جو فرزند عبدالمطلب کے چہروں پر موت کے وقت نمودار ہوتے ہیں''[۵]

۱۔ تاریخ ابوالفداء ج ۱۶۴۱، تاریخ ابن شحنہ کے حاشیہ الکامل ۱۱۲، سیرۂ زینی دحلان، ج ۳ ر ۳۹۰ میں لکھا گیا ہے کہ حضرت عمر نے کہا:'' جوبھی یہ کہے کہ محمد مرگئے ہیں میں اسپر تلوار چلاؤں گا'' اور اس کتاب کے صفحہ ۳۸۷ میں لکھتا ہے کہ: عمر ابن خطاب نے اپنی تلوار کو باہر کھینچ لیا اور جوبھی یہ کہتا تھا محمد فوت ہوئے ہیں اسے دھمکی دیتے تھے، اور صفحہ ۳۸۸ میں یوں آیا ہے: عمر نے تلوار کے دستہ کو ہاتھ میں پکڑ لیا اور کہا: میں کسی کی زبان سے یہ نہ سنوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرگئے ہیں ورنہ اس تلوار سے اس پر وار کرونگا۔

۲۔ جملۂ ''آسمان پر چلا گیا ہے'' تاریخ ابوالفداء ج ۱ر۱۶۴ سے نقل کیا گیا ہے

۳۔ ابن ام مکتوم کا نام عمر بن قیس تھا وہ اصحاب پیغمبرؐ میں سے تھے، اس کی زندگی کے حالات اس کتاب کے آخر میں بیان کئے گئے ہیں۔

۴۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ر ق ۷ ۵، کنز العمال ج ۴ر ۵۳ حدیث نمبر ۱۰۹۲ اور تاریخ ابن کثیر ج ۵ر ۲۴۳ ملاحظہ ہو نص آیت ﴿و ما محمّد إلا رسول قد خلت من قبله الرسل...﴾ آل عمران ۱۴۴ر

۵۔ ملاحظہ ہو تمہید باقلانی ص ۱۹۲۔۱۹۳

لیکن عمر اپنے کام سے باز نہ آئے، عباس ابن عبدالمطلب نے لوگوں سے پوچھا، "کیا تم میں سے کسی کو یاد ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی موت کے بارے میں کچھ فرمایا ہے؟ اگر اس سلسلے میں کوئی حدیث سنی ہو تو ہمارے لئے بیان کرو"

سب نے کہا: "نہیں" عباس نے عمر سے پوچھا، "کیا تم نے اس سلسلے میں پیغمبر خداؐ سے کچھ سنا ہے؟

عمر نے کہا: "نہیں"

اس وقت عباس نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا: اے لوگو! آگاہ رہو کہ ایک شخص نے بھی گواہی نہیں دی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی موت کے بارے میں اس سے کچھ فرمایا ہو[1] خدائے وحدہ لاشریک کی قسم کھا کر کہتا ہوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موت کا جام نوش کیا ہے لیکن عمر بدستور گرجتے ہوئے دھمکیاں دیتے رہے۔

عباس نے اپنے کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا: بے شک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر لوگوں کی طرح حوادث وآفات کا شکار ہو سکتے ہیں اور آپ وفات پا چکے ہیں لہذا ان کے بدن کو تاخیر کے بغیر سپرد خاک کرو کیا خداوند عالم نے تم لوگوں کو ایک بار موت سے دوچار کرتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوبار؟ آپ خدا کے یہاں اس سے زیادہ محترم ہیں کہ خدا انھیں دوبار موت کا شربت

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۲ رق ۲ / ۵۷، تاریخ ابن کثیر ج ۵ / ۲۴۳، سیرہ حلبیہ ج ۳ / ۳۹۰ ۔ ۳۹۱ اور کنز العمال ج ۴ / ۵۳ حدیث نمبر ۱۰۹۲،

پلائے۔ اگر تیری بات صحیح ہوتو، پھر بھی خدا کیلئے یہ امر مشکل نہیں ہے کہ آپ کے بدن سے مٹی ہٹا کر آپؐ کو مٹی کے نیچے سے باہر لائے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تب تک رحلت نہیں کی ہے جب تک آپؐ نے لوگوں کیلئے سعادت و نجات کی راہ ھموار نہ کردی[1] لیکن عمر اپنی بات کو اس قدر دہراتے رہے کہ اس کے ہونٹوں پر جھاگ پھیل گئی[2]

اس کے بعد سالم بن عبید[3] ابوبکر کو آگاہ کرنے کیلئے سنخ کی طرف روانہ ہوئے[4] اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی خبر انھیں پہنچا دی[5] ابوبکر مدینہ آئے اور دیکھا کہ عمر کھڑے ہوکر لوگوں کو دھمکیاں دے رہے ہیں[6] اور کہتے ہیں: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں آپ نہیں مرے ہیں! وہ پھر آئیں گے تا کہ ان لوگوں کے ہاتھ کاٹ دیں جو یہ کہتے ہیں کہ آپ مر گئے ہیں، آپ ایسے لوگوں کے سر قلم کریں گے، اور انھیں دار پر چڑھا دیں گے[7] عمر نے جب دیکھا کہ ابوبکر آرہے ہیں تو خاموش ہوکر اپنی جگہ پر بیٹھ گئے[8]

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۲/ ۵۳، کنزل العمال ج ۴/ ۵۳ حدیث نمبر ۱۰۹۰ اور حاشیہ الحلبیہ ج ۳/ ۳۹۰، میں طہران سے خلاصہ کے طور پر، تاریخ الخمیس ج ۲/ ۱۸۵، وص ۱۹۲ خلاصہ کے طور پر

۲۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۲/ ۵۳، کنزل العمال ج ۴/ ۵۳، تاریخ خمیس ج ۲/ ۱۸۵، السیرۃ الحلبیۃ ج ۳/ ۳۹۲۔

۳۔ بعض نے کہا ہے: عائشہ نے کسی کو بھیجا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت سے ان کو باخبر کیا،

۴۔ سالم اصحاب اور مسجد النبی میں اہل صفہ میں سے تھا

۵۔ تاریخ ابن کثیر ج ۵/ ۲۴۲ اور حاشیۃ الحلبیہ از زینی خلدون ج ۳/ ۳۹۰۔ ۳۹۱

۶۔ طبری ج ۲/ ۴۴۳، ابن کثیر ج ۵/ ۳۱۹، وابن ابی الحدید، ج ۱/ ۶۰۔

۷۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دن آپ کی موت پر شک کرنا عمر ابن خطاب کی خصوصیات میں سے ہے، کیونکہ مؤرخین نے ان کے علاوہ کسی اور کا نام نہیں لیا ہے جس نے وفات پیغمبر پر شک کیا ہو۔

۸۔ کنز العمال ج ۴/ ۵۳ حدیث نمبر ۱۰۹۲۔

ابوبکر نے خداوند عالم کی حمد وثنا کی اور کہا:

خدا کی عبادت کرنے والے جان لیں کہ خدا ہمیشہ زندہ ہے اور وہ کبھی نہیں مرے گا،

جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوجا کرتے ہیں وہ جان لیں کہ محمدؐ رحلت کر گئے ہیں،

اس کے بعد اس آیت کی تلاوت کی: ﴿و ما محمّد إلا رسول قد خلت من قبله الرسل ...﴾[1]

(وہی آیت جس کی ان سے پہلے ابن ام مکتوم نے عمر کیلئے تلاوت کی تھی)، عمر نے سوال کیا:

جو تم نے پڑھا، کیا وہ قرآن کی آیت ہے؟!

ابوبکر نے جواب میں کہا: جی ہاں[2]

عمر نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت کے بارے میں اپنی رائے کو نہ مغیرہ کی باتوں سے، نہ عمرا بن قیس کی قرآنی آیت کی تلاوت سے اور ان کے واضح طور پر رسول اللہ کی موت کی خبر دینے سے اور نہ پیغمبر خداؐ کے چچا عباس کی وضاحت طلبی اور استدلال سے اور نہ کسی دوسرے کے استدلال سے بدلا: ان سب کا کوئی احترام نہ کیا اور نہ ان کی باتوں کی قدر کی، جب ابوبکر آ کر بولے تو انھیں اطمینان ہوا اور خاموش ہوئے، بعد میں وہ خود اس قضیہ کے بارے میں حسب ذیل نقل کرتے تھے۔

''خدا کی قسم! جوں ہی میں نے سنا کہ ابوبکر اسی آیت کی تلاوت کر رہے ہیں تو میرے گھٹنے اس قدر سست پڑے کہ میں زمین پر گر گیا اور پھر سے اٹھنے کی ہمت نہ

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۲ رق ۲، ۵۴، تاریخ طبری ج ۲ / ۴۴۲. تاریخ ابن کثیر ج ۵ / ۲۱۹، اور سیرہ حلبیہ ج ۳ / ۳۹۲

۲۔ عمر کا یہ سوال کہ کیا یہ کتاب خدا ہے اور ابوبکر کا جواب طبقات ابن سعد سے نقل کیا گیا ہے۔

پڑی اور مجھے یقین ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات کر گئے ہیں [۱] وفات پیغمبرؐ سے عمر کیوں انکار کرتے تھے؟

کیا عمر حقیقت میں پیغمبر خداؐ کے ساتھ محبت کی شدت اور لگاؤ کی وجہ سے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھو دینے کے سبب غم واندوہ کے مارے تلوار کھینچ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت کی تائید کرنے والے مسلمانوں کو دھمکاتے تھے؟

کیا بعض مؤرخین کا یہ لکھنا درست اور صحیح ہے کہ عمر اس دن دیوانے ہو گئے تھے [۲] لیکن ایسا نہیں تھا، ہم جانتے ہیں کہ مطلب اس کے علاوہ کچھ اور ہی تھا، ہمارے خیال میں ابن ابی الحدید نے حقیقت کو درک کر کے بیان کیا ہے:

''عمر نے جب سمجھ لیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحلت کر گئے ہیں تو وہ اس امر پر ڈر گئے کہ امامت کے مسئلہ پر شورش اور بغاوت رونما ہو جائے گی اور انصار یا دیگر لوگ حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لیں گے، لہذا انہوں نے اس میں مصلحت سمجھی لوگوں کو بہر صورت اور ہر ممکن طریقے سے خاموش اور مطمئن کر دیں۔ اس سلسلے میں جو کچھ انھوں نے کہا لوگوں کو شک وشبہ میں ڈال دیا، اس کا مقصد ابو بکر کے آنے تک کا احترام اور اس کا دین اور حکومت کا تحفظ تھا [۳]

۱۔ سیرہ ابن ہشام ۴/۳۳۴، و۳۳۵، تاریخ طبری ج ۲/۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ابن کثیر ج ۵/۲۴۲، ابن اثیر، ج ۲/۱۹، ابن ابی الحدید ج ۱/۱۲۸، صفری الصفوہ ج ۱/۹۹ رخلاصہ کے طور پر کنزل العمال ج ۴/۴۵ حدیث نمبر ۱۰۵۳۔

۲۔ سیرہ حلبیہ ج ۳/۳۶۲ اور حاشیہ سیرہ ج ۳/۳۱۹۔

۳۔ شرح ابن ابی الحدید ج ۱/۱۲۹۔

ہماری نظر میں ابن ابی الحدید کا یہ کہنا کہ عمر امامت کے عہدہ پر انصار یا دوسروں کے غلبہ سے سے ڈرتے تھے، صحیح ہے، کیونکہ دوسروں کے زمرہ میں حضرت علی علیہ السلام تھے اور عمر کو خوف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خلافت کا قرعہ فال حضرت علی علیہ السلام کے نام کھل جائے کیونکہ اس زمانے میں خلافت کے امیدوار تین افرد سے زیادہ نہیں تھے۔

پہلے علی ابن ابیطالب علیہ السلام تھے کہ تمام بنی ہاشم ان کے طرفدار اور حامی تھے اور ابوسفیان بھی ان کا نام لیتا تھا اور زبیر ان کے حق میں تبلیغ کرتے تھے اور اسی طرح خالد بن سعید اموی، براء ابن عازب انصاری، سلمان، ابوذر، مقداد اور دیگر بزرگ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے سب علی علیہ السلام کی حمایت کرتے تھے[۱]

دوسرا سعد ابن عبادہ انصاری تھے جو انصار کے قبیلہ خزرج کا امیدوار تھے،

تیسرے ابوبکر تھے جس کی حمایت عمر، ابوعبیدہ، مغیرہ بن شعبہ اور عبدالرحمان بن عوف،[۲] کرتے تھے۔

لیکن سعد بن عبادہ خلافت کی کرسی تک نہیں پہنچ سکتے تھے، کیونکہ انصار میں سے قبیلہ اوس اس کا مخالف تھا اور مہاجر میں سے بھی کوئی ان کی بیعت کرنے کو آمادہ نہیں تھا۔ لہذا اگر ابوبکر کے حامی گروہ علی علیہ السلام کے خلاف بلا تاخیر بغاوت نہ کرتے، اور پیغمبر کی تجہیز و تکفین سے پہلے ہی قدم نہ اٹھاتے تو خلافت کا کام علی علیہ السلام کے حق میں تمام ہو چکا ہوتا، اگر علی علیہ السلام کو اس امر کی مہلت

دی جاتی کہ پیغمبر خدا کی تجہیز وتکفین کے کام کو اختتام تک پہنچا کر اس مجمع میں حاضر ہوتے تو مہاجرین، انصار اور تمام بنی ہاشم اور آل عبد مناف کے بعض افراد جو خلافت کو علی علیہ السلام کا مسلم حق جانتے تھے (کے ہوتے ہوئے ہرگز ابوبکر اپنے مقصد واور دیرینہ تمنا کو نہیں پہنچتے) حقیقت میں انہیں حالات کے پیش نظر عمر کے دل میں وہ خوف واضطراب پیدا ہوا تھا اور اس طرح کی اشتعال انگیزی کر رہے تھے، علماء اور دانشور بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ عمر کی تمام کوششیں اور کارکردگیاں اسی کا پیش خیمہ تھیں، خواہ رسول اللہ کی وفات کے بعد کہ آپؐ کی موت کا انکار کرنا خواہ رسول اللہ کی زندگی کے آخری لمحات میں جب آپؐ وصیت لکھنا چاہتے تھے قلم واور دوات دینے سے منع کرنا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور آنحضرتؐ کی مفارقت کا غم اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنازہ بغیر غسل وکفن مصیبت زدہ خاندان رسالت میں چھوڑ کر ابوبکر کیلئے بیعت لینے سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف دوڑیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انصار کے ساتھ جنگ وجدال کریں؟!

سقیفہ کی جانب

جب عمر وابوبکر کو یہ خبر ملی کہ انصار سقیفہ میں جمع ہوئے ہیں (اور یہ خبر ان کو اس وقت ملی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنازہ آپ کے گھر پر تھا اور تجہیز وتکفین کا کام ابھی اختتام کو نہیں پہنچا تھا)[1]

۱۔ سیرہ ابن ہشام، ج ۳۳۶/۴، ریاض النضرہ، ج ۱۶۳/۱، تاریخ الخمیس، ج ۱۸۶/۱، السقیفہ تالیف ابوبکر جوہری اور ابن ابی الحدید، ج ۱/۶)

عمر نے ابوبکر سے کہا: آ جاؤ! ذرا اپنے بھائی (انصار) کے پاس چلے جاتے ہیں اور دیکھ لیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

طبری کی روایت میں آیا کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام نہایت انہماک اور لگن کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ کی تجہیز و تکفین میں لگے ہوئے تھے کہ یہ دونوں بڑی سرعت سے انصار کی طرف چلے گئے، راستے میں ابوعبیدہ جراح کو دیکھا اور تینوں ایک ساتھ ہو گئے..[1]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی حالت میں رکھ کر دروازے کو ان پر بند کر کے[2] سقیفہ کی طرف دوڑ پڑے[3]

انصار کا گروہ خلافت کے موضوع پر مشورت اور گفتگو کرنے کیلئے پہلے ہی سقیفہ میں جمع ہوا تھا، مہاجرین کے چند افراد بھی ان سے جا ملے، اس طرح پیغمبر کے رشتہ داروں اور اعزہ کے علاوہ کوئی آپ کی تجہیز و تکفین کیلئے باقی نہ بچا تھا، صرف یہی لوگ تھے جنہوں نے آپ کی تجہیز و تکفین کی ذمہ داری لی تھی[4]

۱۔ تاریخ طبری ج ۴۵۶/۲ اور الریاض النضرۃ نے بھی ان تین افراد کے باہم سقیفہ جانے کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ یہ جملہ ''دروازہ کو ان پر بند کر دیا'' البدء والتاریخ ج ۱۶۵/۵ میں ہے اور سیرہ ابن ہشام ج ۳۳۶/۴ میں یوں آیا ہے: ''وقد اغلق دونہ الباب اھلہ'' تاریخ الخمیس ج ۱۸۶/۱ اور الریاض النضرۃ ج ۱۶۳/۱ میں بھی ایسا ہی آیا ہے

۳۔ جملہ: سقیفہ کی طرف دوڑ پڑے'' کو البدء والتاریخ سے نقل کیا گیا ہے۔

۴۔ مسند احمد ج ۱۰۴/۴۔۱۰۵ تفصیل سے مسند ابن عباس میں نقل کیا ہے اور ابن کثیر ج ۲۶۰/۵ اور صفوۃ الصفوۃ ج ۵/۱، تاریخ الخمیس ج ۱۸۹/۱، طبری ج ۴۵۱/۲، اور ابن شحنہ نے حاشیہ کامل کے ص ۱۰۰ خلاصہ کے طور پر، ابوالفدا ء ج ۱۵۲/۱، اسد الغابہ ج ۳۴/۱ میں الفاظ میں تھوڑا کچھ اختلاف کے ساتھ، العقد الفرید ج ۶۱/۳، تاریخ الذھبی ج ۳۲۱/۱، طبقات ابن سعد ج ۲/ق ۷۰/۲، تاریخ یعقوبی ج ۹۴/۲، البدء والتاریخ ج ۶۸/۵، التنبیہ والاشراف مسعودی ص ۲۴۴ اور نہایۃ الارب ج ۳۸۹/۱۸۔۳۹۱۔ ان تمام مؤرخین نے صراحت سے کہا ہے کہ صرف خاندان رسالت نے تجہیز و تکفین کا کام انجام دیا، جو عبارت انھوں نے نقل کی ہے وہ عبارت مسند ابن احمد سے لی گئی ہے۔

ابوذویب ھذلی۵۔۔جو اس دن مدینہ پہنچا تھا۔۔۔کہتا ہے:

''جس وقت میں مدینہ پہنچا، میں نے شہر کو نالہ وزاری کی اس حالت میں دیکھا جب لوگ حج کیلئے احرام باندھتے ہیں، میں نے پوچھا، کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: پیغمبر رحلت فرما گئے ہیں، میں مسجد کی طرف دوڑا لیکن مسجد کو خالی پایا اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کی طرف دوڑا، لیکن وہاں پر دروازہ کو بند پایا، میں نے سنا کہ اصحاب رسول نے جنازہ کو خاندان رسالت میں تنہا چھوڑا ہے، میں نے سوال کیا؛ لوگ کہاں ہیں؟ جواب دیا گیا: وہ سقیفہ میں انصار کے پاس چلے گئے ہیں۶

جی ہاں: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز وتکفین کا کام انجام دینے کیلئے خاندانِ رسالت کے علاوہ کوئی اور نہ رہا تھا، یہ لوگ یہ ہیں: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا، عباس بن عبدالمطلب، علی ابن ابیطالب علیہ السلام، فضل بن عباس، اسامہ بن حارثہ اور اس کا غلام صالح، علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرمؐ کے جسم سے کرتا اتارا، جسم نازنین کو اپنے سینے سے لگا لیا، عباس، فضل اور قشم بدن کے کروٹ بدلنے میں علی علیہ السلام کی مدد کرتے تھے، اسامہ اور صالح پانی ڈالتے تھے اور علی علیہ السلام پیغمبرؐ کے بدن مبارک کو غسل دیتے تھے، اوس بن خولی انصاری بھی ان کے پاس آیا لیکن کوئی کام انجام نہیں دیا۔

۵۔ابوذویب بادیہ میں رہتا تھا جب اس نے سنا کہ پیغمبرؐ بیمار ہوئے ہیں تو مدینہ آیا، اس کی زندگی کے حالت آئندہ بیان ہوں گے۔

۶۔سقیفہ کے بارے میں ابوذوب کا بیان کتاب استیعاب ج ۲/ص ۲۴ اواسد الغابہ ج ۵/۱۸۸ اس نقل کیا ہے، اور اصابہ میں ج ۴/۳۸۸ میں بھی ذکر آیا ہے۔

پیغمبر خداؐ کی تدفین سے پہلے خلافت کے امیدوار

یاعلیؑ امدد یدک ابایعک یبایعک الناس

اے علیؑ! اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں آپ کی بیعت کروں اور سب لوگ تیری بیعت کریں۔

پیغمبر اکرم کے چچا، عباس

فابیٰ ان یمد یدہ للبیعة و الرسول مسجیٰ بین ایدیھم

علی علیہ السلام نے اس حالت میں بیعت قبول کرنے سے انکار کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنازہ ان کے سامنے زمین پر پڑا ہو...

مؤرخین

خلافت کا پہلا امیدوار

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار اور اصحاب، رسول اللہؐ کی تجہیز و تکفین کو اختتام تک پہنچانے سے پہلے ہی خلافت کیلئے بیعت لینے کی تلاش میں لگ گئے، یہ تین گروہ تھے اور ہر گروہ

اپنے سردار کو خلافت کیلئے امیدوار کے عنوان سے پیش کرتا تھا۔ پہلے امیدوار علی ابیطالب علیہ السلام تھے۔

ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ عباس نے علی علیہ السلام سے کہا:

''اپنے ہاتھ کو بڑھایئے میں بیعت کروں گا تاکہ اور لوگ بھی آپؑ کی بیعت کریں''[۱]

مسعودی کی روایت میں یوں آیا ہے:

''اے میرے چچیرے بھائی: آیئے میں آپ کی بیعت کروں گا تاکہ دو آدمی بھی آپ کی بیعت کی مخالفت نہ کرسکیں''[۲]

ذہبی اور دوسروں کی روایت میں یوں آیا ہے:

اپنے ہاتھ آگے بڑھایئے میں آپ کی بیعت کروں گا اور لوگ کہیں گے کہ پیغمبر کے چچا نے پیغمبرؐ کے چچیرے بھائی کی بیعت کی ہے اس وقت آپ کے خاندان کے سب لوگ آپ کی بیعت کریں گے اور بیعت کا کام ایسے انجام پائے گا اور کوئی اس میں رخنہ نہیں ڈال سکے گا[۳]

جوہری کی روایت میں آیا ہے کہ بعد میں عباس، علی علیہ السلام کی سرزنش کرتے ہوئے کہتے تھے:

''جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی تو ابوسفیان بن حرب اسی وقت ہمارے پاس آیا اور کہا ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے تھے۔ میں نے تجھ سے کہا

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۲/ ۳۸

۲۔ مسعودی کی مروج الذہب ج ۲/ ۲۰۰، تاریخ ذہبی ج ۱/ ۳۲۹، ضحیٰ الاسلام ج ۳/ ۲۹۱ اور الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ ج ۱/ ۴۔

۳۔ تاریخ السلام ج ۱/ ۳۲۹

اپنے ہاتھ کو بڑھاؤ تا کہ میں تیری بیعت کروں اور یہ شیخ (قبیلہ کا سردار) بھی بیعت کرے گا۔ یقیناً اگر ہم دو آدمی آپ کی بیعت کرلیں گے تو عبد مناف کی اولاد میں سے ایک آدمی بھی مخالفت نہیں کرے گا اور جب بنی عبد مناف آپ کی بیعت کرلیں گے تو قریش سے کوئی مخالفت نہیں کرے گا اور جب قریش آپ کی بیعت کرلیں گے تو عربوں میں سے ایک شخص بھی آپ کی مخالفت نہیں کرے گا۔

تو آپ نے جواب میں کہا: ہم اس وقت رسول اللہ کے جنازہ کی تجہیز میں مصروف ہیں''[1]

طبری کی روایت میں یوں آیا ہے:

''میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے بعد چاہا تھا کہ آپ اس کام میں عجلت کریں لیکن آپ نے اس سے پرہیز کیا....''[2]

عباس اور ابوسفیان کے علاوہ اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں سے چند دیگر افراد بھی علی علیہ السلام کے حق میں کام کرتے تھے اور اس کی بیعت کے حامی تھے. لیکن علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جنازہ کی تجہیز کے سبب خلافت کی فکر کو ذہن سے نکال دیا تھا اور وہ راضی نہیں ہوئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جنازہ گھر میں چھوڑ کر خود اپنی بیعت کے پیچھے پڑیں، اسی وجہ سے عباس بعد میں ان کی ملامت کرتے تھے کہ کیوں انہوں نے اپنے لئے بیعت لینے سے انکار کیا، حقیقت میں نہ عباس کا نظریہ صحیح تھا اور نہ انکی سرزنش بجا تھی! کیونکہ

۱۔ جوہری کی روایت کو ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ ج ۱/۱۳۱ میں کتاب سقیفہ سے نقل کیا ہے اور ۵۴ پر بھی خلاصہ کے طور پر درج کیا ہے اور ج ۹ میں خطبۂ ومن کلام لہ خاطب بہ اھل البصرہ کی شرح میں اور ج ۱۱ میں بھی نقل کیا ہے۔

۲۔ طبری ج ۳/۲۹۴، العقد الفرید ج ۳/۷

اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچیرے بھائی کو ولایت پر معین فرمایا تھا (چنانچہ بعض مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے) تو بیعت کرنے یا نہ کرنے سے علی علیہ السلام کے حق میں سے کوئی چیز کم نہیں ہوتی۔

اگر مسلمان پیغمبرؐ کی مرضی کو پورا کرنا چاہتے تو آپ پر ھذیان بکنے کی تہمت نہیں لگاتے ..

فرض کریں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت اور پیروؤں کے اس کام میں لا پروائی اور غفلت کی ہے (جیسا کہ مسلمانوں کے ایک گروہ کا یہی عقیدہ ہے) تو عباس کو یہ حق نہیں تھا کہ اس تدبیر سے انتخاب کے حق کو دوسروں سے چھین لیں۔ بہر حال اگر علیؑ اس دن اپنے چچا کی نصیحت کو مانتے، تو ابوبکر کی بیعت کو غلط کہنے[۱] والے علی علیہ السلام کے بارے میں بھی یہی اظہار نظر کرتے، اس وقت مخالفین ایک ایسی جنگ کی آگ کو بھڑکاتے جو برسوں تک نہ بجھ پاتی، کیونکہ وہ ایسے افراد تھے جو ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ نبوت وخلافت دونوں کا افتخار بنی ہاشم کو ملے۔

ابن عباس نے روایت کی ہے:

"حضرت عمر نے مجھ سے پوچھا: کیا آپ جانتے ہیں کہ محمدؐ کے بعد کس چیز نے لوگوں کو آپ سے دور کیا، میں نے جواب میں کہا: اگر نہیں جانتا ہوں تو امیر المؤمنین مجھے آگاہ کریں گے، کہا: وہ نہیں چاہتے تھے کہ نبوت اور خلافت آپ میں جمع ہو جائے اور اس پر فخر ومباہات کریں"[۲]

ان باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے سینوں میں کس حد تک کینہ کی آگ تھی کہ (غدیر اور

۱۔ ہم ابوبکر کی بیعت کے بارے میں عمر کے نظریہ کو بعد میں لکھیں گے جس میں عمر نے ابوبکر کی بیعت کو لغزش سے تعبیر کیا ہے)

۲۔ اس روایت کے باقی حصہ کو طبری سے اس وقت بیان کریں گے جب ابوبکر کی بیعت کے بارے میں ابن عباس کا نظریہ پیش کریں گے۔

دوسری جگہوں پر) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اقرار اور یاددہانی بھی اس آگ کو بجھا نہ سکی بلکہ اس کو کچھ اور ہی ہوا دے دی، اس لحاظ سے علی علیہ السلام اپنے امور اپنے چچا عباس سے دور اندیش تر اور آپ کی نظر عمیق تر تھی، اس کے علاوہ حضرت علی علیہ السلام ہرگز حاضر نہ تھے کہ ان کی بیعت گھر میں مخفیانہ طور پر کی جائے اور لوگوں کو اس کے مقابلہ میں کھڑے ہونے کی فرصت مل جائے جیسا کہ آپ نے عثمان کے قتل ہونے کے بعد بھی ایسی بیعت سے انکار کیا تھا[1]

ان سب چیزوں کو نظر انداز کرتے ہوئے، کیا علی علیہ السلام (جو پیغمبر خدا کی نظروں میں برگزیدہ ترین شخصیت تھے) کیلئے سزاوار تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت گزشتہ فداکاریوں اور عشق و محبت کے باوجود آپ کے جنازہ کو دوسروں کی طرح بے غسل و کفن چھوڑ کر اپنی بیعت لینے کیلئے دوڑ پڑیں؟!! علی علیہ السلام کے پاک ضمیر اور پیغمبرؐ کے عشق و محبت سے لبریز دل سے کبھی اس چیز کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔

خلافت کا دوسرا امیدوار

انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر کہا: ہم اس کام کی باگ ڈور کو محمد کے بعد سعد بن عبادہ کے ہاتھ سونپتے ہیں اور سعد کو بیمار حالت میں سقیفہ لے آئے....

سعد نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد دین اسلام کی نصرت میں انصار کی پیش قدمی اور اسلام میں ان کی برتری کی طرف اشارہ کیا، اس کے علاوہ انصار کے بارے میں پیغمبر خدا اور آپؐ کے اصحاب کا

احترام ان کے جہاد میں حصہ لینے اور عربوں کو صحیح راستے پر لانے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان سے راضی حالت میں دنیا سے رخصت ہونے تک بیان کیا، اس کے بعد کہا:

اس کا راہ حل آپ لوگوں کو تلاش کرنا چاہئے نہ دوسروں کو، سب نے ایک زبان ہوکر جواب دیا: آپ کے خیال کی ہم تائید کرتے ہیں اور آپ کی بات صحیح ہے، ہم آپ کی رائے کی ہرگز مخالفت نہیں کریں گے اور ان امور کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں دیدیں گے، اس کے بعد گفتگو اور کچھ مذاکرات ہوئے۔

گفتگو کے آخر میں انہوں نے پوچھا: اگر قریش کے مہاجرین نے اسے قبول نہیں کیا اس خیال میں کہ ہم مہاجر، رسول خداؐ کے اصحاب اور ان کے دوست اور رشتہ دار ہیں لہذا ان کے بعد اس امر میں اختلاف مناسب نہیں ہے تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

بعض لوگوں نے کہا: اگر ایسا اعتراض ہو تو ہم جواب میں کہیں گے: ایک امیر آپ میں سے اور ایک امیر ہم میں سے چنا جائے۔

سعد بن عبادہ نے کہا: یہ بذات خود ہماری پہلی شکست ہوگی[1]

تیسرا امیدوار، یا کامیاب امیدوار

سقیفہ میں انصار کے جمع ہونے اور ان کی گفتگو کی خبر ابوبکر اور عمر کو پہنچی، تو دونوں ابوعبیدہ جراح

۱۔ تاریخ طبری ج ۳/ ۴۵۶ میں ضمن حوادث ۱۱ھ، تاریخ ابن اثیر ج ۲/ ۲۲۲، الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبۃ ج ۱/ ۵، جوہری سقیفہ میں ابن ابی الحدید سے روایت کرکے ج ۶. میں شرح خطبہ وعن کلام لہ فی معنی الانصار ہیں۔

کہ ہمراہ بغیر کسی تاخیر کے سقیفہ کی طرف روانہ ہوئے۔

انصار کے بنی عجلان طائفہ سے اسید بن حضیر[۱]، عویم بن ساعدہ، عاصم بن عدی، مغیرہ بن شعبہ و عبدالرحمان بن عوف بھی ان سے جا ملے۔

ان لوگوں نے خصوصی طور پر اس دن ابوبکر کی بیعت کیلئے انتہائی تگ و دو کی اور قابل ذکر خدمات انجام دئے، لہذا دونوں ہی خلیفہ ابوبکر اور عمر ہر وقت ان کی خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کا خیال رکھتے تھے۔

ابوبکر انصار میں سے کسی ایک کو بھی اسید بن حضیر پر ترجیح نہیں دیتے تھے اور عمر اسے اپنا بھائی کہتے تھے اور اس کے مرنے کے بعد یہ کہتے تھے کہ وہ میرا حق شناس تھا۔

عویم جب مر گیا تو عمر نے اس کی قبر پر بیٹھ کر کہا: روئے زمین پر کوئی بھی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اس صاحب قبر سے بہتر ہوں''

ابوعبیدہ کو مشرقی روم کے بادشاہ سے لڑنے کیلئے بھیجا گیا نیز اسے لشکر کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔ عمر نے جس وقت اپنا خلیفہ اور جانشین معین کر رہے تھے تو اس کی موت پر افسوس کر رہے تھے کیونکہ اسے اپنے بعد مسلمانوں کا خلیفہ بنانا چاہتے تھے لیکن وہ تو عمواس نامی طاعون ہی میں فوت کر چکا تھا۔

دوسرے خلیفہ نے مغیرہ بن شعبہ کیلئے کافی تگ و دو کی تھی نیز اس پر زنا کی حد جاری نہیں ہونے دیا۔

۱۔ سیرہ ابن ہشام ج ۳۳۵/۴

اوراس کا نام ہمیشہ گورنروں کی فہرست میں ہوا کرتا تھا عمر نے عبدالرحمان بن عوف کا احترام کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی اوراپنے مرنے کے بعد تعیین خلافت کی کنجی اس کے حوالہ کردی۔

یہ وہ بزرگ شخصیتیں تھیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ کو آپؐ کے خاندان والوں میں چھوڑ کو خود سقیفہ کی طرف دوڑ پڑیں اور انصار سے حکومت اور فرمانروائی کے مسئلہ پر برسر پیکار ہو گئے اور حضرت ابو بکر کے طرفدار ہو کر اس کی بیعت کی، اس طرح سے ابو بکر نے خلافت کی گیند میدان خلافت میں دوسرے امیدواروں سے چھین لی۔

آئندہ فصول میں انشاءاللہ اسکی تفصیلات آئیگی.

سقیفہ میں ابوبکر کی بیعت

لا نبایع الا علیاً

ہم علی علیہ السلام کے سوا اور کسی کی بیعت نہیں کریں گے

انصار کا ایک گروہ

سقیفہ میں خلافت پر ہنگامہ

ہم کہہ چکے ہیں کہ رسول خداؐ کے اکابر اصحاب آپ کے جنازہ کو چھوڑ کر سقیفہ میں چلے گئے تا کہ آپ کا کسی کو جانشین معین کریں اور اس سلسلے میں ہر گروہ نے اپنی رای کا ظہار کیا اور ہر کوئی کسی نہ کسی کو امیدوار کی حیثیت سے خلفہ نامزد کرتا اور اس کی حمایت کا اعلان کرتا تھا بات کچھ اتنی آگے بڑھی کہ نزاع اور کشمکش کی حد تک پہنچ گئی، ان میں سے کچھ لوگ ابوبکر کی حمایت کرتے تھے کہ جن میں سرفہرست عمر تھے وہ لوگوں کو ابوبکر کی بیعت کرنے کیلئے ترغیب دلاتے اور اس کے مخالفوں کو دھمکیاں دیتے تھے۔ اس وقت ابوبکر نے کھڑے ہو کر عمر کو خاموش کرایا۔ خدا کی حمد و ثنا بجالائے اور مہاجرین کے افتخارات اور کارگردیوں کو بیان کرنے کے بعد کہا؛ لوگو! مہاجرین وہ افراد ہیں جنھوں نے روئے زمین پر سب سے پہلے خدا کی پرستش کی ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لائے ہیں وہ

پیغمبر کے دوست اور اعزہ ہیں۔ وہ پیغمبرؐ کے بعد خلافت کیلئے سزاوار تر ہیں اور افضل ہیں۔ اس سلسلے میں ظالم کے سوا کوئی ان کی مخالفت اور ان سے جھگڑا نہیں کرے گا۔

اس کے بعد ابوبکر نے انصار کی فضیلت بھی بیان کی اور اپنی بات یوں جاری رکھی:

مہاجرین: جو اسلام میں سبقت حاصل کرنے کا افتخار رکھتے ہیں۔۔ ہمارے پاس آپ کے مقام و منزلت کے برابر کوئی نہیں ہے، لہذا اس حساب سے ہم امیر ہیں اور آپ وزیر

حباب بن منذر اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا: ''اے انصار! حکومت کی باگ ڈور کو مضبوطی سے پکڑ لو تا کہ دوسرے آپ کی حکومت کے ماتحت زندگی گزاریں اور کسی کو آپ کی مخالفت کی جرأت نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ آپس میں اختلاف پیدا ہو ورنہ دشمن اس سے فائدہ اٹھا کر آپ کی رائے کو بے کار کر دے گا اور آپ لوگوں کی شکست قطعی ہو جائے گی۔ یہ لوگ اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکیں گے جو تم نے سنا ہم اپنے لئے ایک امیر کا انتخاب کریں گے اور وہ بھی اپنے لئے ایک امیر کا انتخاب کر لیں۔

عمر نے کہا: ایک خط پر دو پادشاہ حکومت نہیں کر سکتے، خدا کی قسم عرب ہرگز اس پر راضی نہیں ہوں گے کہ تم لوگ ان پر حکومت کرو جب کہ ان کا پیغمبر آپ لوگوں میں سے نہیں ہے، لیکن عربوں کیلئے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ حکومت ان کے ہاتھ میں ہے جن میں سے پیغمبر بھی ہیں۔

ہم اپنے اس دعویٰ کے بارے میں ایک واضح دلیل اور روشن مآخذ کے مالک ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پادشاہی اور اس کی حکومت کی وراثت کے بارے میں ہم سے کون مقابلہ کر سکتا

ہے؟ چونکہ ہم ان کے دوست اور قبیلہ والے ہیں[۱]

مگر یہ کہ اپنے آپ کو کسی باطل راستہ پر لگادے یا خود کو کسی گناہ میں آلودہ کیا ہو، خود کو ہلاکت کے بھنور میں ڈال دیا ہو۔

حباب بن منذر دوبارہ اپنی جگہ سے اٹھا اور بولا: اے انصار! رک جاؤ اور اس شخص اور اس کے دوستوں کی باتوں پر کان نہ دھرو، یہ تم لوگوں کا حق تلف کریں گے اور اس کام میں آپ کو نقصان پہنچائیں گے، لہذا اگر انہوں نے آپ لوگوں کی تجویز کی مخالفت کی تو انھیں اس شہر سے جلا وطن کردو اور حکومت کی باگ ڈور کو اپنے ہاتھوں میں لے لو خدا کی قسم اس کام کیلئے مستحق ترین افراد تم لوگ ہو، یہ وہ افراد ہیں جو ہرگز حاضر نہ تھے اس دین کو قبول کریں انہوں نے تمہاری تلواروں کے خوف سے ہتھیار ڈالے ہیں۔

میں تمہارے درمیان اس لکڑی کے مانند ہوں جو اونٹوں کے اصطبل میں رکھی جاتی ہے تا کہ کھجلی آنے پر اونٹ اپنے بدن کو اس کے ساتھ رگڑ لیں (یہ اس بات کی طرف کنایہ ہے کہ مشکل اوقات میں میرے مشورہ کا سہارا لیں) اور اس مضبوط درخت کے مانند ہوں کہ طوفان کے حوادث

۱۔ جب علی علیہ السلام نے اس استدلال کو سنا تو فرمایا: انہوں نے نبوت کے درخت سے استدلال کیا ہے جبکہ اس درخت کے میوہ کو بھول گئے (احتجوا بالشجرة و اضاعوا الثمرة) مہاجرین اس بنا پر خلافت کو اپنا حق جانتے تھے کہ وہ قریش میں سے ہیں اور پیغمبر کے رشتہ دار ہیں انصار پیغمبر کے رشتہ دار نہیں تھے اس لئے ان کو خلافت کا حقدار نہیں سمجھتے تھے، علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے فرمایا: آپ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار ہونے کے ناطے اپنے آپ کو خلافت کا حقدار سمجھتے ہیں تو پھر کیوں ان لوگوں کو بھلائے بیٹھے ہو جو اس درخت کے میوے اور پیغمبر کے رشتہ دار ہیں۔

حوادث میں لوگ اس کے نیچے پناہ لیتے ہیں ۔ بڑے بڑے کاموں کے بارے میں مجھ پر بھروسہ کرتے ہیں اور میری طاقت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، خدا کی قسم اگر چاہتے ہوتو ہم جنگ کے شعلوں کو پھر سے بھڑکا دیتے ۔ خدا کی قسم جو بھی ہماری تجویز کی مخالفت کرے گا میں اپنی تلوار سے اس کی ناک کاٹ کر اسے ذلیل خوار کردوں گا۔

عمر نے کہا: پھر تو خدا تجھے موت دے!

اس نے جواب میں کہا: خدا تجھے موت دے'' عمر نے اسے پکڑ کر اس کے پشت پر ایک لات ماری اور اس کے منہ کومٹی سے بھر دیا [۱]

اس کے بعد ابوعبیدہ نے جھلّاتے ہوئے بولنا شروع کیا: اے انصار کی جماعت! ''تم پیغمبر خدا کے سب سے پہلے یار اور حامی تھے، اس وقت تم لوگ تبدیلی لانے والوں میں پہل نہ کرو!

اس اثناء میں، بشیر بن سعد خزرجی، (نعمان بن بشیر کا باپ جو خزرج کے سرداروں میں شمار ہوتا تھا سعد بن عبادہ اور اسکے درمیان دیرینہ حسادت [۲] بھی تھی) اپنی جگہ سے اٹھا اور کہا:

اے انصار کی جماعت!

خدا کی قسم اگر چہ ہم مشرکین سے جہاد کرنے اور ترویج دین میں طولانی سابقہ رکھنے

۱۔ جملہ ''اسے پکڑ کر....'' جوہری کی سقیفہ کی روایت میں ہے، ملاحظہ ہو شرح ابن ابی الحدد ج ۶ / ۲۹۱

۲۔ جملہ سابقہ حسادت'' تا آ کر، کو جوہیر نے کتاب سقیفہ میں نقل کیا ہے ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۶، ومن کلام لہ فی منی الانصار'' کی تشریح میں)

میں صاحب فضیلت ہیں، لیکن خدا کی خوشنودی، پیغمبر خدا کی فرمانبرداری اور اپنے لئے مشکلات برداشت کرنے کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں رکھتے تھے، لہذا شائستہ نہیں ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے غرور کے ساتھ پیش آئیں ہمارا مقصد دنیوی آبرو حاصل کرنا نہیں تھا اور یہ خدا کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جو ہمیں عطا ہوئی ہے، محمدؐ قریش کے خاندان سے ہیں اور آپ کے رشتہ دار آپ کے وارث اس کے زیادہ حقدار ہیں، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں خداوندا ہرگز ہمیں اس کام میں ان سے لڑتے ہوئے نہیں دیکھے گا، تم لوگ بھی خدا سے پناہ مانگو اوران سے مخالفت اور جنگ نہ کرو۔

ابوبکر نے کہا: عمر اور ابوعبیدہ یہاں پر حاضر ہیں ان میں سے جس کی بھی چاہو، بیعت کرو۔

عمر اور ابوعبیدہ نے ایک زبان ہوکر کہا: خدا کی قسم آپ کے ہوتے ہوئے ہم ہرگز ایسا اقدام نہیں کریں گے[1]

عبدالرحمان بن عوف نے اپنی جگہ سے اٹھ کر یوں کہا: اے انصار کی جماعت! اگرچہ اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہئے کہ آپ لوگوں کی بہت فضیلت ہے، لیکن اس کے باوجود اس امر سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی ہے کہ آپ لوگوں میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور علی علیہ السلام، کے مانند لوگ نہیں پائے جاتے۔

۱۔ ہم نے اختصار کی وجہ سے اس گفتگو کا باقی حصہ اور اس پر اپنی تفسیر لکھنے سے اجتناب کیا ہے۔

منذر بن ارقم اٹھا اور اس کے جواب میں یوں بولا: ہم مذکورہ اشخاص کے فضل سے انکار نہیں کرتے خاص کر اگر ان تین اشخاص میں سے کوئی ایک فرد حکومت کی باگ ڈور سنبھالے تو ایک فرد بھی اس کی مخالفت نہیں کرے گا اس کا مقصود علی ابن ابیطالب علیہ السلام تھا[۱]

اس وقت تمام انصار یا ان میں سے ایک جماعت نے بلند آواز میں کہا: ہم علی علیہ السلام کے سوا کسی اور کی بیعت نہیں کریں گے۔

طبری اور ابن اثیر نے نقل کیا ہے:[۲] جب عمر نے ابوبکر کی بیعت کی تو اس وقت انصار نے کہا: ہم علی علیہ السلام کے سوا کسی اور کی بیعت نہیں کریں گے۔

زبیر بن بکار کہتا ہے:[۳]

جب انصار کو خلافت نہ ملی تو انہوں نے کہا کہ: ہم علی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کی بیعت نہیں کریں گے۔

حضرت ابوبکر کی بیعت میں ایک عجیب سیاست

عمر اس داستان کو نقل کرتے اس طرح کہتے ہیں: ''اس قدر شور مچا مجھے ڈر لگنے لگا کہ کہیں

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲/ ۱۰۳:

و ان فیھم رجلاً لو طلب ھذا الامر لم ینازعه فیه احد، یعنی علیّ ابن ابیطالب علیه السلام)

۲۔ طبری ج ۲/ ۴۴۳، اور ابن اثیر ج ۲/ ۲۲۰،

۳۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۶ میں کتاب موفقیات سے یہ روایت نقل کی گئی ہے اور ج ۲/ ۱۲۲ میں بھی اس روایت کو نقل کیا ہے)

اختلاف پیدا نہ ہو، میں نے ابو بکر سے کہا: اپنے ہاتھ کو آگے بڑھایئے تا کہ آپ کی بیعت کروں![1]

ایک دوسری روایت میں عمر سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے کہا:

''ہم ڈر گئے کہ اگر اس اجتماع میں بیعت نہ لی جائی تو لوگ منتشر ہو جائیں گے، اور ان سے بیعت لینے کا موقع ہاتھ نہیں آئے گا اور کسی اور کی بیعت ہو جائے گی اور اس وقت ہم مجبور ہو جائیں گے کہ اپنی مرضی کے خلاف کسی اور کی بیعت کریں یا اس کی مخالفت کریں اور ایک دوسرا فتنہ پیدا ہو جائے۔

عمر اور ابو عبیدہ بیعت کرنے کے ارادہ سے ابو بکر نے آگے بڑھے لیکن اس پہلے کہ ان کے ہاتھ ابو بکر کے ہاتھ تک پہنچ جائیں بشیر بن سعد نے ان پر سبقت لے لی اور آگے بڑھ کر ابو بکر کی بیعت کر لی۔

حباب بن منذر نے چلا کر کہا: اے بشیر بن سعد! اے بد بخت! تم نے قطع رحم کیا، تم نہیں دیکھ سکے کہ تیرا چچیرا بھائی حاکم مقرر ہو؟

بشیر نے کہا: ''خدا کی قسم ہرگز ایسا نہیں ہے، لیکن میں نہیں چاہتا کہ ایک ایسی جماعت سے بر سر پیکار ہو جاؤں جن کیلئے خداوند عالم نے ایک حق قرار دیا ہے''

قبیلۂ اوس کے بعض بزرگوں نے جن میں اسیر بن حضیر بھی شامل تھا جب بشیر کو ابو بکر کی

۱۔ سیرہ ابن ہشام ج ۴/ ۲۳۶ اور تمام موخین جنہوں نے بیعة ابی بکر کانت فلتة کی روایت کو نقل کیا ہے اس جملہ کو روایت کیا ہے، اس کے علاوہ تاریخ ابن اثیر ج ۵/ ۲۴۶ ہم ڈر گئے کہ دوسرا فتنہ نقل کیا ہے۔

بیعت کرتے دیکھا اور قریش کی دعوت کو سنا خزرج والوں کی ان باتوں کے بھی شاہد تھے جو سعد بن عبادہ کو منتخب کرنا چاہتے تھے انھوں، نے کہا: خدا کی قسم! اگر چہ قبیلہ خزرج والے اس کام کی باگ ڈور ایک بار بھی اپنے ہاتھ میں لے لیں اور آج اس حساس موقع پر وہ کامیاب ہو جائیں تو ہمیشہ کیلئے وہ اس فضیلت کے مالک بن جائیں گے اور ہرگز تم لوگوں کو یہ فضیلت نصیب نہ ہوگی ،لہذا جتنا جلد ممکن ہو سکے اٹھ کر ابوبکر کی بیعت کرو۔

ابوبکر جوہری نے کتاب سقیفہ میں نقل کیا ہے: ''جب قبیلۂ اوس نے قبیلۂ خزرج کے ایک سردار کو ابوبکر کی بیعت کرتے دیکھا تو اسید بن حضیر جو قبیلۂ خزرج کا ایک سردار تھا نے سعد بن عبادہ کی کامیابی کو روکنے کیلئے فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر ابوبکر کی بیعت کی[۱] خزرج کے کام میں اوس کی کارشکنی اور رخنہ اندازی کے بعد لوگ جوق در جوق اٹھے اور ہر طرف سے آگے بڑھ کر ابوبکر کی بیعت کرنے لگے اور کہا جاتا ہے کہ ایک ایسا ہجوم ہوا کہ قریب تھا سعد بن عبادہ پیروں تلے دب جائے۔

تاریخ یعقوبی میں یوں آیا ہے:

''لوگ ابوبکر کی بیعت کرنے کیلئے سعد اور اس کیلئے بچھے فرش پر اس طرح دوڑے کہ قریب تھا وہ کچل جائے جو لوگ سعد کے اطراف اور حوالی موالی میں شمار ہوتے تھے چلائے احتیاط سے کام لو ورنہ سعد دب جائیں گے۔

۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۶ رمیں و من کلام له في معنى الانصار ملاحظہ ہو۔

عمر نے جواب میں کہا؛ اسے مار ڈالو خدا اسے مار ڈالے، اس کے بعد سعد کے سرہانے پر کھڑے ہو کر کہا؛ تجھے اس طرح پامال کرنا چاہتا ہوں کہ تیرے بدن کے اعضا چور چور ہو جائیں۔

یہاں پر قیس بن سعد آگے بڑھے اور عمر کی داڑھی پکڑ کر کہا:

خدا کی قسم اگر سعد کے سر سے ایک بال بھی کم ہو جائے تو تیرے دانتوں میں سے ایک دانت بھی سالم نہ بچے گا۔

ابوبکر نے فریاد بلند کی: اے عمر! خاموش رہنا اس نازک موقع پر امن و سکون کی اشد ضرورت ہے[1]

عمر، سعد کو اپنے حال پر چھوڑ کر واپس لوٹے۔ اس وقت سعد نے عمر سے مخاطب ہو کر کہا: خدا کی قسم! اگر میں اٹھ سکتا تو مدینہ کی گلی کوچوں اور اس کے اطراف میں میرا ایسا نعرہ سنتے کہ تم اور تمہارے دوست ڈر کے مارے بل میں چھپ جاتے خدا کی قسم تجھے ایک ایسے گروہ کے پاس بھیج دیتا کہ تم ان کے فرمانبردار ہوتے نہ فرمان روا، اس کے بعد اپنے حامیوں کی طرف مخاطب ہو کر بولا: مجھے یہاں سے باہر لے چلو پھر ان لوگوں نے اسے اپنے کاندھوں پر اٹھا کر گھر پہنچا دیا''[2]

ابوبکر جوہری کہتا ہے:

''عمر اس دن یعنی ابوبکر کی بیعت کے دن کمر کس کر ابوبکر کے آگے پیچھے ہو رہے تھے اور نعرہ

۱۔ یہاں پر اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دو خلیفوں نے کس طرح سیاست میں ایک دوسرے کی مدد کی۔

۲۔ تاریخ طبری ج ۲/۴۵۵، ۴۵۹، تاریخ یعقوبی ج ۲ص ۱۲۳۔

لگا رہے تھے: سنو! لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی ہے

لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کرنے کے بعد اسی حالت میں اسے مسجد میں لے آئے تا کہ اور لوگ بھی ان کی بیعت کریں، علی علیہ السلام اور عباس (جو ابھی رسو خداؐ کے بدن کو غسل دینے سے فارغ نہیں ہوئے تھے) نے مسجد النبی سے تکبیر کی آواز سنی، علی علیہ السلام نے پوچھا:

یہ شور وغل کیسا ہے؟

عباس نے کہا: آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا ہے! اس کے بعد علیؑ سے مخاطب ہو کر کہا: میں نے آپ کو کیا کہا تھا[1]

سقیفہ کی بیعت کا اختتام

تاریخ یعقوبی میں آیا ہے:

''جب لوگوں نے سقیفہ میں ابوبکر کی بیعت کی، براء بن عازب نے اضطراب و گھبراہٹ کے عالم میں بنی ہاشم کے دروازہ کھٹکھٹایا اور فریاد بلند کی: اے گروہ بنی ہاشم، آگاہ ہو جاؤ! لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی ہے۔

بنی ہاشم ایک دوسرے کی طرف تعجب کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہتے تھے: مسلمان تو ہماری، یعنی ہم محمدؐ کے نزدیک ترین رشتہ داروں کی عدم موجودگی میں کوئی کام انجام نہیں دیتے تھے؟!

عباس نے کہا: کعبہ کے رب کی قسم! انہوں نے ایسا کام انجام دیا ہے جسے انجام نہ دینا چاہیے

تھا فعلوها و ربّ الکعبة ،مہاجروانصارسب کویقین تھا کہ خلافت علی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کونہیں ملے گی[1] یعقوبی براء بن عازب سے نقل کرتے ہیں:

”عباس نے بنی ہاشم سے مخاطب ہوکر کہا: تمہیں ہمیشہ کیلئے حقیر بنادیا گیا ہے، جان لوکہ میں نے تم سے کہا تھا،لیکن تم لوگوں نے میری نافرمانی کی“

اس طرح ابوبکر کی خصوصی بیعت سقیفہ میں اختتام کو پہنچی۔

ابوبکر کی عام بیعت اور پیغمبر اکرمؐ کی تدفین

قد ولیتکم و لست بخیر کم

لوگو! میں تمہارا امیر منتخب ہوا ہوں جبکہ میں تم لوگوں سے بہتر نہیں ہوں!

ابوبکر

و ان ابابکر و عمر لم یشھدا دفن النبیؐ

ابوبکر اور عمر پیغمبرؐ کی تدفین میں شریک نہیں ہوئے۔

مؤرخین

ابوبکر منبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

ہم نے گزشتہ فصلوں میں کہا کہ جنگ و جدال کے بعد آخرکار ابوبکر خلافت کے مسئلہ میں دوسروں پر بازی لے گئے اور بیعت کرنے والوں کے ہاتھ ان کی طرف بڑھ گئے نیز باقی لوگوں نے بھی قدرتی طور پر ان کی پیروی کی، اس طرح سقیفہ میں ابوبکر کی عام بیعت انجام پائی لیکن اس کے باوجود اس کی کامیابی قطعی صورت اختیار نہ کرسکی اور اس بیعت کو عوامی سطح پر باقاعدہ صورت میں قبول

نہیں کیا گیا۔

اس سلسلہ میں طبری کہتا ہے:

''قبیلہ اسلم مدینہ آیا، جیسے کہ مدینہ کی گلیاں ان کیلئے تنگ ہو چکی تھیں اور انہوں نے ابوبکر کی بیعت کی ۔عمر مکرر کہتے تھے: جوں ہی میں نے قبیلۂ اسلم کو دیکھا مجھے یقین ہو گیا کہ ہم کامیاب ہیں[1]

لیکن قبیلۂ اسلم کے مدینہ آنے کا سبب شیخ مفید نے اپنی کتاب ''الجمل'' میں یوں لکھا ہے:

''وہ اجناس اور کرانہ خریدنے کیلئے مدینہ آئے تھے کہ انہیں کہا گیا: آیئے ہماری مدد کیجئے تا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلیفہ کیلئے بیعت لے لیں اس کے بعد ہم تمہیں اجناس دیں گے، یہی وجہ ہے کہ قبیلہ اسلم نے لالچ میں آکر ابوبکر کی مدد کی''۔

جب سقیفہ میں ابوبکر کی بیعت کا کام اختتام کو پہنچا تو، ان کی بیعت کرنے والوں نے جلوس کی صورت میں خوشیاں مناتے اور چلاتے ہوئے انھیں مسجد النبیؐ لے چلے!

ابوبکر منبر رسول اللہ پر چڑھے اور لوگ رات گئے تک ان کی بیعت کرتے رہے اور کسی کو بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تدفین کی فکر نہیں تھی[2]

ابوبکر دوسرے دن بھی مسجد النبی میں آئے اور منبر پر گئے تا کہ لوگوں سے بیعت لے لیں۔

۱۔طبری ج ۲ (ص ۴۵۸) ابن اثیر ج ۲/۲۲۴ اور زبیر بکار کی روایت میں شرح ابن ابی الحدید ج ۶/۲۸۷ میں آیا ہے ''ابوبکر کو قبیلہ اسلم کی بیعت سے تقویت ملی'')

۲۔الریاض النضرۃ ج ۱/۱۶۲ اور تاریخ الخمیس ج ۱/۱۸۷ ملاحظہ ہو۔

قبل اس کے کہ ابوبکر اپنی بات کوشروع کریں عمر اٹھے اور حمد وثنائے خدا کے بعد بولے:

کل کی میری بات نہ قرآن سے تھی اور نہ پیغمبرؐ کی کسی حدیث سے لیکن میں خیال کرتا تھا کہ پیغمبر چھ لوگوں کے امور کی خود تدبیر کریں گے اور اس دنیا سے رخصت ہونے والے آخری فرد ہوں گے، بہر حال پیغمبرؐ نے آپ کے درمیان قرآن کو چھوڑا ہے، لہذا اگر آپ لوگ اس کا سہارا لیں گے تو یہ آپ کو اس راستے پر راہنمائی کرے گا جس پر تمہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے جارہے تھے، اب آپکے امور کی باگ ڈور بھی ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں آئی ہے جو تم لوگوں میں سے بہترین صحابی پیغمبر اور آنحضرت کے یار غار ہیں، اٹھو!! اور ان کی بیعت کرو"

اس طرح سقیفہ میں بیعت انجام پانے کے بعد ابوبکر کی عام بیعت بھی انجام پائی۔

بخاری کہتا ہے:

اس سے پہلے سقیفہ بنی ساعدہ میں ایک گروہ نے بیعت کی تھی، لیکن ابوبکر کی عام بیعت منبر پر انجام پائی[۱]

انس بن مالک نے روایت کی ہے:

"میں نے سنا کہ اس روز عمر مکرر ابوبکر کو منبر پر جانے کیلئے کہتے تھے اور اس نے اپنی بات کو اس قدر دہرایا اور زور دیا کہ آخر کار ابوبکر منبر پر جا پہونچے اور سب لوگوں نے

۱۔ صحیح بخاری، ج ۴/۶۵۔

ان کی بیعت کی۔

اس کے بعد ابوبکر نے حمد وثنائے باری تعالی کی: اے لوگو! آپ کی حکمرانی کی باگ ڈور میرے ہاتھ سونپ دی گئی ہے جبکہ میں تم لوگوں میں شائستہ ترین فرد نہیں ہوں پس اگر میں صحیح اور نیک کردار ثابت ہوا تو میری اطاعت کرنا اور اگر میں نے بدکرداری اور بدسلوکی کی تو تم لوگ مجھے سیدھے راستہ پر ہدایت کرنا.

یہاں تک کہا:

''جب تک میں خدا اور رسولؐ خدا کی اطاعت کروں، تم لوگ میری اطاعت کرنا اور اگر میں نے خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی تو میری اطاعت نہ کرنا۔

چونکہ نماز کو وقت قریب تھا اس لئے کہا:

''خدا تمہیں بخش دے، اٹھو! تاکہ ہم ایک ساتھ نماز پڑھیں''[۱]

بیعت کے بعد

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوموار کی صبح کو رحلت فرمائی اور لوگ آپؐ کے جنازہ کو

۱۔ ملاحظہ ہو: سیرہ ابن ہشام ج ۴/۳۴۰، طبری ج ۳/۲۰۳، عیون الاخبار ابن قتیبہ ۲/۲۳۴، الریاض النضرۃ ج ۱/۱۶۷، تاریخ ابن کثیر ج ۵/۲۴۸، تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۴۷، کنزل العمال ج ۳/۱۲۹، حدیث نمبر ۲۲۵۴، سیرہ حلبیہ ج ۳/۳۹۷ اور تاریخ یعقوبی ج ۱۲۷/۲، شرح نہج البلاغہ کی ج ۱ ۱۳۴، روایت کے مطابق اور صفوۃ الصفوی ج ۱/۹۸ نے بھی نقل کیا ہے کہ صرف ابوبکر کے سقیفہ کے خطبہ کو ذکر کرنے والوں میں جوہری ہے۔

دفن کرنے کے بجائے دوسرے کام میں مشغول ہوئے[1]

حقیقت میں لوگوں نے سوموار سے منگل کے عصر تک تین کام انجام دیئے اول: سقیفہ میں رونما ہوئے مظاہرے اور تقریریں انجام دیں، دوم۔ ابوبکر سے پہلی بیعت اور سوم۔ مسجد النبی میں اس کی عام بیعت، عمر کی تقریر اور ابوبکر کی لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنا۔

مؤرخین کہتے ہیں: جب ابوبکر کی بیعت کا کام اختتام کو پہنچا، تو منگل کی شب کو لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جنازہ کی طرف بڑھے[2] گھر میں داخل ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نماز پڑھی،[3]

اس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر امام جماعت کے بغیر نماز پڑھی گئی اور مسلمان گروہ گروہ گھر میں داخل ہوکر آپ پر نماز پڑھتے تھے[4]

پیغمبر خدا کی تدفین اور اس میں شریک افراد

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک کو جنہوں نے غسل دیا انہوں نے ہی اسے دفن بھی کیا (عباس، علی علیہ السلام، فضل و پیغمبرؐ کا غلام صالح)، لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دوسرے اصحاب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بدن مبارک کو آپ

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۷۸ طبع لندن۔

۲۔ سیرہ ابن ہشام ج ۴/ ۳۴۳، طبری ج ۲/ ۴۶۲، کامل ابن اثیر ج ۲/ ۲۲۵، ابن کثیر ج ۵/ ۲۴۸، سیرہ حلبیہ ج ۳/ ۳۹۲ و ۳۹۴ موخر الذکر مآخذ میں بیعت کا کام تمام نہ ہونے کی صورت میں تجہیز رسول اللہ کیلئے آنے کی تاریخ معین نہیں کی گئی ہے۔

۳۔ سیرہ ابن ہشام ج ۴/ ۳۴۳۔

۴۔ طبقات ابن سعد ج ۲/ ۷۰، کامل ابن اثیر ج ۲/ ۱۱ھ کے وقائع کے ضمن میں، نہایۃ الارب ج ۱۸/ ۳۹۲۔ ۳۹۳)

کے خاندان والوں کو سپرد کر کے خلیفہ کا انتخاب کرنے کیلئے سقیفہ چلے گئے[1] اس کے علاوہ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین چار افراد[2] کے توسط سے انجام پائی، حضرت علی علیہ السلام، فضل، قثم، عباس کے بیٹے اور پیغمبرؐ کا غلام شقرین، اس کے علاوہ کہتے ہیں: اسامہ بھی تھے، غسل وتکفین اور دیگر کام بھی انہوں نے ہی انجام دئے ہیں[3] اور ابوبکر وعمر پیغمبر کی تدفین کے وقت حاضر نہیں تھے[4] عائشہ نے روایت کی ہے: ہم رسول اللہ کی تدفین کے بارے میں بدھ کی نصف شب تک آگاہ نہ ہوئے، جب بیلچوں کی آواز ہمارے کانوں تک پہنچی![5]

ایک اور روایت میں عائشہ نہ کہا ہے: "ہم بیلچوں کی آواز سننے تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین کے وقت سے آگاہ نہیں ہوئے تھے[6]

مزید روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ داروں کے علاوہ ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا اور انصار کے ایک قبیلہ نے زمین پر بیلچوں کی آواز اس وقت سنی جب وہ اپنے

ا۔ طبقات ابن سعد ج ۲/ق ۲/ ۷۰ اور البدء والتاریخ میں اس معنی کے قریب مطالب نقل ہوئے ہیں۔

۲۔ کنزل العمال ج ۴/ ۵۴ و ۶۰۔

۳۔ العقد الفرید ج ۳/ ۶۱ اور ذہبی نے بھی اپنی تاریخ میں اس معنی کے قریب نقل کیا ہے۔

۴۔ کنز العمال ج ۳/ ۱۴۰۔

۵۔ سیرہ ابن ہشام ج ۴/ ۳۴۴، طبری ج ۲/ ۴۵۲، ۴۵۵، ابن کثیر ج ۵/ ۲۷۰، اور اسد الغابہ ج ۱/ ۳۴ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات زندگی میں کہا گیا ہے دوسری روایتوں میں آیا ہے کہ بیلچہ کی آواز کا سننا منگل کی شب کو پیش آیا ہے جیسا کہ طبقات ج ۲/ ۱ ۷۸/۲ اور تاریخ الخمیس ج ۱/ ۱۴۱ میں آیا ہے، ذھبی نے بھی اپنی تاریخ ج ۱/ ۳۲۷ میں ایسا ہی کہا ہے، لیکن صحیح یہ ہے یہ بدھ کی شب کو سننے میں آیا ہے، مسند احمد ج ۶/ ۶۲ میں کہا گیا ہے: بدھ کی رات کے آخری حصہ میں تھا۔

۶۔ مسند احمد ج ۶/ ۲۴۲، ۲۷۴۔

گھروں میں سوئے ہوئے تھے بعد میں بنی غنم کے بزرگ کہتے تھے، ہم نے بلبلچوں کی آواز آخر شب میں سنی۔ ۱

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۲ رق ۲/ ۷۸

حضرت ابو بکر کی بیعت کے مخالفین

عباس ! نحن نرید ان نجعل لک سهماً من هذا الامر

عباس ! چونکہ آپ پیغمبرؐ کے چچا ہیں، اگر ہمارا ساتھ دیں گے تو خلافت میں سے آپ کا بھی ایک حصہ معین کریں گے۔

ابو بکر کی پارٹی

فان کان حقا للمؤمنین فلیس لک ان تحکم فیه!

اگر خلافت مومنوں کا حق ہے، تو تم لوگ اس میں سے مجھے کوئی حصہ دینے کا حق نہیں رکھتے ہو اور اگر وہ ہمارا حق ہے تو اسے پورا ہمیں دینا چاہئے نہ اس کا ایک حصہ

پیغمبر کے چچا عباس

ہم نے گزشتہ فصلوں میں کہا ہے کہ سقیفہ میں خلافت کے موضوع پر شور و غوغا اور بڑی کشمکس پیدا ہوگئی تھی اور مسلمان کئی دھڑوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور ہر گروہ ایک امیدوار کو خلافت کیلئے پیش کرتا تھا ، کچھ لوگ سعد بن عبادہ انصاری کو کچھ لوگ ابو بکر کو اور تیسرا گروہ علی علیہ السلام

(جو سقیفہ میں موجود نہیں تھے بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے) کی حمایت کرتا تھا، ان میں ابوبکر کی پارٹی کامیاب ہوئی اور سعد بن عبادہ کی پارٹی مکمل طور پر شکست کھا گئی لیکن حضرت علی علیہ السلام کے طرفدار کامیاب گروہ کیساتھ ابھی بھی نبرد آزما اور حکومت وقت کے خلاف اپنی مخالفت کا اظہار کرتے تھے اور کوشش میں تھے کہ انصار کی رای کو اپنے امیدوار کے حق میں حاصل کریں۔

یعقوبی لکھتا ہے:

''مہاجرین اور انصار میں سے کچھ افراد نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا اور حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی طرف اپنے رجحان کا اظہار کیا ان میں عباس بن عبدالمطلب، فضل بن عباس، زبیر بن عوام، خالد بن سعید، مقداد بن عمرو، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، عمار یاسر، براء بن عازب اور ابی بن کعب تھے[۱ و ۲]

اور ابوبکر جوہری کی کتاب ''سقیفہ'' اس طرح مذکور ہے:

''انہوں نے رات میں ایک انجمن تشکیل دے کر فیصلہ کیا کہ اس کام کے سلسلے میں مہاجرین اور انصار سے دوبارہ صلاح و مشورہ کیا جائے۔ اس انجمن کے اراکین مذکورہ ناموں کے علاوہ عبادۃ ابن صامت، ابوالھیثم بن تیھان اور حذیفہ تھے[۳]

۱۔ مذکورہ صحابی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بزرگ اصحاب میں سے تھے، کتاب کے آخر پر ان کی زندگی کے حالات درج کئے جائیں گے۔

۲۔ تاریخ یعقوبی ج ۲/۱۲۴

۳۔ ابوبکر جوہری کی کتاب سقیفہ کی روایت شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۲/۴۴ اور اس کی تفصیل تحقیق ابوالفضل ابراہیم ج ۲/۵ میں ملاحظہ ہو۔

اس واقعہ کے بعد ابوبکر نے عمر، ابوعبیدہ اور مغیرۃ بن شعبہ کو اپنے پاس بلایا اور ان سے پوچھا کہ اس سلسلہ میں تمہاری رائے کیا ہے؟ تینوں افراد نے متفقہ طور پر کہا: آپ کو عباس بن عبدالمطلب سے مفصل ملاقات کرنی چاہئے اور خلافت کے ایک حصہ کو ان سے مخصوص رکھنا چاہئے تا کہ وہ خود اور ان کے فرزند اس سے استفادہ کریں، اگر عباس راضی ہوئے تو علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ گے اور عباس کا آپ کی جانب میلان علی علیہ السلام کے ضرر میں آپ کے ہاتھ میں ایک حجت ہوگی[1]

ابوبکر نے اس مشورہ کو پسند کیا ور راتوں رات عمر، ابوعبیدہ جراح اور مغیرہ کے ہمراہ عباس کے گھر گئے۔

ابوبکر نے خداوند عالم کا حمد وثنا بجالانے کے بعد کہا: بے شک خداوند عالم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا ہے تا کہ اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچادے ان پر منت رکھیں، ان کی سرپرستی کو سنبھالیں اور اپنی عمر شریف کو ان کے درمیان اس وقت گزاریں جب انھیں اپنی طرف بلائیں۔ جو ان کیلئے محفوظ رکھا تھا وہ انھیں عطا فرمایا: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت کے وقت لوگوں کے کام کو ان پر ہی چھوڑ دیا تا کہ جو کچھ وہ اپنے لئے مصلحت جانیں اخلاص کے ساتھ اسے اختیار کریں، انہوں نے مجھے اپنے اوپر حکمراں اور اپنے کاموں پر نگہبان قرار دیا، اور میں نے بھی اسے قبول کیا اور خدا کی مدد سے مجھے اس

۱۔ جوہری کی سقیفہ کی روایت ہے کہ مشورہ صرف مغیرہ بن شعبہ نے دیا اور یہ حقیقت کے نزدیک ہے کہ یہ جماعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے دو شب بعد عباس کے پاس گئی۔

کا خوف نہیں ہے کہ اس کام کو نبھانے میں مجھ میں کمزوری یا پریشانی و وحشت نہیں ہے میں اپنی کامیابی کو خدا کی عنایت جانتا ہوں اور اسکی پناہ چاہتا ہوں اور اس کی طرف لوٹنے والا ہوں۔

مجھے مسلسل رپورٹ مل رہی ہے کہ بعض افراد عام لوگوں کے نظریات کے خلاف اظہار نظر کر کے تنقید کرتے ہیں اور مجھ پر آپ کے اعتماد کے بارے میں اعتراض کرتے ہیں۔ یہ لوگ صرف آپ کی اجتماعی حیثیت اور آبرو کی آڑ میں یہ نیا کام انجام دے رہے ہیں، لہذا آپ یا لوگوں کا ساتھ دیجئے یا ان کو اس کج فکری سے منع کیجئے، اس وقت ہم آپ کے پاس آئے ہیں کہ خلافت میں آپ کیلئے بھی ایک حصہ کے قائل ہو جائیں تا کہ آپ خود اور آپ کے فرزند اس سے استفادہ کریں، کیونکہ آپ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں۔ لوگوں نے آپ کی اور آپ کے دوستی کی حیثیت کو جانتے ہوئے بھی آپ کو نظر انداز کر دیا ہے اے بنی ہاشم! مطمئن رہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے اور تم سے ہیں نہ کہ صرف تم سے مخصوص ہیں۔

عمر نے اس بیان میں اضافہ کرتے ہوئے کہا: یہ خیال نہ کیا جائے کہ ہمارا آپ لوگوں کے پاس آنا ہماری کمزوری اور آپسی تعاون کیلئے ہے، نہیں! ایسا نہیں ہے بلکہ ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ مسلمانون کے اتفاق کئے گئے کام کے بارے میں آپ کی طرف سے مخالفت کی آواز سنی جائے کیونکہ اس کا نقصان آپ اور ان لوگوں کو پہنچے گا۔ لہذا آپ اپنے کام میں صحیح طور پر فکر کریں!

عباس نے خداوند عالم کی حمد و ثنا کے بعد یوں جواب دیا: خداوند عالم آپ کے کہنے کے مطابق

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغمبر کی حیثیت سے مبعوث کیا ہے اور اپنے حامیوں اور مومنین کا مددگار اور آپ کے وجود کی برکت سے اس امت پر احسان کیا۔

آخر کار آپ کو اپنے پاس بلا لیا اور آپ کے لئے جو مناسب تھا وہی انجام دیا ور مسلمانوں کے کام کو ان پر چھوڑ دیا تا کہ حق کی طرف ہدایت پائیں اور اپنے لئے اسے انتخاب کریں نہ یہ کہ حق سے منہ موڑ کر دوسری طرف جائیں[1]

اگر تم نے اس حق کی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر حاصل کیا ہے تو یہ ہمارا حق ہے اور تم نے غصب کیا ہے اور اگر پیغمبر کے پیرو ہونے کی حیثیت سے اس مقام ومنزلت تک پہنچے ہو تو ہم بھی ان کے پیرو ہیں لیکن تمہارے کام میں ہم نے آگے بڑھ کر مداخلت نہیں کی ہے اور یہ جان لو کہ ہم معترض ہیں، اگر مؤمنین کی وجہ سے تم پر خلافت واجب ہوئی ہے اور اس کے سزاوار ہوئے ہو تو، چونکہ ہم بھی مومنین میں سے ہیں اور ہم اس پر راضی نہیں ہیں اس لئے یہ حق تم پر واجب وثابت نہیں ہوگا۔ یہ کیسا تناقض ہے کہ ایک طرف یہ کہتے ہو کہ مجھ پر اعتراض کرتے ہو اور دوسری طرف سے دعویٰ کرتے ہو تمہیں لوگوں نے منتخب کیا ہے اور رای دی ہے؟ ایک طرف سے اپنے آپ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ جانتے ہو اور دوسری طرف سے کہتے ہو کہ پیغمبر نے لوگوں کے کام کو انہی پر چھوڑ دیا ہے تا کہ کسی ایک کو اپنے لئے منتخب کرلیں، کیا انہوں نے تجھے منتخب کیا ہے؟ لیکن جو یہ کہتے ہو کہ خلافت میں ایک حصہ ہمارے لئے مخصوص ہے تمہاری جانب سے، لہذا یہ جو چیز تم مجھے دے رہے

ہوا گر مؤمنین کا حق ہے تو اس کا اختیار تم نہیں رکھتے ہو اور اگر یہ حق ہمارا ہے تو پورا حق ہمیں دینا چاہئے ہم اپنے اس حق سے ایک حصہ لیکر باقی تمہیں سونپتے پر راضی نہیں ہیں، تمہیں جاننا چاہئے کہ رسول خداؐ ایسے ایک درخت کے مانند ہے جس کی ٹہنیاں ہم ہیں اور تم اس کے سایہ میں بیٹھنے والے ہو۔

گفتگو یہاں تک ناکام رہی اور ابوبکر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عباس کے گھر سے باہر آ گئے۔

پیغمبرؐ کے چچا عباس اور چند افراد کا ہم نے اس فصل میں ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ اور بھی نیک خو، نامور اور اکابر اصحاب نے ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا ہے اور صراحت کے ساتھ اس پر اعتراض کیا ہے حتی کہ اظہار مخالفت کیلئے ہڑتال کی اور پیغمبر کی اکلوتی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر میں دھرنا دیا، اس سلسلے میں تفصیلات اگلی فصل میں بیان کی جائیگی

ا۔ جوہری کی کتاب سقیفہ اور الامامۃ والسیاسۃ میں اس طرح آیا ہے: ''اگر یہ تمہارا حق ہے تو ہم اس کے محتاج نہیں ہے۔

حضرت فاطمہ زہرا (س) کے گھر پر دھرنا دینے والے

يابن الخطاب اجئت لتحرق دارنا

اے عمر! کیا ہمارے گھر کو آگ لگانے کیلئے آئے ہو

پیغمبر اکرمؐ کی اکلوتی بیٹی

نعم، أتدخلوا في ما دخلت فيه الامة

جی ہاں! مگر یہ کہ ابوبکر کی حکومت کی اطاعت کرو گے۔

خلیفہ دوم عمر

جیسا کہ گذشتہ فصل میں بیان کیا گیا کہ اصحاب کی ایک جماعت ابوبکر کی بیعت سے انکار کر کے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کی طالب ہوئی، ان میں سے کچھ لوگوں نے ابوبکر کی خلافت کے خلاف اعتراض کے طور پر ہڑتال کی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیٹی حضرت زہرا کے گھر میں جمع ہو کر دھرنا دیکر بیٹھ گئے اور اس طرح نئی تشکیل شدہ حکومت کے خلاف اپنی مخالفت کا عملی اظہار کیا۔

عمر ابن خطاب اس واقعہ کے بارے میں یوں کہتے ہیں:

''جب خداوند عالم نے اپنے پیغمبرؐ کو اس دنیا سے اٹھالیا، تو ہمیں یہ رپورٹ ملی کہ علی علیہ السلام، زبیر اور دوسرے چند افراد ہم سے منہ پھیر کر فاطمہ (س) کے گھر پر جمع ہوئے ہیں''[۱]

مورخین نے حضرت فاطمہ (س) کے گھر پر پناہ لینے والے افراد کو حضرت علی علیہ السلام اور زبیر کے علاوہ بیان کیا ہے من جملہ چند افراد کے اسماء درج ذیل ہیں:

۱۔عباس بن عبدالمطلب

۲۔عتبہ بن ابی لہب

۳۔سلمان فارسی،

۴۔ابوذر غفاری

۵۔عمار یاسر،

۶۔مقداد بن اسود

۷۔براء بن عازب

۸۔ابی بن کعب

۱۔مسند احمد ج ۱/ ۵۵، طبری، ج ۲/ ۴۶۶، ابن اثیر ج ۲/ ۲۲۱، ابن کثیر ج ۵/ ۲۴۶، صفوہ ج ۱/ ۹۷، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱/ ۱۲۳، تاریخ سیوطی ابوبکر کی بیعت میں ص ۴۵، سیرہ ابن ہشام ج ۴/ ۳۳۶، اور تیسیر الوصول، ج ۲/ ۴۱)

۹۔ سعد بن ابی وقاص

۱۰۔ طلحہ بن عبیداللہ

اس کے علاوہ بنی ہاشم اور بعض مہاجرین وانصار سے کچھ افراد[۱] ''الفصول المھمہ'' میں مذکورہ دس افرد کے علاوہ چند دیگر افراد کا نام بھی لیا گیا ہے۔

ابوبکر کی خلافت سے حضرت علی علیہ السلام اور آپ کے حامیوں کی مخالفت اور حضرت فاطمہ زہرا کے گھر میں ان کے دھرنا دینے کی اصل روداد تاریخ، سیر وسیاحت اور علم رجال کی کتابوں میں تواتر کی حد تک نقل ہوئی ہے۔

حقیقت میں چونکہ مؤرخین اس واقعہ سے مربوط مطالب اور ابوبکر کی کامیاب پارٹی اور حضرت فاطمہ زہراءؑ کے گھر میں دھرنا دینے والے افراد کی روداد کو بیان کرنا نہیں چاہتے تھے اس لئے ان کو نقل کرنے سے پرہیز کیا گیا ہے، لیکن بعض روئدادوں کو مجبوراً یا نا دانستہ طور پر لکھ ڈالا ہے، یہ واقعات ایسے ہیں جسے بلاذری نے اس طرح نقل کیا ہے:

۱۔ جن مصادر کا اس سے قبل ذکر ہوا ان کے علاوہ کچھ اور مصادر ہیں جن میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کچھ لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا، اور حضرت فاطمہ زہرؑا کے گھر میں دھرنا دیا، ان مصادر میں سے بعض نے چند افراد کا نام لیا ہے جنہوں نے علی علیہ السلام کی بیعت کرنے کیلئے حضرت فاطمہؑ زہرا کے گھر میں اجتماع کیا تھا یہ مصادر عبارت ہیں:

الف الریاض النضرۃ ج ۱/ ۱۶۷،

ب۔ تاریخ خمیس ج ۱/ ۱۸۸

ج۔ العقد الفرید ج ۳/ ۶۴، تاریخ ابوالفداء ج ۱/ ۱۵۶، ابن شحنۃ تاریخ کامل ۱۱۲

د۔ ابوبکر جوہری بنابہ روایت ابن ابی الحدید ج ۳/ ۱۳۰۔ ۱۳۴،

ھ۔ سیرہ حلبیہ ج ۳/ ۳۹۷۔

''جب حضرت علی علیہ السلام نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا تو ابوبکر نے عمر کو حکم دیا کہ حضرت علی (علیہ السلام) کو ہر صورت میں اپنے ساتھ لے آؤ۔ جب عمر علی علیہ السلام کے پاس پہنچے تو ان دونوں کے درمیان ایک گفتگو ہوئی۔

حضرت علی علیہ السلام نے عمر سے کہا: خلافت کے پستانوں سے ایسا دودھ کھینچتے ہو کہ اس کا نصف اپنے لئے رکھنا چاہتے ہو، خدا کی قسم! یہ جوش وولولہ جو آج ابوبکر کی خلافت کیلئے دیکھا رہے ہو، یہ صرف اس لئے ہے کہ کل وہ تجھے دیگر لوگوں پر ترجیح دیں۔

اور ابوبکر نے اپنے مرض الموت کے دوران کہا؛ میں صرف تین کاموں کے علاوہ جو اس دنیا میں انجام دیا ہے کسی کام پر فکرمند اور غمگین نہیں ہوں، کاش یہ کام مجھ سے انجام نہ پائے ہوتے یہاں تک کہا: اور وہ تین امور درج ذیل ہیں:

کاش، حضرت زہرا کے گھر کے دوازے کو نہ کھولا ہوتا اور اسے اپنے حال پر ہی چھوڑ دیا ہوتا اگر چہ وہ دروازہ ہمارے ساتھ جنگ کرنے کیلئے بند ہوا تھا[۱]

۱۔ طبری، ج ۲/۱۹ میں وفات ابوبکر کے سلسلے میں، مروج الذہب مسعودی ج ۱/۴۱۴، العقد الفرید ج ۳.۹ میں ابوبکر کی طرف سے عمر کو خلافت کیلئے منصوب کرنے کے سلسلے میں، کنزل العمال ج ۳/۳۵، منتخب کنزل ج ۲/۱۷۱، الامامۃ والسیاسۃ ج ۱/۱۸۱، کامل مبرد بنابہ روایت ابن ابی الحدید ج ۲/۱۳۰۔ ۱۳۱، ابا عبید کتاب الاموال ص ۱۳۱، پر ابوبکر کے قول کو یوں نقل کیا ہے: **اما الثلاثة التی فعلتها فوددتُ انی لم اکن کذا و کذا لخلقه ذکرها قال ابو عبید لا ارید ذکرها**، ابوعبیدہ کہتا ہے ابوبکر نے کہا لیکن میں اس کا ذکر کرنا نہیں چاہتا ہوں! ابوبکر جوہری ابن ابی الحدید کی روایت کے مطابق ج ۹/۲۹۳، لسان المیزان ج ۴/۱۸۹، اور تاریخ ابن عساکر میں ابوبکر کے حالات کی تفصیل میں مرآۃ الزمان سبط ابن جوزی بھی ملاحظہ ہو

اس کے علاوہ تاریخ یعقوبی میں اس طرح لکھا گیا ہے:

اے کاش رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی فاطمہؑ کے گھر کی میں نے تلاشی نہ لی ہوتی! اور اس گھر میں موجود مردوں پر حملہ نہ کیا ہوتا اگر چہ دروازہ کا بند رہنا جنگ پر تمام ہوتا[1]

مؤرخین نے حضرت زہراء(س) کے گھر میں داخل ہونے کی ماٴموریت رکھنے والوں کے نام حسب ذیل درج کئے ہیں

۱۔عمر ابن خطاب ۲۔خالد بن ولید ۳۔عبد الرحمان بن عوف

۴۔ثابت بن شماس ۵۔زیاد بن لبید ۶۔محمد بن مسلمہ

۷۔سلمۃ بن سالم بن وقش ۸۔سلمۃ بن اسلم ۹۔اسید بن حضیر

۱۰۔زید بن ثابت[1]

رہا، حضرت فاطمہ زہراء(س) کے گھر پر حملہ کی کیفیت اور حملہ آوروں اور دھرنا دینے والوں کے درمیان رونما ہونے والی روداد کے بارے میں تو یوں لکھا گیا ہے۔

''مہاجرین میں سے چند افراد من جملہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام اور زبیر لوگوں کی طرف سے ابوبکر کی بیعت کرنے پر ناراض ہوئے اور اسلحہ لے کر فاطمہؑ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے[3]

۱۔تاریخ یعقوبی ج ۲/۱۰۵

۲۔طبری ج ۳/۱۹۸۔۱۹۹، ابوبکر جوہری بناء بہ روایت ابن ابی الحدید ج ۲/۱۳۰،۱۳۴ ، وج ۲۹۵/، اور ج ۱۷ میں قاضی القضاۃ کے دوسرے جواب میں۔اس حصہ کے حالات کی تفصیل آگے بیان کردی جائے۔

۳۔الریاض النضرۃ، ج ۱/۱۶۷، ابوبکر جوہری بنا بر روایت ابن ابی الحدید، ج ۱/۱۳۲، ج ۶/۲۹۳، تاریخ الخمیس، ج ۱/۱۸۸!

ابوبکر کو رپورٹ دی گئی کہ مہاجر وانصار کی ایک جماعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی فاطمہؑ کے گھر میں علی بن ابیطالب علیہ السلام کے ساتھ جمع ہوئی ہے[۱] اور اس کے علاوہ انھیں رپورٹ دی گئی کہ اس اجتماع کا مقصد علی علیہ السلام سے بیعت لینا ہے[۲]

ابوبکر نے عمر بن خطاب کو حکم دیا کہ وہاں جا کر ان لوگوں کو فاطمہؑ کے گھر سے باہر نکال دو اور یہ بھی کہا: "اگر انہوں نے مقابلہ کیا اور باہر آنے سے انکار کیا تو ان سے جنگ کرنا" عمر آگ کے ایک شعلے کو ہاتھ میں لیئے ہوئے فاطمہؑ کے گھر کو نذر آتش کرنے کی غرض سے ان کی طرف روانہ ہوئے فاطمہ(س) نے جب اس حالت کو دیکھا تو فرمایا: اے ابن خطاب ! کیا پیغمبر کی بیٹی کے گھر کو جلانے کیلئے آئے ہو؟ عمر نے جواب میں کہا: جی ہاں ! مگر یہ کہ امت کے ساتھ ہماہنگ ہو کر بیعت کرو[۳]

الامامۃ والسیاسۃ کی روایت میں یوں آیا ہے:

"جب وہ لوگ علی علیہ السلام کے گھر میں جمع ہوئے تھے، عمر نے وہاں پہنچ کر آواز دی، لیکن انہوں نے اس کی کوئی پروانہیں کی اور گھر سے باہر نہ نکلے، عمر نے لکڑی طلب کی اور کہا: اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے، باہر آجاؤ!

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲/ ۱۰۵۔

۲۔ ابن شحنہ، ۱۲۲ حاشیہ کامل ابن ابی الحدید ج ۲/ ۱۳۴۔

۳۔ العقد الفرید ج ۳/ ۶۴، ابوالفدا ء ج ۱/ ۱۵۶۔

ورنہ اس گھر کو اس کے اندر موجود افراد کے ساتھ آگ لگا دوں گا۔

عمر سے کہا گیا: اے ابوالحفص، اس گھر میں فاطمہ ہیں۔

عمر نے جواب دیا: ہونے دو![1]

انساب الاشراف میں یہ حادثہ یوں لکھا گیا ہے:

''ابوبکر نے علی علیہ السلام سے بیعت لینے کیلئے کچھ افراد کو ان کے یہاں بھیجا، لیکن علی علیہ السلام نے بیعت نہیں کی، تو عمر آگ کے ایک شعلہ ہاتھ میں لئے ہوئے ان کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت فاطمہؑ نے ان سے کہا: اے ابن خطاب! کیا تم ہی ہو جو میرے گھر کو آگ لگانا چاہتے ہو؟

عمر نے جواب دیا: جی ہاں! یہ کام تیرے باپ کی لائی ہوئی چیز کو مستحکم کرے گا۔[2]

جوہری نے اپنی کتاب ''السقیفہ'' میں یوں لکھا ہے:

''عمر چند مسلمانوں کے ہمراہ علی علیہ السلام کے گھر کی طرف روانہ ہوئے تاکہ اس گھر کو اس کے مکینوں کے ساتھ نذر آتش کر دیں۔[3]

اور مشہور مؤرخ ابن شحنہ کی عبارت حسب ذیل ہے:

تاکہ گھر اور اس میں جو کوئی بھی ہے، اسے نذر آتش کر دے۔[4]

۱۔ الامامۃ والسیاسۃ ج۱ص۱۲، الریاض النضرۃ ج۱/۱۶۷، ابوبکر جوہری بنا بر روایت ابن ابی الحدید ج ۲/۱۳۴ و ج ۶، ۲ اور تاریخ الخمیس ج۱/۱۷۸۔

۱۔ انساب الاشراف ج۱/۵۸۶۔

۲۔ ابوبکر جوہری بنا بہ روایت ابن ابی الحدید ج ۲/۱۳۴۔

۳۔ انکی تاریخ ص ۱۱۲ پر تاریخ کامل کے حاشیہ پر۔

کنز العمال میں آیا ہے کہ عمر نے فاطمہ سے کہا:

''باوجود اس کے کہ میں جانتا ہوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجھ سے زیادہ کسی اور سے محبت نہیں کرتے تھے لیکن یہ حقیقت مجھے ہرگز اپنے اس ارادے سے منہ موڑنے کا سبب نہیں بنے گی کہ یہ چند افراد جو تیرے گھر میں جمع ہوئے ہیں ان کے ہمراہ تیرے گھر کو آگ لگا دینے کا حکم دیدوں!!''[۱]

جب عبداللہ بن زبیر، بنی ہاشم سے جنگ کر رہا تھا، انھیں ایک پہاڑ کے درہ میں محاصرہ کر کے حکم دیا کہ لکڑی لا کر انھیں آگ میں جلا دیا جائے اس کا بھائی عروۃ بن زبیر اپنے بھائی کے اس کام کی توجیہ کرتے ہوئے کہتا تھا: میرے بھائی نے یہ کام دھمکی اور ڈرانے کیلئے کیا تھا، جیسا کہ اس سے پہلے بھی ایسے کام کی مثال ملتی ہے، جب گذشتہ زمانے میں بنی ہاشم نے بیعت نہیں کی تھی تو لکڑی لائی گئی تا کہ انھیں آگ لگا دی جائے[۲]

گذشتہ سے اس کا مقصود سقیفہ کا دن تھا کہ بنی ہاشم نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا تھا۔

مصر کا ایک عظیم شاعر حافظ ابراہیم نے بھی اس روداد کی یاد میں حسب ذیل اشعار کہے ہیں:

و قولة لعلیّ قالها عمر   اکرم بسا معها اعظم بملقیها
حرقت دارک لا ابقی علیک بها   ان لم تبایع و بنت المصطفی فیها
ما کان غیر اُبی حفص یفوه بها   امام فارس عدنان و حامیها

۱۔ کنز العمال ج ۳/۱۴۰

۲۔ مروج الذہب ج ۲/۱۰۰، ابن ابی الحدید ج ۲/۴۸۱ طبع ایران، میں اس روئداد کی وہاں پر یاد دہانی کرتا ہے جہاں پر امیر کی فرمائش ما زال الزبیر منا حتی نشا ابنه کی تشریح کرتا ہے۔

''عمر نے، حضرت علی علیہ السلام سے کہا: اگر بیعت نہ کرو گے تیرے گھر کو ایسے آگ لگا دونگا کہ اس کے اندر موجود افراد میں سے ایک شخص بھی زندہ بچ نہیں سکتا جبکہ اس گھر میں موجود افراد میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی بھی تھیں۔ یہ بات ابوحفص (عمر) کے سوا کسی اور کے منہ سے، عدنان کے پیشوا اور ان کے حامی حضرت علی علیہ السلام کے حضور میں نہیں نکلی اس کے علاوہ ایسی بات کرنے کی کسی میں جرأت بھی نہ تھی۔

یعقوبی کہتا ہے:

''ایک جماعت کے ہمراہ آئے اور گھر پر دھاوا بول دیا... یہاں تک کہتا ہے:

علی علیہ السلام کی تلوار ٹوٹ گئی اور لوگ گھر میں داخل ہو گئے[1]

طبری لکھتا ہے: عمر بن خطاب بھی علی، علیہ السلام کے گھر آئے، طلحہ، زبیر اور مہاجرین میں سے کچھ لوگ گھر میں موجود تھے، زبیر ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے گھر سے باہر آئے ور عمر پر حملہ کیا، اس حالت میں اس کے پاؤں لڑکھڑا گئے اور تلوار ہاتھ سے گر گئی، عمر کے حامیوں نے ان کو اپنے قبضہ میں لے لیا[2]

اس کے بعد علی علیہ السلام کو گرفتار کر کے ابوبکر کے پاس لے گئے اور ان کے درمیان ایک گفتگو انجام پائی، اس کی تفصیل آئندہ فصل میں آئے گی۔

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲، ۱۰۵

۲۔ طبری ج ۳/ ۱۹۸ و ۱۹۹، الریاض النضرۃ محب الدین طبری، ص ۱۶۷

ابوبکر کی بیعت سے علیؑ کی مخالفت

یا ابا بکر ما اسرع ما اغرتم علی اھل بیت رسول اللہ

اے ابوبکر: کتنی عجلت کے ساتھ تم نے خاندان پیغمبرؐ پر دھاوا بول دیا؟!

پیغمبر اکرم کی اکلوتی بیٹی، فاطمہؑ

و اللہ لا اکلم عمر حتی القی اللہ !!

خدا کی قسم! میں عمر سے مرتے دم تک کلام نہیں کروں گی!!

پیغمبر اکرم کی بیٹی، فاطمہ (س)

علیؑ کو خلافت کی کچہری تک کھینچ لیا جاتا ہے

ہم نے گزشتہ فصل میں کہا کہ اصحاب میں کچھ نیک افراد نے ابوبکر کی خلافت پر اعتراض کرتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادگار حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کے گھر پر دھرنا دیا تو ابوبکر کی پارٹی نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر پر دھاوا بول دیا اور دھرنا دینے والوں کو ڈرانے دھمکانے کیلیئے اس گھر کے دروازہ پر آگ لے کر آگئے تا کہ سب کو اس آگ میں جلا دیں، بہر حال علی علیہ السلام کو گرفتار کیا گیا، گرفتار کرنے کے بعد علی علیہ السلام کو ابوبکر کے پاس لا کران سے کہا گیا کہ:

بیعت کرو!

علی علیہ السلام نے جواب میں کہا:

میں اس کام کیلئے تم لوگوں سے مستحق تر ہوں، میں ہرگز تم لوگوں کی بیعت نہیں کروں گا، حق یہ ہے کہ تمہیں میری بیعت کرنی چاہیے، تم لوگوں نے اس کام کی باگ ڈور انصار سے لے لی ہے محض اس بنا پر کہ تم لوگ رسول اللہ کے رشتہ دار ہو اور انہوں نے بھی اس بنا پر حکومت کی باگ ڈور تم لوگوں کے حوالے کر دی تو، میں بھی یہی دلیل و برہان آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اگر خدا سے ڈرتے ہو تو انصاف کی راہ پر چلو اور جس طرح انصار نے پیغمبر کے رشتہ دار ہونے کے ناطے تمہیں اقتدار سونپا، تم بھی اسی ناطے سے اس کی باگ ڈور میرے حوالے کر دو، ورنہ یاد رہے کہ تم لوگ ظالم ہو۔

عمر نے کہا: ہم آپ کو، بیعت لئے بغیر نہیں چھوڑیں گے، علی علیہ السلام نے عمر کے جواب میں کہا اے عمر! تم اپنے لئے راہ ہموار کر رہے ہو، آج اس کے حق میں کام کر رہے ہو تا کہ کل وہ یہ امور تمہیں سونپ دے، خدا کی قسم میں تیری بات کو ہرگز نہیں مانوں گا اور ابوبکر کی اطاعت نہیں کروں گا،

ابوبکر نے کہا اگر رضا مندی سے میری بیعت نہیں کرو گے تو میں آپ سے جبر و اکراہ کے ذریعہ بیعت نہیں لوں گا۔

ابوعبیدہ نے علی علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہا؛ اے ابوالحسن! آپ نوجوان ہیں اور یہ لوگ قریش کے بزرگ ہیں جتنا انہیں مہارت اور تجربہ ہے آپ کو نہیں ہے، میرا اعتقاد یہ ہے کہ ابوبکر اس

کام کیلئے آپ سے بیشتر قدرت کے حامل ہیں اور وہ اس کام کو بہتر صورت میں نبھا سکتے ہیں کیونکہ وہ اس میدان کے کھلاڑی ہیں۔ کام انہیں کو سونپ کر فی الحال اس پر راضی ہو جایئے، اگر آپ زندہ رہے اور معمر ہوئے تو فضیلت اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت کی بناء پر اور اسلام اور راہ خدا میں جہاد کرنے میں سبقت کی وجہ سے آپ اس کام کیلئے زیادہ لائق و سزاوار ہوں گے۔

علی علیہ السلام نے جواب دیا:

اے گروہ مہاجر! پرہیز کرو، اور خدا سے ڈرو، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانروائی کو ان کے گھر سے باہر نہ لے جاؤ اور اپنے گھروں کو اس قدرت و منصب کا مرکز قرار مت دو پیغمبرؐ کے گھرانے سے ان کے حق اور انکی اجتماعی حیثیت کو نہ چھینو! خدا کی قسم اے مہاجرین! ہم اہل بیت رسولؐ جب تک قرآن پڑھنے والے، دین خدا میں فقیہ، سنت رسول اللہ کے عالم اور اجتماعی حالات کے ہمدرد، رہیں گے ان امور کیلئے آپ لوگوں سے زیادہ سزاوار ہیں، خدا کی قسم جو چاہو گے ہمارے خاندان میں موجود ہے اپنے ہوائے نفس کی پیروی اور اطاعت نہ کرو، ورنہ اس طرح حقیقت کی راہ سے زیادہ سے زیادہ دور ہو جاؤ گے"

بشیر بن سعد نے کہا:

"اے علی (علیہ السلام)! اگر انصار نے ابوبکر سے بیعت کرنے سے پہلے آپ کی یہ بات سنی ہوتی تو دو آدمی بھی آپ کے بارے میں اختلاف نہ کرتے، لیکن کیا کیا جائے کہ کام تمام ہو چکا ہے

اور لوگوں نے بیعت کر لی ہے"

لہذا علی علیہ السلام اپنے نظریہ پر بدستور قائم رہے اور ابوبکر کی بیعت کئے بغیر اپنے گھر لوٹ آئے۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کے مبارزے

ابن ابی الحدید نے "شرح نہج البلاغہ" میں ابوبکر جوہری سے نقل کر کے روایت کی ہے:

جب فاطمہؑ نے دیکھا کہ ان دو اشخاص (علی علیہ السلام و زبیر) کے ساتھ کونسا سلوک کیا گیا ہے، تو اپنے گھر کے دروازہ پر کھڑی ہو کر فرمایا: "اے ابوبکر! تم نے کتنی جلدی رسولؐ کے خاندان سے مکر کیا، خدا کی قسم مرتے دم تک میں عمر سے بات نہیں کروں گی"[1]

ایک دوسری روایت کے مطابق فاطمہ زہراؑ زار و قطار روتے ہوئے گھر سے باہر آئیں اور لوگوں کو ایک کنارے پیچھے کی طرف ہٹا دیا۔

یعقوبی کہتا ہے؛ فاطمہؑ باہر آئیں اور کہا:

"خدا کی قسم! میرے گھر سے باہر چلے جاؤ ورنہ میں سر برہنہ ہو کر بالوں کو بکھیر کر بارگاہ الہی میں فریاد بلند کروں گی" اس وقت لوگ ان کے گھر سے باہر آئے اور جو لوگ گھر میں تھے وہ بھی وہاں سے باہر آ گئے"[2]

۱۔ ابن ابی الحدید ج ۱۳۴/۲، ج ۲۸۶/۶۔

۲۔ تاریخ یعقوبی، ج ۵۰/۲

اس کے علاوہ ابراہیم نظام[۱] بھی کہتا ہے:

''بیعت کے دن عمر نے فاطمہؑ کے شکم اور پہلو پر ایسی ضرب لگائی کہ محسن ساقط ہو گئے، اور اس طرح نعرے لگاتے تھے کہ: اس گھر کو اس کے مکینوں کے سمیت آگ لگا دوں گا! جبکہ اس گھر میں علی علیہ السلام، حسن اور حسینؑ کے علاوہ کوئی اور نہ تھا''[۲]

مسعودی کہتا ہے: ''جس دن عام لوگوں کی طرف سے ابوبکر کی سقیفہ میں بیعت ہو رہی تھی تو منگل کے دن تجدید بیعت کی گئی، حضرت علی علیہ السلام نے ابوبکر سے کہا: تم نے ہمارا کام خراب کر دیا اور اس کام میں ہمارے ساتھ کوئی صلاح و مشورہ نہیں کیا اور ہمارے کسی حق کی رعایت نہیں کی!!''

ابوبکر نے جواب میں کہا: جی ہاں! لیکن کیا کروں میں نے فتنہ اور بغاوت کے برپا ہونے سے ڈر گیا[۳]

یعقوبی مزید کہتا ہے:

''کچھ لوگ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے بیعت کا مطالبہ کیا، علی علیہ السلام نے ان سے کہا: ''کل صبح تم سب لوگ اپنے سر منڈوا کر میرے پاس آنا''

لیکن دوسرے دن ان میں سے صرف تین اشخاص آئے[۴]

خلاصہ یہ کہ اس واقعہ کے بعد علی علیہ السلام، فاطمہ سلام علیہا کو ایک گدھے پر سوار کر کے رات کو انصار کے دروازوں پر لے جا کر ان سے مدد طلب کرتے تھے، فاطمہ (س) زہرا بھی ان سے مدد طلب

۱۔ نظام کا نام ابراہیم بن سیار تھا، اس کی زندگی کے حالات آئندہ بیان کئے جائیں گے۔

۲۔ شہرستانی م ملل ونحل کے گیارھوں سوال میں، ملل ونحل طبع ایران ج ۱/۲۶ و طبع لیدن ۴۰۔

۳۔ مروج الذہب ج ۲/۴۱۴، الامامۃ والسیاسۃ ج ۱/۱۲۔۱۴۔

۴۔ تاریخ یعقوبی ج ۲/۱۰۵، ابن ابی الحدید ج ۲/۴۔

کرتی تھیں ۔ وہ جواب میں کہتے تھے : اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی ! ہماری بیعت اس شخص کے ساتھ تمام ہو چکی ہے ۔ اگر آپ کے چچیرے بھائی ابوبکر سے پہلے ہم سے بیعت کا مطالبہ کرتے ، ہم ہرگز کسی دوسرے کو ان کے برابر قرار نہیں دیتے ، اور ان کے علاوہ کسی اور کو قبول نہیں کرتے ، علی علیہ السلام جواب دیتے تھے :

''تعجب کی بات ہے تم لوگ مجھ سے یہ توقع رکھتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ کو تجہیز و تکفین کے بغیر گھر میں چھوڑ کر ، پیغمبر خداؐ سے بھی حکومت کے بارے میں ، جنگ و جدال میں مشغول ہو جاؤں ؟!

فاطمہؑ بھی کہتی تھیں :

''ابوالحسن نے وہ کام انجام دیا ، جس کے وہ سزاوار تھے اور اس طرح انہوں نے اپنا فریضہ نبھایا اور ان لوگوں نے بھی ایک ایسا کام انجام دیا جس کے بارے میں خداوند عالم ان سے پوچھ تاچھ کرے گا ''[1]

معاویہ نے بھی علی علیہ السلام کو اپنے ایک خط میں اسی روداد کے بارے میں اشارہ کیا ہے ۔ جسے ہم نے یعقوبی سے نقل کیا جس پر وہ یوں کہتا ہے :

جیسا کہ کل ہی ابوبکر کی بیعت کے دن تم اپنے گھر کی پردہ نشین کو گدھے پر سوار کر کے اپنے دو بیٹوں حسن و حسین کے ہاتھ پکڑ کر آ گئے اہل بدر اور اسلام میں سبقت لینے

۱۔ ابوبکر جوہری اپنی کتاب سقیفہ میں بہ روایت ابن ابی الحدید ج ۶/ ۲۸ والامامۃ والسیاسۃ ج ۱/ ۱۲۔

والوں کے گھروں کے دروازوں پر جا کر ان سے اپنے لئے بیعت چاہتے تھے، اپنی بیوی کے ہمراہ ان کے پاس چلے گئے اور اپنے دو بیٹوں کو لیکر ان سے التماس کیا اور ان سے اپنے لئے مدد طلب کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یار ابوبکر سے منہ موڑ لیں، لیکن چار یا پانچ اشخاص کے علاوہ کسی اور نے تمہارے مطالبے کا جواب نہیں دیا، اپنی جان کی قسم! اگر حق تیرے ساتھ ہوتا تو وہ تیرا مثبت جواب دیتے لیکن تم ایک باطل دعویٰ کر رہے تھے اور ایک غیر معمولی مطلب بیان کرتے تھے اور ایک ایسی چیز کا مطالبہ کرتے تھے جس کے تم حقدار نہ تھے۔

میں جس قدر بھی فراموش کار رہوں گا، لیکن جو بات تم نے ابوسفیان کو کہی اسے ہرگز بھلایا نہیں جا سکتا جب وہ تمہیں اشتعال دلا رہے تھے، تم نے اس سے کہا: اگر چالیس مستحکم ارادے والے آدمی میرا ساتھ دیتے تو میں انقلاب برپا کر کے ان لوگوں سے اپنے حق کا مطالبہ کرتا![۱]

جنگ صفین میں جب معاویہ کے لشکر کے افراد نے علی علیہ السلام کے لشکر کو پانی استعمال کرنے سے روکا، تو عمرو عاص نے معاویہ کو اپنی گفتگو کے ضمن میں اس بات کی طرف یاد دہانی کرائی اور کہا: ہم دونوں نے سنا ہے کہ علی علیہ السلام کہتے تھے کاش چالیس آدمی میرا ساتھ دیتے اور اس کے بعد کچھ کہا...'' اور عمرو کا مقصود حضرت فاطمہ زہرا کے گھر کی تلاشی لینے کے دن امیر المؤمنین کی

۱۔ ابن ابی الحدید ج ۲/ ۶۷ اور کتاب صفین ص ۱۸۲

فرمائشات کی طرف اشارہ تھا۔

مبارزات کا خاتمہ اور علیؑ کی بیعت

ابن اثیر اسد الغابہ میں ابوبکر کے حالات کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''صحیح بات یہ ہے کہ بیعت کی مخالفت کرنے والوں نے چھ ماہ بعد بیعت کی''[۱]

تاریخ یعقوبی میں آیا ہے:

''علی علیہ السلام نے چھ ماہ بعد بیعت کی''[۲]

ابن عبدالبر، استیعاب میں اور مسعودی التنبیہ والاشراف میں یوں لکھتے ہیں:

''علی علیہ السلام نے فاطمہ علیہا السلام کی وفات کے بعد ابوبکر کی بیعت کی''[۳]

ابن قتیبہ نے ''الامامۃ والسیاسۃ'' میں لکھا ہے:

''علی علیہ السلام نے فاطمہ علیہا السلام کی وفات کے بعد بیعت کی، اور یہ پیغمبرؐ کی وفات سے ۷۵ روز کا فاصلہ تھا اس واقعہ کی تفصیل کو زہری نے نقل کیا ہے اور پیغمبر خداؐ کی میراث کے موضوع کے بارے میں ابوبکر اور فاطمہ کے درمیان واقع ہونے والی روداد ام المومنین عائشہ سے نقل کی ہے کہ عائشہ نے کہا ہے: فاطمہ نے ابوبکر سے

۱۔ اسد الغابہ ج ۳/ ۲۲۲۔

۲۔ تاریخ یعقوبی ج ۲/ ج ۱۰۵۔

۳۔ الاستیعاب ج ۲/ ص ۲۴۴، التنبیہ والاشراف ص ۲۵۰۔

منہ موڑ لیا اور ان کے ساتھ بات نہیں کی اور علی علیہ السلام نے فاطمہ علیہا السلام کے بدن کو ابوبکر کی اطلاع کئے بغیر رات کے سناٹے میں دفن کر دیا۔ جب تک فاطمہؑ زندہ تھیں لوگ علی علیہ السلام کا احترام کرتے تھے اور جب فاطمہ اس دنیا سے رحلت کر گئیں تو لوگوں نے علی علیہ السلام سے منہ موڑ لیا، فاطمہ پیغمبر خداؐ کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں اور اس کے بعد وفات کر گئیں۔

راوی کہتا ہے: ایک شخص نے زہری سے پوچھا کیا ان چھ ماہ کے دوران علیؑ نے بیعت نہیں کی؟! زہری نے جواب میں کہا: نہ انھوں نے اور نہ بنی ہاشم میں سے کسی نے مگر یہ کہ جب علی علیہ السلام نے بیعت کی[۱]

تیسیر الوصول میں آیا ہے کہ زہری نے کہا: خدا کی قسم نہیں! اور علی علیہ السلام کی بیعت کرنے تک بنی ہاشم میں سے کسی ایک نے بیعت نہیں کی[۲]

اور کہا گیا ہے: جب علی علیہ السلام نے دیکھا کہ لوگوں نے ان سے منہ موڑ لیا ہے تو ابوبکر کے ساتھ صلح کر لی.... الخ[۳]

۱۔ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۱۳۔

۲۔ تیسیر الوصول ج ۲ ص ۴۶۔

۳۔ ہم نے اس حدیث کو خلاصہ کے طور پر مندرجہ ذیل کتابوں سے نقل کیا ہے:

طبری ج ۳/۲۰۲، صحیح بخاری ج ۳/۳۸، (باب غزوۂ خابر) کتاب مغازی اور صحیح مسلم سے باب قول رسول اللہ و نحن لا نورث ما ترکناہ صدقہ ج ۱/۷۲، ج ۳/۱۵۳، ابن کثیر ج ۶، ۲۸۵۔۲۸۶، العقد الفرید ج ۳/۶۴، ابن اثیر خلاصہ کے طور پر ج ۲/۲۲۴ میں نقل کیا ہے، گنجی کفایۃ الطالب ص ۲۲۵۔۲۲۶، ابن ابی الحدید ج ۲/۱۲۲، مسعودی ج ۲/۴۱۴ مروج الذہب سے نقل کر کے. صواعق ج ۱/۱۲، تاریخ الخمیس ج ۱/۱۹۳، ابوالفداء ج ۱/۱۵۶ اور البداء والتاریخ ج ۵/۶۶)

بلاذری نے انساب الاشراف میں یوں نقل کیا ہے:

'جب عربوں نے دین سے منہ موڑ لیا تو وہ مرتد ہو گئے،عثمان،علی علیہ السلام کے پاس گئے اور کہا اے میرے چچازاد بھائی: جب تک آپ بیعت نہیں کریں گے کوئی بھی ان دشمنوں سے لڑنے کیلئے نہیں جائے گا....اور مسلسل اس موضوع پر گفتگو کرتے تھے اور آخر کار انھیں ابوبکر کے پاس لے گئے...''

یہاں تک کہتے ہیں:

علی علیہ السلام نے ان کی بیعت کی اور مسلمان خوشحال ہوئے اور جنگ کیلئے آمادہ ہو گئے اور گروہ گروہ سپاہیوں کو روانہ کیا گیا[1]

حقیقت میں علی علیہ السلام نے ایک طرف سے فاطمہ کو کھویا تھا اور دوسری طرف سے مسلمانوں کی،ناگفتہ بہ حالات اوران کی بے توجہی کا مشاہدہ کر رہے تھے اور اب تو وہ فرصت بھی ہاتھ سے چلی گئی تھی جس کی وجہ سے لوگ رونما ہونے والے حالات سے بے توجہ تھے،اس لئے انہوں نے مجبور ہوکر ابوبکر سے صلح کی لیکن ان دنوں کی تلخیوں کو کبھی نہیں بھولے حتی اپنی خلافت کے دوران بھی ان حوادث کی تلخی کو نہیں بھولے اور مسلسل ان کے بارے میں شکوہ شکایت کرتے رہے،وہ اپنے معروف خطبۂ شقشقیہ میں فرماتے ہیں:

۱۔انساب الاشراف،ج۱/ص۵۸۷۔

میرے لئے ایہ امر عقل کے مطابق اس ذمہ داری کی بنا پر جو مجھ پرتھی واضح تھا کہ صبر وشکیبائی کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں ہے لہذا میں نے صبر وتحمل سے کام لیا، لیکن یہ حالت میرے لئے ایسی ہی تھی جیسے کہ میرے آنکھوں میں تنکا اور میرے گلے میں ہڈی پھنس گئی ہو، میں اپنی آنکھوں سے نا قابل انکار حق کو لوٹتے دیکھ رہا تھا۔

اس کے بعد فرمایا:

''انتہائی تعجب کی بات ہے کہ ابوبکر اپنی زندگی میں لوگوں سے درخواست کرتے تھے کہ ان کی بیعت کو توڑ دیں لیکن اپنی موت سے چند دن پہلے خلافت کا عہد و پیمان عمر کیلئے مستحکم کر گئے افسوس ان دولٹیروں نے خلافت کو، دودھ بھرے دو پستانوں کے مانند آپس میں تقسیم کر لیا''[1]

ابو بکر سے بیعت کی قدر و قیمت

کہتے ہیں ایک چور اور ڈاکو کی ماں نے بستر مرگ پر اپنے بیٹے سے مطالبہ کیا کہ اس کیلئے حلال مال سے کفن آمادہ کرے، کیونکہ بیٹے کا جو بھی مال تھا وہ حرام تھا، ڈاکو حلال مال کی تلاش میں گھر سے باہر نکلا اور ایک چوراہے پر گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ اتفاق سے سفید عمامہ پہنے ایک بزرگ وہاں سے گزرے راہزن نے چابک دستی سے شیخ کے سر سے عمامہ کو اتار لیا اور ان کی پٹائی شروع کی تاکہ وہ یہ کہیں کہ: ''حلال ہے''

۱۔ نہج البلاغہ و شرح ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۵۰، ابن جوزی نے اپنے تذکرہ کے باب ششم، کتاب ماھو نہج البلاغہ تالیف علامہ شہرستانی خطبہ ملاحظہ ہو۔

شیخ نے درد سے کراہتے ہوئے ڈر کے مارے کہا: ’حلال ہے‘‘! ڈاکو نے ان کی مزید پٹائی کی اور کہا: بلند آواز میں کہو تا کہ میری بیمار ماں بھی اسے سن لے! شیخ نے بلند آواز میں فریاد بلند کی: ’’’حلال ہے! حلال ہے‘‘

کیا جس بیعت کا نام ’’لوگوں کا انتخاب‘‘ رکھا گیا تھا اس کے علاوہ کچھ اور تھی؟

کیا کہنا اس آزاد انتخاب اور مشروع بیعت کا، جس کو سقیفہ میں جو تم پر دباؤ اور ڈرا دھمکا کے حاصل کیا گیا پھر جسے مدینہ کی گلی کوچوں میں قبیلۂ اسلم جیسے صحرانشین قبائل کو لالچ دیکر مکمل کیا گیا اور آخر میں پیغمبر خداؐ کی بیٹی حضرت زہراؑ کے گھر کے دروازے پر آگ کے شعلے لے جا کر اختتام کو پہنچایا گیا!

ابوبکر کی بیعت کے بارے میں بزرگ اصحاب کے فیصلے

واعجباً لقریش ودفعهم هذا الامر عن اهل بیت نبیّهم

تعجب کی بات ہے... قریش نے خلافت کی باگ ڈور کو اہل بیت رسولؐ سے چھین لیا!

مقداد، پیغمبر اسلام کے نامور صحابی

لو بایعوا علیّاً لأکلوا من فوقهم و من تحت أرجلهم

مسلمان اگر علی علیہ السلام کی بیعت کرتے تو لافانی سعادت وسیادت کو پاتے اور زمین وآسمان کی برکتیں ان پر نازل ہوتیں۔

سلمان محمدی

ا۔ فضل بن عباس

بنی ہاشم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک کی تجہیز وتکفین میں مشغول تھے کہ خبر

پہنچی کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں ابوبکر کیلئے بیعت لی جارہی ہے۔

اس خبر کو سننے کے بعد بنی ہاشم کے ردعمل اور پالیسی کے بارے میں یعقوبی نے یوں لکھا ہے[۱]

جب گھر سے باہر آئے تو فضل بن عباس اٹھے اور یوں بولے:

اے قریش کی جماعت! دھوکہ دہی اور پردہ پوشی سے تم خلافت کے مالک نہیں بن سکتے، خلافت کے مستحق ہم ہیں نہ کہ تم لوگ، ہم اور ہمارے سردار علی علیہ السلام خلافت کیلئے آپ لوگوں سے سزاوارتر ہیں۔

۲۔ عتبہ بن ابی لہب نے جب ابوبکر کی بیعت کی روداد سنی تو اس نے اعتراض کے طور پر یہ اشعار کہے:

ما كنت أحسب هذا الامر منصرفا عن هاشم ثم منها عن ابى الحسن

عن اول الناس ايماناً و سابقة اعلم الناس بالقرآن و السنن

و آخر الناس عهداً بالنبىّ و من جبرئيل عون له فى الغسل و الكفن

من فيه ما فيهم لا يمترون به و ليس فى القوم ما فيه من حسن

ترجمہ:

''میں ہرگز یہ تصور نہیں کرتا تھا کہ خلافت کی باگ ڈور کو بنی ہاشم خاص کر ابوالحسن سے چھین لیا جائیگا، کیونکہ ابوالحسن وہی ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے اور اسلام میں ان کے جیسا اچھا سابقہ کسی اور

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲/ ۱۰۳ اروایۃ اھم وفقیات، شرح نہج البلاغہ ج ۶/ ۲۸۷ میں قضیہ کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

کو حاصل نہیں ہے وہ تمام لوگوں سے علوم قرآن وسنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں دانا تر ہیں اور وہ تنہا شخص ہیں جو پیغمبر کی زندگی کے آخری لحات تک آنحضرتؐ کے ساتھ رہے حتی آپ کی تجہیز وتکفین کو بھی انہوں نے جبرئیل کی مدد سے انجام دیا، وہ دوسروں کے تمام نیک صفات اور روحانی فضائل کے اکیلے ہی مالک ہیں لیکن دوسرے لوگ ان کے معنوی کمالات اور روحانی واخلاقی خوبیوں سے محروم ہیں''

حضرت علی علیہ السلام نے کسی کو اس کے پاس بھیجا اور بات کو آگے بڑھانے سے روکا اور فرمایا

''ہم دین کی سلامتی کو تمام چیزوں سے عزیز رکھتے ہیں''[۱]

۳۔ عبداللہ بن عباس

ابن عباس کہتے ہیں:

ابوبکر کی بیعت کے بارے میں عمر نے مجھ سے کہا؛ اے ابن عباس! کیا یہ جانتے ہو کہ کونسی چیز اس امر کا سبب بنی کہ پیغمبر کی رحلت کے بعد، لوگوں نے آپ لوگوں کی بیعت نہیں کی؟ چونکہ میں اس کا جواب دینا نہیں چاہتا تھا، اسلئے میں نے کہا: اگر میں متوجہ نہیں ہوں تو امیر المؤمنین مجھے آگاہ فرمائیں۔

عمر نے کہا؛ وہ اس بات پر آمادہ نہ تھے کہ نبوت اور خلافت ایک ہی جگہ جمع ہو جائے اور ہر قسم کی عظمت وافتخار تمہارے خاندان کا طرۂ امتیاز ہو، اس لئے قریش نے خلافت کو اپنے لئے منتخب کیا اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

۱۔ شرح ابن ابی الحدید طبع مصر ج ۶/ ۸، ابن حجر نے اصابہ ۲۶۳/۲ میں عباس بن عتبہ کے حالات کو تفصیل کے ضمن میں نمبر ۴۵۰۸، ابو الفداء نے اپنے تاریخ کی ج ۱/۱۶۴ میں ان اشعاع کو پیغمبرؐ کے چچا اور بھائی فضل بن عتبہ بن ابی اللھب سے نسبت دی ہے۔ لیکن ایسا لگتا ہے یہ نسبت صحیح نہیں ہوگی۔

میں نے کہا؛ اے امیر المؤمنین ! اگر جازت دیں اور مجھ سے ناراض نہ ہوں تو میں بھی کچھ کہوں، اس کے بعد کہا: کہو اے ابن عباس![1]

میں نے کہا:

یہ جو آپ نے کہا کہ قریش خلافت کیلئے منتخب ہوئے وہ اس کے مستحق تھے اور اس میں کامیاب ہوئے اس سلسلہ میں کہنا چاہتا ہوں کہ اگر قریش اسی چیز پر منتخب ہوتے جو خدا نے ان کیلئے اختیار کیا تھا اگر اسے اپناتے تو نہ ان کا حق ضائع ہوتا اور نہ کوئی ان پر رشک کرتا، لیکن جو آپ نے کہا کہ وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ نبوت اور خلافت دونوں ہم میں جمع ہو جائے، پس جان لو خداوند عالم قرآن مجید میں ایک جماعت کو اس صفت سے معرفی کرتا ہے اور فرماتا ہے: ﴿ذلک بانھم کرھوا ما انزل اللہ فاحبط اعمالھم﴾"

"چونکہ انہوں نے پیغمبر پر بھیجے گئے دستورات کو پسند نہیں کیا، اس لئے خداوند عالم نے ان کے کردار کو قبول نہ کرتے ہوئے باطل کر ڈالا"

۱۔ عبداللہ پیغمبر کے چچا عباس کے بیٹے تھے، اس وجہ سے ابن عباس کہتے تھے ابن عباس اور عمر کے درمیان اس گفتگو کو طبری نے ج ۳. میں سیرت عمر کے موضوع کے تحت لایا ہے اور ابن ابی الحدید نے " للہ بلاد فلان " کی تشریح میں ج ۲ رص ۴۹ اور ص ۵۱ طبع ایران احمد بن ابی طاہر سے سند کے ذکر کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس گفتگو میں واضح طور پر بیان ہوا ہے کہ جس چیز نے عمر کو اس بات پر مجبور کیا تا کہ پیغمبر کی وصیت لکھنے میں رکاوٹ ڈالے یہ تھی وہ بخوبی جانتے تھے کہ وصیت علی علیہ السلام کے حق میں لکھی جائے گی۔

عمر نے کہا: افسوس! اے ابن عباس تمہارے بارے میں کچھ ایسی رپورٹیں مجھے ملی ہیں جن پر یقین نہیں آ رہا تھا لیکن اب دیکھ رہا ہوں کہ وہ رپوٹیں صحیح تھیں۔

میں نے کہا: کونسی رپورٹ آپ کو ملی ہے؟ اگر میں نے حق کہا ہوگا تو اس سے میری حیثیت آپ کے سامنے متزلزل نہیں ہونی چاہئے اور اگر جھوٹ ہے تو مجھ جیسے پر حق بنتا ہے کہ جھوٹ کی تہمت اور باطل سے دور ہو جاؤں۔

عمر نے جواب دیا: رپورٹ ملی ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ بنی ہاشم پر ظلم وستم اور ان سے حسد کی وجہ سے خلافت چھین لی گئی ہے۔

میں نے کہا: یہ جو کہتے ہو کہ میں نے کہا ہے کہ ظلم کیا گیا ہے یہ ہر عالم اور جاہل پر واضح ہے لیکن یہ جو کہتے ہو کہ رشک وحسد سے کام لیا گیا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ابلیس نے آدم پر رشک کیا اور ہم بھی آدم کے وہی فرزند ہیں جن سے رشک کیا گیا ہے۔

۴۔ سلمان فارسی:

ابوبکر جوہری نے روایت کی ہے سلمان، زبیر اور انصار، پیغمبرؐ کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کرنا چاہتے تھے جب ابوبکر نے لوگوں سے بیعت لے لی تو سلمان نے کہا: تھوڑی سی خیر و نیکی کو حاصل کر کے خیر و برکت کے معدن ومنبع سے محروم ہو گئے"

اس دن (سلمان) کہتے تھے: ایک معمر انسان کو منتخب کر کے اپنے پیغمبر کے خاندان کو چھوڑ دیا

ہے، اگر خلافت کو پیغمبر کے خاندان میں رہنے دیتے تو دو آدمی بھی آپس میں اختلاف نہیں کرتے اور لوگ اس درخت کے میووں سے بیشتر مستفید ہوتے[1]

انساب الاشراف میں آیا ہے:

سلمان نے اپنی مادری زبان میں کہا: "کرداز و ناکرداز" تم لوگوں نے کیا لیکن کچھ نہیں کیا، یعنی اگر خلافت کو غصب نہ کرتے تو بہتر تھا اور جو کام تم لوگوں نے انجام دیا وہ صحیح نہیں تھا، بلکہ مزید اس میں اضافہ کیا، اگر مسلمان علی علیہ السلام کی بیعت کرتے تو خدا کی رحمتیں اور برکتیں ہر طرف سے ان پر نازل ہوتیں اور وہ ہر طرح کی سعادت و سیادت سے مالا مال ہوتے لو بایعوا علیاً لاکلوا من فوقھم و من تحت ارجلھم

۵۔ام مسطح:

ابوبکر جوہری نے مزید کہا ہے:

جب ابوبکر کی بیعت سے علی علیہ السلام کے انکار کی گفتگو پر چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو ابوبکر و عمر نے علی علیہ السلام کے بارے میں شدید ردعمل کا اظہار کیا، ام مسطح بن اثاثہ نے اپنے گھر سے باہر نکل کر پیغمبر خداؐ کی قبر کے پاس آ کر یہ اشعار پڑھے:

قد کان بعدک انباء و ھنبثة لو کنت شاھدھا لم تکثر الخطب

انا فقدناک فقد الأرض و ابلھا و اختلّ قومک فاشھدھم و لا تغب

۱۔ابوبکر جوہری، سقیفہ بروایت ابن ابی الحدید ج ۲/ ۱۳۲، ج ۶/ ۱۷۔

اے پیغمبر! آپ کے بعد چہ میگوئیاں اور اہم حوادث رونما ہوئے اگر آپ زندہ ہوتے تو ہرگز اس قدر پریشانیاں پیدا نہیں ہوتیں، ایسے حوادث رونما ہوئے جیسے زمین باران سے محروم ہو جائے اور نمی اور طراوٹ نہ ملنے کی وجہ سے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے، ہم آپ سے محروم ہو گئے اور لوگوں کے کام کا شتہ ٹوٹ گیا، اے پیغمبر! اس بات پر گواہ رہئے گا!"[۱]

۶۔ ابوذر

رسول اللہ نے جب رحلت فرمائی تو اس وقت ابوذر مدینہ میں موجود نہ تھے جب وہ مدینہ پہنچے تو اس وقت ابوبکر نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی، انھوں نے اس سلسلے میں کہا: تم لوگوں نے تھوڑی سی چیز کو حاصل کر کے اسی پر اکتفا کیا اور پیغمبرؐ کے خاندان کو کھو دیا اگر اس کام کو اہل بیتؑ رسول کے سپرد کرتے تو دو آدمی بھی آپ کے نقصان میں آپ سے مخالفت نہ کرتے[۲]

۷۔ مقداد بن عمرو

یعقوبی نے عثمان کی بیعت کی، روداد بیان کرتے ہوئے، راوی سے روایت کی ہے:

'مسجد النبیؐ سے ایک دن میرا گزر ہوا، میں نے ایک شخص کو دو زانو بیٹھے اس قدر حسرت بھری آہ بھرتے ہوئے دیکھا کہ گویا تمام عالم اس کی ملکیت تھی اور وہ

۱۔ ام مسطح بن اثاثہ کا نام سلمی بنت ابورہم ہے، اس کی بات کو ابوبکر جوہری نے سقیفہ میں بنا بہ روایت ابن ابی الحدید ۲/۱۳۱۔۱۳۲ اور ج ۶/۱۷ ذکر کیا ہے۔

۲۔ ابوبکر جوہری نے کتاب سقیفہ میں ابن ابی الحدید شرح، نہج البلاغہ ج ۶/ص ۵ طبع مصر سے نقل کیا ہے، تاریخ یعقوبی میں ابوذر کی تنقید کرتے ہوئے نقل کیا گیا ہے۔

اسے کھو بیٹھا تھا اور کہہ رہا تھا' قریش کا کردار کس قدر تعجب آور ہے کہ مستحق سے کام

چھین لیا گیا''۔

۸۔ بنی نجار کی ایک عورت

ابو بکر جوہری کہتے ہیں:

''جب ابوبکر کی بیعت کا کام مستحکم ہوگیا، تو انہوں نے بیت المال سے ایک حصہ

مہاجر وانصار کی عورتوں کیلئے معین کیا اور بنی عدی بن نجار کی ایک عورت کا حصہ زید

بن ثابت کے ہاتھ سپرد کیا تا کہ اسے پہنچا دے، زید اس عورت کے پاس آئے اور

اس کے حصہ کو اسے پیش کیا، عورت نے پوچھا، یہ کیا ہے؟

زید نے کہا؛ بیت المال کے ایک حصہ میں سے ہے جسے ابوبکر نے عورتوں میں تقسیم کیا ہے۔

اس نے کہا؛ کیا تم میرے دین کو رشوت دیکر خریدنا چاہتے ہو؟

خدا کی قسم! ان سے کوئی چیز نہیں لوں گی اور یہ حصہ ابوبکر کو واپس دیدوا

ا۔ ابوبکر جوہری کتاب سقیفہ میں ابن ابی الحدید کی شرح ج ۲ ر ۱۳۳ طبع مصر میں، طبقات ج ۲ ر ۱۲۹ میں بھی اس داستان کو تقریباً اس مضمون سے نقل کیا گیا ہے۔

۹۔ معاویہ کا نظریہ

معاویہ نے محمد بن ابوبکر کے نام لکھے گئے اپنے ایک خط میں یوں کہا ہے:

ہم اور تیرے باپ فرزند ابوطالب کی فضیلت اور برتری سے واقف تھے اور اپنے اوپر ان کے حق کو ضروری سمجھتے تھے، جب خداوند عالم نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جو کچھ اس کے پاس تھا اس پر عمل کیا اور ان سے کئے گئے عہد و پیمان کو پورا کیا اور اس کی دعوت کو واضح کر کے حجت کو تمام کیا اور اس کی روح کو قبض کر کے اپنی طرف بلایا تو تمہارے باپ اور عمر پہلے اشخاص تھے جنہوں نے علی (علیہ السلام) کے حق کو غصب کیا اور ان کے ساتھ مخالفت کی۔ ان دو آدمیوں نے پہلے سے مرتب کئے گئے منصوبہ کے تحت آپس میں ملی بھگت کر کے علی علیہ السلام سے اپنی بیعت کا مطالبہ کیا حضرت علی (علیہ السلام) نے جب اجتناب اور انکار کیا تو انہوں نے نامناسب اقدامات کئے اور ان کے خلاف خطرناک منصوبے مرتب کئے، یہاں تک کہ علی علیہ السلام نے مجبور ہو کر ان کی بیعت کی اور ہتھیار ڈال دئے، لیکن پھر بھی یہ دو شخص ہرگز انھیں اپنے کام میں شریک قرار نہیں دیتے تھے نیز انھیں آگاہ نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ خداوند عالم نے ان دونوں کی روح قبض کر لی، اس بنا پر آج جس راہ پر ہم گامزن ہیں، اگر وہ صحیح اور حقیقت پر مبنی ہے تو اس کی بنیاد تمہارے باپ نے ڈالی ہے اور ہم اس کے شریک ہیں اور اگر تیرے باپ ایسا نہ کرتے، تو ہم ہرگز فرزند ابوطالب کی مخالفت نہیں کرتے اور خلافت کی باگ ڈور انھیں سونپ دیتے، لیکن تیرے باپ نے ہم سے پہلے ان کے بارے میں یہی

کام انجام دیا اور ہم نے بھی تیرے باپ کے ہی مانندان سے برتاؤ کیا، اب تم یا اپنے باپ کی عیب جوئی کرو یا ہمیں سرزنش اور ملامت کرنا چھوڑ دو، خداوند عالم توبہ کرنے والوں پر درود بھیجے[1]

۱۰۔ خالد بن سعید اموی

خالد بن سعید بن عاص ان افراد میں سے تھا جنہوں نے مسلمان ہونے میں سبقت حاصل کی تھی، وہ تیسرا یا چوتھا یا پانچواں شخص تھا جس نے اسلام قبول کیا ہے ابن قتیبہ ''المعارف'' کے صفحہ نمبر ۱۲۸ پر لکھتا ہے: ''خالد ابوبکر سے پہلے اسلام لایا تھا''

خالد ان افراد میں سے تھا جنہوں نے حبشہ ہجرت کی تھی اسلام کے مضبوط اور مستحکم ہونے کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اس کے دو بھائیوں ابان وعمرو کے ہمراہ قبیلہ ''مذحج'' سے زکات وصول کرنے پر مأمور فرمایا تھا، اس کے بعد وہ یمن کے شہر صنعا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مأمور مقرر ہوا، جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی تو خالد اپنے دو بھائیوں کے ہمراہ مأموریت کی جگہ سے مدینہ کی طرف واپس آیا۔ ابوبکر نے ان سے پوچھا تم لوگ کیوں اپنی مأموریت کی جگہ کو چھوڑ کر آئے ہو؟ اس کے علاوہ حکمرانی کیلئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منتخب کردہ افراد سے سزاوارتر کوئی نہیں ہے، اپنی جگہ جاکر اپنا فریضہ انجام دینے میں مشغول ہو جاؤ، انہوں نے جواب میں کہا: ہم عبداللہ کے بیٹے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی اور کی نوکری کرنا نہیں چاہتے[2]

۱۔ مروج الذہب مسعودی ج ۲/ ۶۰، نصر بن مزاحم کی صفین ص ۱۳۵ طبع قاہرہ ۱۳۶۵ھ اور شرح ابن ابی الحدید، نہج البلاغہ ج ۲/ ۶۵، اس نے بھی تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے اور ج ۱/ ۲۸۴ ۔۹

۲۔ استیعاب ج ۱/ ۳۹۸، اصابہ ج ۱/ ۴۰۶، اسد الغابہ ج ۲/ ۹۲، ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج ۶/ ۱۳۔

خالداوراس کے بھائیوں نے ابوبکر کی بیعت کرنے میں لیت ولعل سے کام لیا۔خالد نے بنی ہاشم سے کہا؛ آپ خاندان بنی ہاشم قد آور درخت کے مانند ہیں اور ہم بھی آپ کے تابعدار ہیں[1]

خالد نے دو ماہ تک ابوبکر کی بیعت نہیں کی اور کہتا تھا ،ہمیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صنعا کاماٗمور مقرر فرمایا اور اپنی وفات تک ہمیں معزول نہیں کیا۔

خالد نے ایک دن علی ابن ابیطالبؑ اورعثمان سے ملاقات کی اور انھیں کہا: اے عبدمناف کے فرزندو! آپ نے اپنے کام سے ہاتھ کھینچ لیا تاکہ دوسرا اس پر قابض ہوجائے۔ابوبکر نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں کی، لیکن عمر نے اسے اپنے دل میں رکھا[2]

اس کے بعد خالد نے علی علیہ السلام کے پاس آکر ان سے کہا آگے بڑھئے! میں آپ کی بیعت کرتا ہوں، خدا کی قسم لوگوں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کیلئے آپ سے سزاوارتر کوئی نہیں ہے[3] لیکن جب بنی ہاشم نے ابوبکر کی بیعت کی تو خالد نے بھی ان کی بیعت[4] کا کام مکمل ہونے کے بعد جب ابوبکر لشکر اسلام کوشام کی جانب روانہ کررہے تھے، سب سے پہلے جسے لشکر کی ایک چوتھائی کی کمانڈ سونپی گئی وہ خالد بن سعید تھا، لیکن عمر اس کے مخالف تھے اور کہتے تھے کہ کیا ایسے شخص کو سپہ سالار بنارہے ہیں کہ جس نے جو نہ کرنا تھا کیا اور جو نہیں کہنا تھا کہہ دیا؟ اور عمر نے اپنی مخالفت جاری رکھی اور

۱۔استیعاب ۱/۲۹۸، اصابہ ۱/۴۰۶، ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج ۱۳۶/۶

۲۔اسد الغابہ ج ۹۲/۲، ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ ج ۱۳۵/۲

۳۔طبری ج ۵۸۶/۲،تہذیب التہذیب ابن عساکر ج ۴۸/۵، انساب الاشراف ج ۵۸۸/۱،

۴۔تاریخ یعقوبی ج ۱۰۵/۲

خاموش نہیں بیٹھے جب تک خالد کو اس عہدے سے معزول نہیں کرلیا پھر سپہ سالاری کا حکم یزید بن ابی سفیان کے نام جاری کیا گیا[1] خالد کو اپنے معزول ہونے پر کوئی پروانہ تھی کیونکہ وہ مقام ومنزلت کا پابند نہ تھا اس لئے وہ لشکر اسلام کے ہمراہ شام کی طرف روانہ ہوا اور ۲۸ جمادی الاول ۱۳ھ کو اس جنگ میں شہید ہوا۔

۱۱۔ سعد بن عبادۂ انصاری

وہ قبیلہ خزرج کا سردار تھا وہ بیعت عقبہ میں حاضر تھا اور اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام غزوات میں شرکت کی ہے اس کے غزوۂ بدر میں حاضر ہونے کے بارے میں مؤرخین کے درمیان اختلاف نظر ہے۔

سعد ایک رحم دل اور سخی شخص تھا، فتح مکہ کے دن انصار کا علمبردار تھا چونکہ اس نے اس جنگ میں یہ نعرہ بلند کیا ''آج جنگ کا دن ہے، جس دن عورتیں اسیر کی جائیں گی، اس کی مراد قریش کی عورتیں تھیں'' اس لئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرچم کو اس کے ہاتھ سے چھین کر اس کے بیٹے قیس کے ہاتھ میں دیدیا،[2] سعد بن عبادہ کے بارے میں اسلام کے مؤرخین لکھتے ہیں[3]

''سقیفہ میں جب ابوبکر کے حامی سعد شدید مخالفت سے دوچار ہوئے تو انہوں نے اس میں مصلحت سمجھی کہ چند روز سعد سے چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے جب بیعت کا کام انجام

۱۔ طبری ج ۲/۵۸۶، تہذیب ابن عساکر ج ۵/۴۸، انساب الاشراف ج ۱/۵۸۸۔

۲۔ ملاحظہ ہو اس کا ترجمہ استیعاب ج ۲/۳۲ میں اور اصابہ ج ۲/۲۷۔

۳۔ طبری ج ۲/۴۵۹، ابن اثیر ج ۲/۲۲۴، روایت کو ''فاترکوہ تک'' نقل کیا ہے، کنز العمال ج ۳/۱۳۴، حدیث نمبر ۲۲۹۶، الامامة والسیاسة ج ۱/۱۰، سیرہ حلبی نے ج ۴/۳۹۷، میں اضافہ کیا ہے کہ سعد ان میں سے کسی سے بھی مل کر سلام نہیں کرتا تھا، لا یسلم علی من بقی منهم''.

پایا تو کسی شخص کو اس کے پاس بھیج کر انھیں پیغام دیدیا کہ آکر بیعت کریں، دوسروں حتی تیرے قبیلہ والوں نے بھی بیعت کی ہے، سعد نے جواب میں کہا؛ خدا کی قسم جب تک میرے ترکش میں تیر موجود ہے اور تمہیں نشانہ بنا سکتا ہوں اور اپنے نیزے کی نوک کو تمہارے خون سے رنگین کر سکتا ہوں، اور جب تک میرے بازوں میں تلوار چلانے کی طاقت موجود ہے، تم لوگوں سے لڑتا رہوں گا، اور اپنے خاندان کے ان افراد کی مدد سے جو ابھی تک میری اطاعت میں ہیں تم لوگوں سے جب تک ممکن ہو سکے گا نبرد آزمائی کرونگا اور تمہاری بیعت نہیں کروں گا اور خدا کی قسم! اگر جن وانس تمہاری مدد کو آجائیں تو بھی میں تم لوگوں کی ہرگز بیعت نہیں کروں گا جب تک خدا کے پاس اپنی شکایت نہ کرلوں اور تم لوگوں کے ساتھ عدل الٰہی کے حضور اپنا حساب نہ چکالوں۔

جب یہ باتیں ابوبکر تک پہنچیں تو عمر نے کہا؛ اسے نہ چھوڑو جب تک کہ بیعت نہ کرے، لیکن بشیر بن سعد نے اپنا نظریہ پیش کرتے ہوئے کہا: میرے خیال میں اس قضیہ کا پیچھا کرنے میں مصلحت نہیں ہے، کیونکہ سعد کی مخالفت ہٹ دھرمی پر مبنی ہے جو آگاہی، میں سعد کے اخلاق کے بارے میں رکھتا ہوں، اس سے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ قتل ہونے تک ڈٹا رہے گا اور دوسری طرف سعد کا قتل ہونا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے، کیونکہ وہ ایک فرد نہیں ہے کہ اس کے قتل کئے جانے سے

مخالفتوں کو ختم کیا جا سکے، وہ ایک بڑی آبادی والے قبیلہ کا سردار ہے اور ابھی تک اس کا معنوی اثر و نفوذ اس کے خاندان میں موجود ہے، جب تک اس کے فرزندوں، رشتہ داروں اور قبیلہ کے کچھ افراد کو قتل نہ کیا جائے اس پر ہاتھ نہیں لگایا جا سکتا ہے، اس لئے مصلحت اسی میں ہے کہ اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اس طرح وہ ایک آدمی سے زیادہ نہیں ہے اور کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے۔

بشیر بن سعد کی تجویز منظور ہوئی اور سعد بن عبادہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا وہ بھی ان کی جماعت اور دیگر اجتماعات میں حاضر نہیں ہوتا تھا نیز حج کے موقع پر بھی ان کی اطاعت نہیں کرتا تھا۔ اور ابوبکر کے دنیا سے چلے جانے اور عمر کی خلافت کے دور تک اسی حالت میں تھا[1] اپنی خلافت کے دوران ایک دن عمر نے سعد کو مدینہ کی ایک گلی میں دیکھا اور اسے کہا: خبردار، اے سعد!

سعد نے جواب میں کہا: خبردار اے عمر!

عمر نے پوچھا: کیا تم نے چہ می گوئیاں کی تھیں!

سعد نے کہا: جی ہاں: میں ہی تھا، اس وقت حکومت کی باگ ڈور تیرے ہاتھ میں آئی ہے، لیکن خدا کی قسم ہمارے نزدیک ابوبکر کی محبوبیت تجھ سے زیادہ تھی اور میں ذاتی طور پر پسند نہیں کرتا ہوں تمہارے نزدیک رہوں۔

عمر نے کہا: جو کوئی کسی کی ہمسائیگی سے متنفر ہوتا ہے وہ اپنی سکونت تبدیل کرتا ہے۔

سعد نے کہا: میں تیری ہمسائیگی سے زیادہ خوشحال نہیں ہوں، یہ کام کر کے میں دم لوں گا اور تم

۱۔ الریاض النضرۃ ج ۱/ ۱۶۸ اس سے قبل نقل کئے گئے مصادر کے ساتھ۔

سے بہتر ہمسائے کے نزدیک جاؤں گا۔

اس ملاقات کے بعد زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ سعد شام چلا گیا[1] بلاذری نے اس قضیہ کے بارے میں یوں نقل کیا ہے[2]

''عمر نے ایک شخص کو شام بھیجا اور اسے حکم دیا کہ جس طرح ممکن ہو سکے سعد کو لالچ دلاؤ شاید وہ بیعت کرلے اور اگر اس نے بیعت نہیں کی تو خدا سے مدد کی درخواست کر کے ..اسے مأمور کے عنوان سے روانہ کرو اور اس شخص نے حوران کے مقام پر ایک باغ میں سعد سے ملاقات کی اور اسے عمر سے بیعت کرنے کی ترغیب دیدی۔

سعد نے کہا: میں قریش کے کسی شخص کی ہرگز بیعت نہیں کروں گا۔

قاصد نے کہا؛ اگر بیعت نہ کرو گے تو میں تجھے قتل کر ڈالوں گا.

سعد نے کہا: کیا میرے ساتھ جنگ کرنے کی صورت میں بھی؟

اس نے کہا: کیا تم اس چیز سے دور رہنا چاہتے ہو جس پر ملت نے اتفاق کیا ہے؟!

سعد نے جواب دیا: اگر تمہارا مقصود بیعت ہے، تو جی ہاں،

یہاں پر مأمور نے حکم کے مطابق سعد کی طرف ایک تیر پھینکا اور اسے قتل کر ڈالا، مسعودی

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۳ ق ۲/ ۱۴۵، تہذیب ابن عساکر، ج ۶/ ۹۰ میں ترجمہ سعد کی تشریح میں، کنز العمال، ج ۳/ ۱۳۴ حدیث نمبر ۲۲۹۶، سیرہ حلبی، ج ۳/ ۳۹۷)

۲۔ العقد الفرید، ج ۳/ ۶۴، اور بلاذری نے اس عبارت کے قریب انساب الاشراف، ج ۱/ ۵۱۸ میں آیا ہے۔

کہتا ہے[۱]

''سعد بن عبادہ نے بیعت نہیں کی اور مدینہ سے شام چلا گیا اور ۱۵ھ کو وہیں پر قتل ہوا''

ابن عبدربہ کی روایت میں آیا ہے:

''سعد بن عبادہ پر ایک تیر مارا گیا اور تیر اس کے بدن پر لگ گیا اور اسی سے وہ مر گیا، اسکے مرنے کے بعد پریوں نے اس پر گریہ کرتے ہوئے اس کے سوگ میں شعر پڑھا:

وقتلنا سيد الخزرج سعد بن عباده و رميناه بسهمين فلم يُخطئ فؤاده[۲]

ابن سعد نے طبقات میں اس کی موت کے بارے میں لکھا ہے[۳]

سعد ایک خندق میں پیشاب کرنے کیلئے بیٹھا تھا کہ اس پر حملہ کیا گیا اور اسی حالت میں اس نے جان دیدی اس کے جسد کو اسی حالت میں پایا گیا ہے اس کے بدن کی کھال کا رنگ سبز ہو چکا تھا''

ابن اثیر نے اسد الغابہ میں لکھا ہے: [۴]

سعد نے نہ تو ابوبکر کی بیعت کی اور نہ عمر کی، وہ شام چلا گیا اور شہر حوران میں سکونت اختیار کر لی ۱۵ھ میں اس نے وفات پائی، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس کے گھر کے نزدیک سڑک کے کنارے اس حالت میں دیکھا گیا تو اسکے جسم کا رنگ سبز ہو چکا تھا، اس کی موت کے بارے

۱۔ مروج الذہب، ج ۱/۴۱۲ و ج ۲/۱۹۴،

۲۔ العقد الفرید، ج ۳/۶۴۔

۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۳/ق ۲/۱۴۵، ابن قتیبہ نے المعارف ۱۱۳ پر۔

۴۔ معلوم ہوتا ہے سعد کی طرف پھینکا گیا تیر زہر آلود تھا۔

میں کسی کو پتا نہ چلا جب تک ایک نامرئی شخص کی آواز کنویں میں سنی گئی اور لوگ اس سے آگاہ ہوئے[۱]

عبدالفتاح نے کتاب الامام علی بن ابیطالب'' میں لکھا ہے:

بعض احمق لوگ کہتے ہیں کہ سعد جنوں کے ہاتھوں مارا گیا ہے، لیکن جو حقیقت حال سے آگاہ ہے یا گمان کیا جاتا ہے کہ آگاہ ہوگا، کہتا ہے: ''سعد کو خالد بن ولید اور اس کے ایک دوست، جو اس کا شریک کار تھا، نے رات کو گھات لگا کر اسے قتل کر ڈالا اور اس کے بدن کو ایک کنویں میں سر کے بل لٹکا کر رکھدیا، اس سے پوچھا گیا کہ جنوں کی جو آواز ہم نے سنی وہ کیا تھی؟ جواب دیا گیا وہ آواز خالد کے ہمکار کی تھی، اس نے اس لئے ایسا کیا تا کہ وہ لوگوں کو بتائیں اس پر یقین کریں اور اس بات کو دھرائیں[۲]

بلاذری نے روایت کی ہے کہ عمر نے خالد اور محمد بن مسلمہ کو مأمور کیا تا کہ سعد کو قتل کر ڈالیں اور انہوں نے اپنی مأموریت کو بجالا کر، دو تیروں سے سعد کو قتل کر ڈالا اور اس کی زندگی کا خاتمہ کیا۔ اس روداد کو نقل کرنے کے بعد انصار میں سے ایک شخص کے درج ذیل دو شعر ذکر گئے ہیں جو سعد کے سوگ میں کہے گئے ہیں:

۱۔ سعد کی تشریح اسد الغابہ اور استیعاب ج ۲ ص ۳۷

۲۔ الامام علی ابن ابیطالب ج ۱ ص ۳۷۔

يقولون سعداً شقت الجن بطنه الا ربما حققت فعلک بالقدر

و ما ذنب سعد بعدان بال قائماً و لکن سعداً لم يبايِع ابابکر

ترجمہ: کہتے ہیں کہ جنوں نے سعد کے شکم کو پھاڑ ڈالا آگاہ ہوجاؤ، بسا اوقات لوگ اپنا کام دھوکے سے انجام دیتے ہیں سعد کا گناہ یہ نہ تھا کہ اس نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا تھا بلکہ اس کا گناہ یہ تھا کہ اس نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی۔

حقیقت میں اس طرح سعد کی زندگی کا خاتمہ کیا گیا، لیکن یہ تاریخی حادثہ مؤرخین کیلئے ناپسند تھا ان میں سے ایک جماعت نے اس قضیہ کو ذکر ہی نہیں کیا ہے [1]

اور ایک جماعت نے غیر واضح طور پر لکھا ہے کہ سعد بن عبادہ کو جنوں نے قتل کیا ہے [2]

لیکن افسوس ہے کہ اس تاریخی راز کو ہمارے لئے واضح نہیں کیا گیا آخر سعد بن عبادہ کی جنوں کے ساتھ کونسی دشمنی اور عداوت تھی اور جنوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اصحاب میں سے صرف سعد کے دل کو اپنے تیروں کا نشانہ کیوں قرار دیا؟ ہماری نظر میں اگر اس داستان میں یہ اضافہ

۱۔ جیسے طبری، ابن اثیر اور ابن کثیر نے اپنی تاریخوں میں۔

۲۔ جیسے ریاض الدین طبری نے ریاض النضرہ میں ''ابن عبدالبر نے استیعاب میں اور مندرجہ ذیل مآخذ نے سعد کی بیعت سے انکار کو ذکر کیا ہے: ۱۔ ابن سعد نے طبقات میں، ۲۔ ابن قتیبہ نے الامامة والسیاسہ میں، ۳۔ ابن جریر نے اپنی تاریخ میں، ۵۔ ابوبکر جوہری نے ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ کی روایت میں، ۔ مسعودی نے مروج الذہب میں، ۷۔ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں، ۸۔ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں، ۹۔ ابن اثیر نے اسد الغآبہ میں، ۹۔ محب الدین طبری نے ریاض النضرہ میں، ۱۰۔ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں، ۱۱۔ تاریخ الخمیس، ۱۲۔ علی بن برہان الدین نیالسیرة الحلبیہ میں، ۱۳ ابوبکر جوہری نے السقیفہ اور ۱۴۔ بلاذری نے انساب الاشراف میں۔

کرتے کہ ''چونکہ سعد نے بیعت سے انکار کیا تھا اور سعد کا یہ عمل صالح جنوں کیلئے ناپسند تھا، اس لئے انہوں نے اس کے قلب پر، دو تیر مار کر اسے ہلاک کر دیا''

تو ان کی یہ جعلی داستان بہتر اور مکمل تر ہوتی !!

۱۲۔ عمر کا نظریہ

اس سے قبل ہم نے ابو بکر سے عمر کی بیعت کی روداد بیان کی ہے، لیکن اس سلسلے میں انہوں نے اپنا عقیدہ اس طرح بیان کیا ہے:

''بے شک میرے کانوں تک یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک شخص نے کہا ہے کہ خدا کی قسم جب عمر بن خطاب مر جائے گا تو میں فلاں کی بیعت کروں گا، کوئی اس عمل کو صحیح قانونی تصور نہ کرے، کیونکہ ابو بکر کی بیعت ایک لغزش اور خطا تھی جو انجام پائی اور گزر گئی، حقیقت میں ایسا ہی تھا، لیکن خداوند عالم نے لوگوں کو اس خطا کے شر سے نجات دیدی۔''[1]

۱۳۔ ابو سفیان

ابو سفیان بھی ان لوگوں میں سے ایک تھا جنہوں نے ابو بکر کی حکومت کی شدید مخالفت کی اور صراحت کے ساتھ اعتراض کیا اور اپنی مخالفت کو قول و فعل کے ذریعہ اعلان کیا اس روداد کی تفصیل اگلی فصل میں بیان ہوگی۔

۱۔ طبری، ابن اثیر اور ابن کثیر میں قصہ سقیفہ ملاحظہ ہو۔

حضرت ابوبکر کی حکومت کے خلاف ابوسفیان کی بغاوت

ولیس لھا الا أباالحسن علیّ

"ابوالحسن علیؑ کے علاوہ کوئی خلافت کا مستحق نہیں ہے"

ابوسفیان

ابوسفیان کا نام صخر بن حرب بن امیۃ بن عبدالشمس بن عبد مناف تھا، اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اس وقت تک جنگ کی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مکہ کو فتح کر کے قریش کو واضح شکست دیدی، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے چچا عباس کی شفاعت پر ابوسفیان کو معاف کر کے اس کا احترام کیا اور اپنی وفات سے پہلے اسے کسی مأموریت پر بھیجا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے وقت ابوسفیان مدینہ میں موجود نہیں تھا[1] وہ سفر سے واپس آ رہا تھا راستے میں مدینہ سے آنے والے ایک شخص سے ملاقات ہوگئی تو اس سے پوچھا: کیا محمدؐ نے وفات پائی ہے؟

۱۔ استیعاب ج ۲/۱۸۱، اصابہ ج ۲/۱۷۲، اور اس سفر سے واپس آنے کی تفصیلات کو العقد الفرید ج ۳/۶۲ اور ابوبکر جوہری بہ روایت ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ۲/۱۳۰ سے نقل کیا ہے۔

اس شخص نے جواب دیا: جی ہاں۔

اس نے پوچھا: ان کا جانشین کون بنا؟

اس نے کہا: ابوبکر

ابوسفیان نے پوچھا: علی علیہ السلام وعباس، ان دومظلوموں نے کیا ردعمل دکھایا؟

کہا: وہ خانہ نشین ہوگئے۔

ابوسفیان نے کہا: خدا کی قسم! اگر میں ان کیلئے زندہ رہا تو انھیں عروج تک پہنچادوں گا، اور کہا: معاشرے کے ماحول میں ایک گردوغبار کو دیکھ رہا ہوں، کہ خون کی بارش کے علاوہ کوئی چیز اسے دور نہیں کرسکتی، اس لئے جب مدینہ میں داخل ہوا تو مدینہ کی گلیوں میں قدم بڑھاتے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

بنی هاشم لا تطمعوا الناس فيكم و لا سيّما تيم بن مرّة اوعدی

فما الامر إلا فيكم و اليكم و ليس لها إلا ابوحسن علیّ

ترجمہ:

''اے ہاشم کی بیٹو! لالچ سے لوگوں پر حکومت کرنے کی راہ کو بند کرو، خاص کر دوقبیلوں تیم بن مرہ وعدی پر (تیم قبیلۂ ابوبکر اور عدی قبیلہ عمر تھا) یہ حکومت ھمارے ہاتھ سے نکل چکی ہے اور آخر کار تمہاری طرف لوٹنی چاہیے اور علیؑ کے علاوہ کوئی حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کا سزاوار نہیں ہے۔

یعقوبی نے ان دو اشعار کے علاوہ مندرجہ ذیل دو شعر کا بھی اضافہ کیا ہے:

ابا حسن فاشدد بها کف حازم فانک بالامر الذی یرتجی ملی

و ان امرء اً یرمی قصّی وراء ہ عزیز الحمی و الناس من غالب قصیّ[1]

طبری کی روایت کے مطابق ابوسفیان آگے بڑھتے ہوئے کہتا تھا:

خدا کی قسم! فضا میں ایک گرد وغبار کو دیکھ رہا ہوں کہ خون کے علاوہ کوئی چیز اسے زائل نہیں کرسکتی۔ اے عبدمناف کے فرزندو! ابوبکر کا آپ کے ساتھ کیا واسطہ ہے؟!

یہ دو مظلوم اور خوار ہوئے علیؑ اور عباسؓ کہاں ہیں؟! اس کے بعد کہا: اے ابوالحسن اپنے ہاتھ کو آگے بڑھاؤ تا کہ میں تیری بیعت کروں، علیؑ نے پرہیز کیا اور اسے قبول نہیں کیا تو ابوسفیان نے درج ذیل عاجزانہ اشعار پڑھے۔

ان الهوان حمار الاهل یعرفه و الحُرّ ینکره و الرسلة الأُجُدُ

و لا یُقیمُ علی ضیم یراد به الا الاذلاّن عیر الحیّ و الوتد

هذا علی الخسف معکوس برمته و ذا یشج فلا یبکی له احداً[2]

ترجمہ:

پالتو گدھا تن بہ خواری دیتا ہے نہ آزاد اور طاقتور! پستی وخواری کے مقابلہ میں کوئی چیز طاقت وبردباری نہیں رکھتی، بجز دو چیزوں کے کہ بالاخر دونوں چیزیں ننگ وعار ہیں، ایک خیمہ کی میخ کہ ہمیشہ

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲/ ۱۰۵، موفقیات میں روئیداد کو مفصل تر نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ ج ۶/ ۷۔

۲۔ ابوبکر جوہری کی سقیفہ میں بیان کی گئی روایت بھی تقریباً اسی معنی میں ہے۔ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج ۲/ ۱۳۰، طبع مصر۔

اسکے سر پر ہتھوڑا مارا جاتا ہے اور قبیلہٗ کے اونٹ جو مسلسل عذاب میں ہوتے ہیں اور کوئی ان کی حالت پر رحم نہیں کھاتا....

''اے آل عبد مناف''! کا نعرہ ان دنوں ابوسفیان کے امویوں کے زبان زد تھا اور معاشرے کی فضا اس نعرے سے گونج رہی تھی کہ تاریخ میں تغیر پیدا کریں لیکن ابوسفیان کی بیعت کو قبول کرنے سے علی علیہ السلام کے انکار نے اسے ناکام بنا دیا۔

ابوسفیان کی یہ حمایت اور علی علیہ السلام کا انکار بہت تعجب آور ہے!!!!

ابوسفیان وہ شخص تھا جس نے حتی الامکان پوری طاقت کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی اور مجبور ہو کر اسلام قبول کرنے تک مقابلہ اور جنگ سے پرہیز نہیں کیا، آج کیا ہوا ہے کہ وہ اپنے دیرینہ دشمن اور چچازاد بھائی کیلئے اس طرح کی قربانی دے رہا ہے؟ کیا ابوسفیان واقعی طور پر علی علیہ السلام کا یار و مددگار تھا؟ یا یہ کہ اس کا مقصد اور غرض فتنہ وشورش ایجاد کرنا تھا؟

اس سے بھی دلچسپ تر علی علیہ السلام کا کام ہے، علی علیہ السلام جو چھ ماہ تک ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کرتے رہے، اور مہاجر و انصار کو اپنے گھر دعوت کرتے اور ان سے مدد طلب کرتے تھے حتیٰ اپنے اور اپنے گھر والوں کے جلائے جانے کی دھمکی سے دوچار ہوئے آخر اس میں کیا راز تھا کہ قریش کے دو بزرگ ہستیوں عباس اور ابوسفیان کی طرف سے بیعت کرنے کی پیشکش کو ٹھکرا دیا!!

اور بیگانوں سے بیعت کی درخواست کی؟! یہ انتہائی دلچسپ اور تعجب آور بات ہے!

لیکن یہ تعجب اور حیرت کا مقام اسی وقت دور ہوسکتا ہے جب ہم دونوں (علی اور ابوسفیان) کے مقاصد کی جانچ پڑتال کریں۔

اولاً، ابوسفیان، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور لوگوں میں آپ کی حیثیت کو صرف مادی اور دنیوی نگاہ سے دیکھتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ یہ جو سرداری رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی ہے یہ وہی سرداری ہے جسے آپ کے اسلاف نے ابوسفیان سے لے لی تھی، اس بنا پر ابوسفیان پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اسی موروثی سرداری کے سبب جنگ کر رہا تھا اور اس دوران جس چیز کو وہ حساب میں نہیں لاتا تھا، وہ دین مقدس الٰہی تھا۔ ابوسفیان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامیابی اور اپنی موروثی سرداری کو کھو جانے کا ایک اصلی اور بنیادی سبب جانتا تھا اسی وجہ سے جس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کو فتح کیا، ابوسفیان، جس نے تازہ اسلام قبول کیا تھا اسکی شان وشوکت اور اسلامی فوج کا جاہ وجلال دیکھ کر عباس سے مخاطب ہو کر کہا: ''اے ابوالفضل! خدا کی قسم تیرے بھتیجے نے آج ایک طاقتور بادشاہت کی باگ ڈور ہاتھ میں لے لی ہے'' عباس نے اسے جواب دیا: اے ابوسفیان! یہ جو دیکھتے ہو، وہ نبوت ہے نہ کہ بادشاہت، ابوسفیان نے کہا: ایسا ہی ہوگا[1]

اس قسم کا شخص، جو اپنی قوم کا سردار تھا اور شکست کھا کر سرداری کو کھو بیٹھا تھا، اور اب یہ سرداری اس کے چچیرے بھائیوں کو مل رہی تھی، اس بات پر راضی نہ تھا کہ یہ سرداری اس کے چچیرے بھائیوں

۱۔ سیرہ ابن ہشام ج ۴/ ۲۳

سے بھی چھین کر بیگانوں کو دیدی جائے۔

اس مطلب کو سمجھنے کیلئے ہمیں قبل از اسلام جاہلیت میں قبیلوں کے درمیان مکمل طور پر حکم فرما خاندانی تعصّبات کی اہمیت کو سمجھنا چاہیے، اس جاہلانہ تعصب کو جڑ سے اکھاڑنے کے بارے میں اسلام کی عظیم جدو جہد سو فیصد کامیاب نہیں ہوئی تھی، برادری اور دوستی کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے سلسلے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی کوششیں مکمل نتیجہ تک نہیں پہنچی تھیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تر تلاش وکوششوں کے باوجود بھی تعصب کی آگ کے شعلے کم و بیش وقفے کے بعد بھڑ کتے تھے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی زندگی کے حالات کا مطالعہ اور تحقیق کرنے سے یہ مطلب مکمل طور پر واضح ہو جاتا ہے یہ تعصب عبد مناف کی اولاد میں تھا۔۔۔جس کے ہاتھ میں قریش کی سرداری تھی۔۔۔ دوسروں سے کم تر نہ تھا۔

ابن ہشام نے عباس سے روایت کی ہے کہ فتح مکہ کی شب عباس پیغمبر اسلام کے خچر پر سوار ہوکر باہر آئے اور تجسس کرنے لگے تاکہ کسی کا سراغ لگائیں اور اس کے ذریعہ قریش کو پیغام بھیجیں کہ وہ جلدی ہی اسلام کے سپاہیوں کے حملہ سے دوچار ہوں گے، اس لئے مصلحت یہی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور آکر امان چاہیں، عباس نے راستے میں ابوسفیان کو دیکھا جو مکہ سے باہر آیا تھا تاکہ پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں کوئی خبر حاصل کرے۔عباس نے ابوسفیان سے کہا: اچھا ہوا کہ میں نے تجھے دیکھ لیا، خدا کی قسم اگر اسلام کے سپاہی تجھے پا جائیں گے تو تیرا سر قلم کرے کر دیں گے ...اس کے بعد ابوسفیان کو اپنے ساتھ خچر پر سوار کر کے رسول خداؐ کے حضور لے جانے کیلئے آ گئے

بڑھا تا کہ اس کیلئے امان حاصل کرے، اسلام کے سپاہیوں نے رات کے اندھیرے میں ٹولیوں کی صورت میں بیٹھ کر آگ جلا دی تھی تا کہ اس سے ایک تو قریش خوفزدہ ہو جائیں اور اس کے علاوہ اس آگ کی روشنی دشمن کے احتمالی خطرہ کو رفع کر سکے۔ مسلمان، عباس کو ان کے پاس سے گزرتے دیکھ کر ایک دوسرے سے کہتے تھے، یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مرکب پر سوار ہوئے ہیں! ۱

عباس، عمر کے نزدیک سے گزرے،... جب عمر کی نظر ابوسفیان پر پڑی تو اس نے فریاد بلند کی : اے دشمن خدا! خدا کا شکر ہے جس نے تجھے بغیر اس کے کہ ہم تعرض کا کوئی عہد و پیمان تجھ سے باندھیں ہمارے جال میں پھنسا دیا اس کے بعد تیزی کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف روانہ ہوئے تا کہ آپ کو ابوسفیان کی گرفتاری کی خبر دیں اور ان سے قتل کرنے کی اجازت حاصل کریں۔

عباس نے جب یہ حالت دیکھی تو خچر کو چابک لگا کے عمر سے آگے بڑھ گئے۔

عباس کہتے ہیں : میں خچر سے جلدی نیچے اترا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حضور پہنچا، بلا فاصلہ عمر بھی اسی دم آپہونچے اور کہا: یا رسول اللہ! یہ ابوسفیان ہے کہ کسی قید و شرط کے بغیر پکڑا گیا ہے، اجازت دیجئے تا کہ اس کا سر قلم کردوں، میں نے کہا: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں نے ابوسفیان کو پناہ دیدی ہے اور وہ میری پناہ میں ہے؛ لہذا میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا، چونکہ عمر اپنے کام میں اصرار کر رہے تھے، اس لئے میں نے اس سے مخاطب ہو کر کہا:

۱۔ پیغمبر اسلام کے چچا کی شخصیت اور ابوسفیان کا عباس کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مرکب پر سوار ہونا اسلام کے سپاہیوں کے نزدیک ابوسفیان کیلئے ایک قسم کا امان نامہ تھا اور ابوسفیان کی توہین میں رکاوٹ بنا تھا

خاموش ہو جاؤ اے عمر! خدا کی قسم اگر ابوسفیان قبیلۂ عدی بن کعب کا ایک فرد ہوتا[۱] تو اس کے بارے میں تم اس قدر زبان درازی نہ کرتے، لیکن چونکہ جانتے ہو کہ وہ بنی عبد مناف[۲] سے تعلق رکھتا ہے اس لئے یہ گستاخی کر رہے ہو[۳]

اس زمانے کے لوگوں کے خاندانی تعصب کا اندازہ لگانے کیلئے یہی ایک مثال کافی ہے، بالکل واضح ہے کہ عباس اور عمر کو مشتعل کرنے کا تنہا سبب یہی خاندانی تعصب تھا اور کچھ نہیں، یہی سبب تھا جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد ابوسفیان کو تحت تاثیر قرار دیا اور چلا کر کہتا رہا: اے آل عبد مناف! ابوبکر کو آپ کے کام (یعنی سرداری) سے کیا تعلق ہے؟!![۴]

اور بعض اوقات کہتا تھا: ہمیں ابوفصیل کے ساتھ کیا تعلق ہے؟![۵]

یہ کام (یعنی خلافت) عبد مناف کی اولاد سے متعلق ہے[۶]

یہ مطلب کہ سرداری قبیلۂ عبد مناف سے متعلق ہے، اس روز خاندان قریش کے تمام افراد کیلئے واضح تھا۔ لہذا مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ جب ابوبکر کے باپ ابوقحافہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت

۱۔ عدی بن کعب عمر کا قبیلہ ہے۔

۲۔ بنی امیہ اور بنی ہاشم دونوں خاندان عبد مناف سے تھے۔

۳۔ ابن ہشام ج ۴/۲۱ سے خلاصہ کے طور پر نقل ہوا ہے۔

۴۔ طبری ج ۲/۴۴۹۔

۵۔ ''ابوفصیل'' ابوبکر کی طرف کنایہ ہے کہ عربی زبان میں بکر کا ایک معنی جوان اونٹ ہے اس کے دوسری معنی بھی ہیں ''فصیل'' اونٹ کے اس بچے یا بچھڑے کو کہتے ہیں جو ماں سے جدا ہوا ابوسفیان نے اس مناسبت سے ابوبکر کو 'ابوفصیل'' کہا ہے

۶۔ طبری ج ۲/۴۴۹۔

کی خبر سنی تو سوال کیا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حکومت کی باگ ڈور کو کس نے سنبھالا؟

خبر دینے والے نے کہا: تیرے بیٹے ابوبکر نے۔

اس نے سوال کیا: کیا عبد مناف کی اولاد اس کی حکمرانی پر راضی تھی؟

مخبر نے کہا: جی ہاں!

ابو قحافہ نے کہا جو چیز خداوند متعال کسی کو عطا کرے، کوئی بھی چیز اس میں رکاوٹ نہیں بن سکتی![1]

لہذا ابوسفیان، یعنی وہی شخص جو کل اپنے چچیرے بھائی، رسولؐ سے جنگ و مقابلہ کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتا تھا، علی علیہ السلام کے حق میں نعرے لگا کر کہتا تھا: خدا کی قسم اگر موت مجھے فرصت دیدے تو عباس و علیؑ کو عروج تک پہنچا دوں گا[2] اس کی اس بات کا سرچشمہ خاندانی تعصب تھا اور خاندانی فخر و مباہات کے علاوہ ہرگز کوئی اور مقصد نہیں رکھتا تھا!

معروف عربی ضرب المثل ہے: ''انا علیّ اخی ، و انا و اخی علی بن عمی و انا و اخی و بن عمی علی الغریب '' یعنی، میں اپنے بھائی سے دشمنی کرتا ہوں لیکن چچیرے بھائی کے خلاف اپنے بھائی کی حمایت کرتا ہوں اور اگر لڑنے والا اجنبی ہو تو اپنے بھائی اور چچیرے بھائی سے اتفاق و یکجہتی کر کے اجنبی کے خلاف لڑتا ہوں، کیونکہ اجنبی کے حملہ کے وقت تمام خاندان والوں کو متحد ہو کر دفاع کرنا چاہئے۔

۱۔ انساب الاشراف بلاذری ج۱/ ۵۸۹، شرح نہج البلاغہ ج۱/ ۵۲، عبارت دوسرے مآخذ سے نقل کی گئی ہے۔

۲۔ العقد الفرید ج۳/ ۶۰۔

اس لحاظ سے ضروری تھا کہ اس روز ابوسفیان اپنے چچازاد بھائی علی علیہ السلام کے حق میں ابو بکر کے خلاف دفاع کرے، کیونکہ ابوسفیان اور علی علیہ السلام دونوں عبد مناف کی اولاد تھے، لیکن اس کے مقابلہ میں ابوبکر اجنبی تھا۔

اس لئے اس دن ابوسفیان نعرہ بلند کر رہا تھا، یا آل عبد مناف!... حق تھا ابوسفیان کا یہ نعرہ تاریخ کے رخ کو بدل کے رکھ دے، کیونکہ قریش کی سرداری ہمیشہ خاندان عبد مناف کے ہاتھوں میں رہی تھی، قبیلۂ عبد مناف کے دو خاندانوں (بنی ہاشم و بنی امیہ) کے درمیان سرداری پر ہمیشہ سے کشمکش ہونے کے باوجود، اس وقت ان کے خاندان کے ہاتھ سے سرداری اور افتخار کے چلے جانے کا خطرہ تھا، اس لئے عبد مناف کی اولاد سے منشعب[1] تمام قبیلے ایک صف میں قرار پاتے تھے اگر ان قبیلوں کے بے شمار افراد اپنے چچیرے بھائیوں کے همراه (جو قبائل قصی سے تھے) متحد ہوتے، تو ایک ایسی طاقتور پارٹی تشکیل پاتی اور ابوسفیان کو یہ کہنے کا حق تھا کہ: جس شخص کی حمایت قبیلۂ قصی (اس میں قبیلۂ عبد مناف ہے) کرتا ہو، وہ بے شک طاقتور اور کامیاب ہے۔

اور یہ شخص وہی علی ابن ابیطالب تھے، ابوبکر جیسے شخص کے مقابلہ میں جو قبیلۂ تیم بن مرۃ سے تعلق رکھتے تھے کہ جو کبھی مقابلہ نہیں کرسکتا تھا، کیونکہ جیسا کہ ابوسفیان نے قبیلۂ تیم کو قریش کے ایک چھوٹے اور کمزور قبیلہ کے طور پر معرفی کرائی ہے نہ ان کی تعداد زیادہ تھی اور نہ ان میں قابل توجہ کوئی

۱۔ قبیلۂ ہاشم، نوفل، مطلب و عبد شمس سے کہ صرف عبد شمس قبائل عبلات سے تھا اور ربیعہ، عبد العزی، حبیبہ اور امیہ و.... بھی مختلف خاندانوں میں منشعب ہوا تھا انہیں میں ایک ابوسفیان کے باپ حرب کا گھرانہ ہے۔

شخصیت تھی ویسا ہی قبیلہ عدی بھی تھا جس سے عمر تعلق رکھتے تھے۔

ان دو خاندانوں میں سے ایک بھی قریش کے شریف اور بزرگ قبیلہ قصی سے نہیں تھا، قبیلہ قصی سے عبد مناف تھے، یہی قبیلہ علی علیہ السلام کی طرفداری اور حمایت کرتا تھا نہ ابوبکر کی۔

اسی بنا پر ابوسفیان کی بغاوت خصوصاً بعض اوقات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس کا بھی اس کا ساتھ دینا اور اس کی حمایت کرنا، ایسی موثر کاروائی تھی کہ تمام سازشوں کو ناکام بنا کر رکھ دیتی اور اس زمانے میں مختلف گروہوں کے درمیان جنگ و پیکار کا سرچشمہ خاندانی تعصب تھا اور اس خاندانی تعصب سے اجتناب ممکن بھی نہیں تھا۔

اس زمانے کے تمام تاریخی حوادث تعصب کے محور کے گرد چکر لگاتے ہیں، صرف علیؑ اس طریقہ کار کے مخالف تھے اور اسی وجہ سے بہ ظاہر ناکام رہے۔

اصولی طور پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد خاندانی تعصب اپنے عروج پر پہنچا تھا، انصار کا سقیفہ میں جمع ہونا اور سعد کی بیعت کرنے کا اقدام صرف تعصب کی بنیاد پر تھا ورنہ وہ خود جانتے تھے کہ مہاجرین میں ایسے افراد موجود ہیں جو سعد سے بہت زیادہ فاضل تر اور پرہیز گار تھے، اسی طرح ان کی ابوبکر کے ساتھ بیعت کرنے میں خاندانی تعصب کے علاوہ اور کوئی بنیاد نہیں تھی وہ اس طرح چاہتے تھے کہ سرداری خاندان خزرج میں نہ چلی جائے، کیونکہ ان دو قبیلوں اوس وخزرج کے درمیان زمانہ جاہلیت میں مسلسل خونین جنگیں رونما ہوتی رہی تھیں۔

سقیفہ میں ابوبکر عمر کی تقریر سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ان کی پارٹی کے افراد کس حد تک خاندانی تعصب اور جذبات کے زیر اثر تھے اور کس حد تک ان جذبات اور خاندانی تعصب سے انہوں نے اپنی پارٹی کے مفاد میں فائدہ اٹھایا۔

ابوسفیان بھی انہی جذبات سے متأثر ہوا تھا اور علی علیہ السلام کے حق میں اس طاقت سے فائدہ اٹھانے میں اپنے مخالفوں کے مقابلہ میں کمزور نہیں تھا وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح تعصب کے پنجے میں پھنس گیا تھا صرف علی علیہ السلام کی ذات تھی جس کا طرز تفکر ان چیزوں سے الگ تھا کہ حکومت کی باگ ڈور کو تعصب کی طاقت سے حاصل کریں چونکہ آپ برسوں تک پیغمبر اسلام کے شانہ بہ شانہ خاندانی اور قومی تعصّبات کو نابود کرنے کیلئے مسلسل جہاد کر چکے تھے[۱]

اگر علی علیہ السلام اپنے لئے حق حاکمیت کا مطالبہ کرتے تھے، تو وہ اسلئے تھا کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جس کی بنیاد قرآن اور دین کے حکم کے علاوہ کسی اور چیز پر نہ ہو، علی علیہ السلام چاہتے تھے، سلمان، ابوذر اور عمار جیسے صحابی ان کی حمایت کریں تا کہ ان کی حمایت میں عقیدۂ الٰہی کے سوا کوئی اور بنیاد اور سبب نہ ہو، نہ ابوسفیان جیسوں کی حمایت جس کی حمایت کا سبب دنیاوی امور اور خاندانی تعصب کے علاوہ کوئی اور چیز نہ تھی''

ہماری گفتگو کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر چہ ابوسفیان حضرت علی علیہ السلام کی نسبت اظہار تعصب کرنے میں دینی محرک نہیں رکھتا تھا. لیکن پھر بھی خاندانی تعصب کے اثر میں حقیقی معنوں میں علی علیہ السلام کا حامی تھا، لیکن تاریخ کے ظالم ہاتھوں نے جب دیکھا کہ ابوسفیان نے ابوبکر کے سامنے سر تسلیم

ختم نہیں کیا تو اس انقلاب کی حیثیت کو داغدار کرنے کیلئے ، تاریخ کے صفحات میں لکھ دیا کہ ابوسفیان ایک مہم جو اور شورش برپا کرنے والا شخص تھا اور اس بغاوت سے اس کا مقصد صرف فتنہ برپا کرکے معاشرے کے امن وسلامتی کو درہم برہم کرنا تھا! اس کے علاوہ یہی تاریخی ظلم ان تمام افراد کے بارے میں روا رکھا گیا ہے جنہوں نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا، انھیں بلوائی شورشی اور مرتد کہا گیا ہے اس تہمت کو ابوسفیان کے بارے میں حقیقت سے زیادہ قریب کیلئے اس روایت کو حضرت علی علیہ السلام کی زبانی جعل کیا گیا ہے کہ جب ابوسفیان نے علی علیہ السلام سے کہا کہ: ''کیوں یہ کام قبیلہ قریش کے کم تر اور سب سے چھوٹے خاندان کو سونپا جائے؟ خدا کی قسم اگر اجازت دو تو مدینہ کو سواروں اور پیادہ سے بھر دونگا ، تو علی علیہ السلام نے ابوسفیان کے جواب میں فرمایا: ''اے ابو سفیان! تم نے ایک طولانی عمر اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں گزاری ہے. لیکن دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے ہو، ہم نے اس کام کیلئے ابوبکر کو شائستہ اور لائق پایا ہے!!''[1]

اس روایت کی جانچ پڑتال میں بھی ہم اس روایت کی سند پر اعتراض کرتے ہیں، کیوں کہ اس کا راوی دسیوں سال اس واقعہ کے بعد گذرا ہے ان روایتوں میں سے بعض کا راوی ابوعوانہ ہے کہ جو حدیث گڑھنے میں مشہور تھا اور اس کے بارے میں کہا گیا ہے:

کان عثمانیاً یضع الاخبار[2]

۱۔طبری ج۳/۲۰۲۔

۲۔ابوعوانہ کے حالات ''لسان المیزان'' ج۴/۳۸۴، الحضارۃ الاسلامیہ ادم متز ج۱/۸۳، ابوعوانہ ۱۵۸ھ میں فوت ہوا۔دوسری روایت کا راوی ''مرۃ'' ہے کہ اس کے بارے میں کہا گیا ہے: اس نے ابوبکر و عمر کو نہیں دیکھا ہے، تہذیب التہذیب ج۱۰/۸۹۔

اس کے علاوہ متن روایت کے بارے میں بھی ہمارا اعتراض ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو معلوم نہیں ابوسفیان نے حضرت علی علیہ السلام کے جواب میں کیوں نہ کہا: اگر ابوبکر اس مقام کیلئے سزاوار ہے تو کیوں خود اس کی بیعت نہیں کرتے ہو؟[1]

علیؑ نے ہرگز نہیں فرمایا ہے کہ "ہم نے اس کو اس کام کیلئے لائق پایا" بلکہ آپ نے فرمایا ہے:

اگر فولادی عزم والے چالیس آدمی ہماری نصرت کرتے تو ہم مقابلہ اور مبارزہ کرنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے[2]

اس بات میں ابوسفیان کی طرف کنایہ ہے کہ یعنی تم ویسے مرد نہیں ہو جیسا میں چاہتا ہوں۔

حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ کو لکھے گئے اپنے ایک خط میں ابوسفیان کی حمایت کے بارے میں یوں ذکر فرمایا ہے:

تیرا باپ ہمارے حق کو تجھ سے بہتر سمجھتا تھا، اگر تم اسی قدر کہ تیرا باپ ہمارے حق کو جانتا تھا، جانتے، تو معلوم ہوتا کہ عقل وفکر کی پختگی کے مالک ہو[3]

ابوسفیان جب حضرت علی علیہ السلام سے ناامید ہوا، دوسری طرف سے حکام وقت بھی اسکی مخالفت سے ڈرتے تھے، لہذا حضرت عمر ابوبکر کے پاس جا کر بولے: اس گھٹیا آدمی کے شر سے محفوظ نہیں رہا جاسکتا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہمیشہ اس کی اس لئے دلجوئی فرماتے تھے، جتنا بھی صدقہ اور بیت المال اس کے پاس ہے اسے بخش دو تا کہ خاموش رہے۔

۱۔ گزشتہ فصل کے عنوان "ابوبکر کی بیعت کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام کی پالیسی" ملاحظہ ہو۔

۲۔ گزشتہ فصل کے عنوان "ابوبکر بیعت کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام کی پالیسی" ملاحظہ ہو۔ اس کے علاوہ معاویہ کا حضرت علی علیہ السلام کے نام خط ملاحظہ ہو۔

۳۔ کتاب صفین نصر بن مزاحم ۴۹، العقد الفرید ج ۳/۱۳، شرح ابن ابی الحدید ج ۲/۲۲۱۔

ابوبکر نے ایسا ہی کیا تو ابوسفیان نے راضی ہوکر ابوبکر کی بیعت کر لی[1]

طبری کی روایت سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ ابوسفیان نے اس وقت تک ابوبکر کی بیعت نہیں کی جب تک اس نے اپنے بیٹے یزید بن ابوسفیان کو شام بھیجے جانے والے لشکر کی کمانڈری کا حکم حاصل نہیں کر لیا[2]

اس سے پتا چلتا ہے کہ ابوسفیان حضرت علی علیہ السلام کی حمایت کرنے میں کس قدر دینی و الٰہی پہلوؤں کی رعایت کرتا تھا اور کس حد تک دنیوی اور مادی منافع کے پیچھے تھا!!

۱۔ العقد الفرید ۳/ ۶۲۔

۲۔ طبری ج ۲/ ۴۴۹۔

سقیفہ کی داستان کے بارے میں سیف کی روایتوں کی چھان، بین

تتابع المهاجرون علی بیعته من غیر ان یدعوهم

مہاجرین کی جماعت کے افراد یکے بعد دیگرے ابوبکر کی بیعت کرتے تھے، بغیر اس کے کہ ان سے کوئی بیعت کرنے کی دعوت کرتا

سیف

و ان جمیع بنی هاشم و جمعاً من المهاجرین تخلّفوا عن بیعة ابی بکر

تمام بنی ہاشم اور مہاجرین کی ایک پارٹی نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا

مورخین

کتاب کی فصلوں کے درمیان ربط

ہم نے اس کتاب کی پہلی فصل میں سپاہ اسامہ کے بارے میں سیف کی روایتوں کی بررسی کی، کتاب کی دوسری فصل سے سقیفہ کی داستان کو شروع کیا اور اس فصل میں سقیفہ کی داستان کے بارے میں

سیف کی سات روایتیں نقل کیں، بعد والی فصلوں میں ہم نے دوسرے مؤرخین کی روایتوں پر روشنی ڈالی، اس فصل میں سیف کی سات روایتوں کو دوسرے تاریخ نویسوں کی روایتوں سے تطبیق اور موازنہ کیا اور اس تحقیق اور بررسی کے نتیجہ کا اعلان کرتے ہوئے کتاب کے اس حصہ کو اختتام تک پہنچایا ہے۔

اس کے بعد کتاب کے دوسرے حصوں میں سیف کی دوسری روایتوں پر بحث کی ہے۔

سیف کی روایتیں

سقیفہ کی داستان کے بارے میں سیف کی سات روایتوں کو اس کتاب کی پہلی فصل میں قارئین کرام نے مطالعہ فرمایا؛ یہاں پر ہم یاددہانی کے طور پر ان کا خلاصہ پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد دوسرے تاریخ نویسوں کی روایتوں سے ان کا موازنہ اور تطبیق کر کے ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگائیں گے:

اول: سیف نے قعقاع بن عمرو کے ساتھ انصار کی مخالفت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس نے کہا؛ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کو درک کیا ہے، پس جب ہم نے ظہر کی نماز پڑھ لی، ایک شخص آیا اور مسجد میں کھڑے ہو کر مہاجرین کو خبر دی کہ انصار سعد کو منتخب کرنے کیلئے جمع ہوئے ہیں اور اس طرح چاہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان کو توڑ دیں، اس خبر نے مہاجرین کو وحشت میں ڈالدیا۔

دوم: سیف نے ایک روایت میں، جسے اس نے سوال و جواب کی صورت میں پیش کیا ہے کہتا

ہے: کسی ایک نے بھی ابوبکر کی بیعت سے مخالفت نہیں کی مگران لوگوں نے جومرتد ہو گئے تھے اور دین اسلام سے منحرف ہو گئے تھے، یاتقریباًمرتد ہو گئے تھے تمام مہاجرین نے انھیں دعوت دے کر یکے بعددیگرے بیعت کی۔

سوم: مزیدروایت کی ہے کہ حباب بن منذر نے تلوار کھینچ لی اور عمر نے اس کے ہاتھ پر ایسی چوٹ لگائی کہ تلواراس کے ہاتھ سے گرگئی اس کے بعد انصار بیماراورصاحب فراش سعد کے بدن پر سے چھلانگ لگا کر یکے بعددیگرے بیعت کرتے رہے،اورانصار کی یہ مخالفت عصر جاہلیت کی لغزشوں کے مانندایک خطاتھی،ابوبکر نے اس کاڈٹ کرمقابلہ کیا۔

چہارم: اس نے روایت نقل کی ہے کہ سعد نے ابوبکر سے کہا: تم کومہاجرین اور میری قوم (انصار) نے مجھے بیعت کرنے پرمجبورکیا۔

ابوبکر نے جواب میں کہا: اگر ہم تجھے معاشرے کوچھوڑنے پرمجبورکرتے اورتم ہماری مرضی کے خلاف معاشرے سے جاملتے توکوئی بات تھی،لیکن ہم نے تجھے معاشرے سے ملنے پرمجبورکیا ہے، اب واپس لوٹ نہیں سکتے ہو،اگرنافرمانی کرو گے یا معاشرے میں تفرقہ اندازی کرو گےتو ہم تیرا سر قلم کردیں گے۔

پنجم: علی ابن ابیطالب کی بیعت کے بارے میں کہتا ہے:

حضرت علی علیہ السلام گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ خبردی گئی کہ ابوبکر بیعت لینے کیلئے بیٹھے ہیں،

حضرت علی عبا و شلوار کے بغیر صرف ایک کرتا پہنے ہوئے حیران و پریشان حالت میں گھر سے باہر نکل آئے تا کہ ابو بکر کی بیعت کرنے میں تاخیر نہ ہو جائے، اور دوڑتے ہوئے ابو بکر کی بیعت کی اس کے بعد کسی کو بھیج دیا تا کہ ان کا لباس لائے۔

ششم: سیف نے نسبتاً طولانی دو خطبوں کو ابو بکر سے منسوب کیا ہے کہ لوگوں کی طرف سے بیعت کئے جانے کے بعد انھوں نے یہ خطبہ دیئے ہیں، اور سیف کہتا ہے کہ ابو بکر نے ان خطبوں میں موت، دنیا کے فانی ہونے اور قیامت کے بارے میں بیان کیا ہے۔

ہفتم: اور خالد بن سعید اموی کی، حضرت ابو بکر کی بیعت سے مخالفت کے بارے میں روایت کی ہے خالد بن سعید نے امن و آشتی صلح وصفا کے زمانے میں حریر کا لباس پہنے ہوئے تھے عمر نے حکم دیا کہ ان کے جسم سے اس لباس کو پھاڑ کر اتار دیا جائے یہی وجہ تھی کہ خالد نے حضرت علی سے کہا اے عبد مناف کے بیٹو! کیا تم لوگوں نے شکست کھائی ہے اور مغلوب ہو چکے ہو! حضرت علی علیہ السلام نے جواب میں کہا؛ کیا تم اسے جنگ جانتے ہو یا خلافت؟! عمر نے خالد سے کہا؛ خدا تیرے منہ کو توڑ دے تم نے ایک ایسی بات زبان پر جاری کی ہے جو جھوٹ بولنے والوں کیلئے ہمیشہ کیلئے سند کے طور پر باقی رہے گی.....

مذکورہ سات روایتوں کے اس مجموعہ سے مندرجہ ذیل خاص اور بنیادی نکات قابل تحقیق ہیں؛

۱۔ یہ کہ حضرت علی علیہ السلام نے پہلے ہی دن عجلت کے ساتھ ابو بکر کے پاس جا کر ان کی

بیعت کی

۲۔ یہ کہ سعد بن عبادۂ انصاری نے پہلے ہی دن بیعت کی۔

۳۔ یہ کہ ابوبکر کی خلافت، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایک عہد و پیمان تھا۔

۴۔ یہ کہ حباب بن منذر انصاری نے سقفیہ میں تلوار کھینچی ہے

۵۔ یہ کہ ابوبکر نے بیعت کے بعد دو طولانی خطبے جاری کئے ہیں۔

۶۔ یہ کہ سقیفہ میں رونما ہونے والی روداد کے بارے میں خالد بن سعید قبیلوں کے درمیان مقابلہ اور مبارزہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس تعبیر پر علی اور عمر کی طرف سے مورد اعتراض قرار پاتے ہیں۔

۷۔ یہ کہ مرتدوں کے علاوہ کسی ایک نے بھی ابوبکر کی بیعت سے انکار و مخالفت نہیں کی۔

اب ہم بحث کے اس حصہ میں مذکورہ نکات کی بالترتیب چھان بین کرتے ہیں۔

تطبیق اور بررسی

جب ہم سیف کی روایتوں کو صحیح اور متواتر روایتوں، جن میں سے بعض کو ہم نے اس سے قبل والی روایتوں کے پہلو میں قرار دیکران میں موازنہ کرتے ہیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ سیف خلاف واقع حدیث جعل کرنے میں حد درجہ حریص اور لالچی تھا۔

اول: سیف اپنی روایتوں میں اصحاب اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ داروں خاص کر بنی ہاشم اور مہاجرین کے امیدوار حضرت علی علیہ السلام اور انصار کے نمائندہ سعد کا نام لیتا ہے

اورصراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ ان دوافراد نے پہلے ہی دن ابوبکر کی بیعت کی، جبکہ دوسرے مؤرخین کی روایتوں (جن کو ہم نے گزشتہ فصلوں میں نقل کیا ہے) سے واضح اور مکمل طور پر پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کھلم کھلا اپنے لئے خلافت کا مطالبہ کرتے تھے اور بنی ہاشم کے تمام افراد اور مہاجرین کے بھی کچھ لوگوں نے ان کے حق میں ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا، اور یہ سب حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کرنا چاہتے تھے، کہا گیا ہے کہ جب تک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام زندہ تھیں، حضرت علی علیہ السلام اور بنی ہاشم میں سے کسی ایک نے بھی ابوبکر کی بیعت نہیں کی! لیکن سیف کہتا ہے:

> ''حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے ہی دن عجلت کے ساتھ بلکہ اسی لمحہ میں ابوبکر کی بیعت کی! جبکہ حضرت علی علیہ السلام اس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے اور بنی ہاشم کے دیگر افراد ایک لمحہ کیلئے بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ سے جدا نہیں ہوئے اور دوسروں کی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے محروم نہیں رہے۔

لیکن سیف کہتا ہے: ''علی جلد بازی کی شدت کی وجہ سے عبا و شلوار کے بغیر دوڑتے ہوئے گھر

سے باہر آئے اور ابوبکر کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر ان کی بیعت کی اور اس کے بعد ان کے پاس بیٹھے''

اگر سیف کا یہ کہنا صحیح ہے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ کا کیا حال ہوا؟! تجہیز و تکفین کے کام کو کس نے انجام دیا؟! سیف یہ کہنا بھول گیا ہے...

دوم: سعد نے عمر کی خلافت تک بیعت نہیں کی اور اپنے گھر اور گھر والوں سے دور شام کی سرزمین میں دو، پریوں نے تیر مار کر اسے ہلاک کیا، اس کی جلاوطنی اور عالم تنہائی میں قتل ہونے کی علت صرف اور صرف سند جرم اس کا بیعت سے انکار کرنا تھا۔

سوم: اس نے قعقاع بن عمرو سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: میں رسول اللہ کی رحلت کے دن مسجد میں تھا، نماز کے بعد ایک شخص آیا اور مہاجرین کو خبر دی کہ انصار جمع ہوئے ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد و پیمان کے خلاف سعد کی بیعت کرنا چاہتے ہیں!

جیسا کہ پہلے اشارہ ہوا کہ سیف روایت جعل کرنے میں خاص تجربہ اور مہارت رکھتا تھا، مثلاً اس روایت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک عہد و پیمان کا نام لیا ہے اور لشکر اسامہ کی روایت کو نقل کرتا ہے تا کہ اس عہد و پیمان سے مربوط شخص معلوم ہو جائے، جہاں پر کہتا ہے: جوں ہی اسامہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی خبر ملی، اپنا سفر موقوف کر کے عمر کو خلیفۂ رسول ؐ ابوبکر کے پاس بھیجا...

ان دو روایتوں کو پڑھنے والا پہلی روایت سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ خلافت کے بارے میں

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کوئی عہد و پیمان تھا اور انصار اس کی خلاف ورزی کرنا چاہتے تھے دوسری روایت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ عہد و پیمان ابوبکر کے بارے میں تھا سیف کہتا ہے جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کی خبر اسامہ کو ملی تو وہ اس جگہ رک گیا اور عمر کو رسول خداؐ کے پاس بھیجا۔

ایک دوسری روایت میں وہ خود بھی اس نظریہ کی تائید کرتے ہوئے کہتا ہے: تمام مہاجرین نے بغیر اسکے کہ کوئی انھیں دعوت دے یکے بعد دیگرے بیعت کی، لیکن ہم تحقیق اور بررسی کے بعد دیکھتے ہیں کہ اس روایت کا راوی قعقاع بن عمرو درحقیقت خارج میں وجود ہی نہیں رکھتا ہے اور سیف کے افسانوں کا جعلی ہیرو ہے، ہم نے اس مطلب کو اپنی کتاب ''ایک سو پچاس جعلی اصحاب'' میں واضح طور پر بیان کیا ہے۔

چہارم: سیف کہتا ہے کہ حباب بن منذر انصاری نے سعد بن عبادہ کی بیعت کیلئے تلوار کھینچ لی، جبکہ حقیقت میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی زبیر بن عوام نے علی کے حق میں بیعت لینے کیلئے تلوار کھینچ لی تھی، لیکن چونکہ زبیر اور علیؑ مہاجروں میں سے تھے اسلئے سیف کہنا چاہتا تھا کہ مہاجرین میں سے کسی ایک نے بھی ابوبکر کی مخالفت نہیں کی صرف انصار تھے جنھوں نے مخالفت کی، لہذا اس نے زبیر کے کام کو حباب سے منسوب کیا ہے! اور یہ کہ اسکا کام بھی سعد انصاری کی حمایت میں تھا نہ حضرت علی قریشی کی حمایت میں۔

پنجم: عمر نے ابو بکر سے بیعت کے بارے میں کہا تھا: ابو بکر سے بیعت کرنا زمانۂ جاہلیت کی لغزشوں جیسی ایک لغزش اور خطا تھی[۱] سیف نے عمر کے بیان پر پردہ پوشی کرنے کیلئے ابو بکر کی بیعت سے انصار کی مخالفت کو ''فلتۃ'' یا لغزش سے تعبیر کیا ہے تا کہ پڑھنے والا خیال کرے کہ عمر کی مراد ''فلتۃ'' سے وہی لغزش تھی!!

ششم: سیف نے نسبتاً طولانی دو خطبوں کو ابو بکر سے منسوب کیا ہے کہ لوگوں کی بیعت کرنے کے بعد ابو بکر نے ان دو خطبوں کو جاری کیا ہے، اگر ان دو خطبوں پر دقت اور جانچ پڑتال کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سیف کی یہ روایت بھی اس کی دیگر روایتوں کے مانند جعلی ہے کیونکہ اس کے باوجود کہ ان دو خطبوں کا مواد اغلب موعظہ اور موت، دنیا کے فانی ہونے اور آخرت کے عذاب کی یاددہانی پر مبنی ہے، خلفاء ثلاثہ کے خطبوں کی یہ روش نہیں ہوتی تھی یہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی ابن ابیطالب سے مخصوص روش تھی، اور علی کے بعد مسلمانوں میں یہ معمول رہا ہے، سیف کے لکھے گئے اشعار ورزم نامہ نسبتاً فصیح اور دلچسپ ہوا کرتے ہیں، البتہ اس کے برعکس یہ دو خطبے انتہائی بے مزہ اور سست انشاء پر مشتمل ہیں، گویا سیف وعظ ونصیحت اور ثواب وعقاب کے بارے میں عقائد سے لئے گئے الہام کے تحت مناسب مہارت نہیں رکھتا تھا، اس کی جھوٹ گڑھنے والی زبان اس حصہ کو بخوبی جعل کرنے میں ناکام رہی ہے اس کے علاوہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکر کے زمانے

۱۔ انها كانت فلتة كفلتات الجاهلية .

میں بنیادی طور پر طولانی خطبوں کا رواج نہیں تھا اور غالباً خطبے چھوٹے اور قابل سماعت ہوتے تھے، طولانی خطبوں کا رواج عمر کے زمانے سے شروع ہوا ہے علی کی خلافت کے دوران اپنے عروج کو پہنچا۔

اس کے علاوہ حکومت کے عہدہ دار عام طور پر اپنے پہلے خطبہ میں اپنی حکومت کے پروگرام اور منصوبوں کا اعلان کرتے ہیں، یہ نکتہ ابوبکر کے حقیقی اور مختصر خطبوں میں مکمل طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے جن کے بارے میں دوسرے مؤرخین نے روایت کی ہے، ان تمام چیزوں کو نظر انداز کرتے ہوئے جو بات زیادہ دلچسپ اور قابل توجہ ہے وہ سیف کا وہ جملہ ہے کہ جسے اس نے ان دو خطبوں میں ابوبکر سے منسوب کیا ہے کہ ابوبکر نے کہا:

الا وان لی شیطاناً یعترینی فاذا اتانی فاجتنبونی و لا اوثر فی اشعارکم و ابشارکم[۱]

معلوم نہیں اس جملہ کو ابوبکر سے منسوب کرنے میں اس کا کیا مقصد تھا؟ کیا اس نے یہ محسوس کیا تھا کہ اس زمانے کے لوگ ابوبکر سے بھی وعظ و نصیحت اور ترک دنیا کے موضوع پر پیغمبرؐ اور علی بن ابیطالبؑ کے جیسے خطبے سننا پسند کرتے ہیں؟ اگر ایسا تھا، تو، وہ کیوں متوجہ نہیں ہوا کہ چار و نا چار ابوبکر کے اس بیان کی شدید ملامت و مذمت کی ہے! اور اس صورت میں خلیفہ مسلمین کا اعتراف ہرگز

۱۔ اس جملہ کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔

مناسب نہیں ہے، اور خلیفہ پر شیطان کا غلبہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کا ان سے پرہیز کرنا، صحیح معنی و مفہوم نہیں رکھتا، یہ جملہ بھی خلیفہ کے توسط لشکر اسامہ[1] کو الوداع کرتے وقت پڑھی گئی دعا کے مانند مسلمانوں میں خلیفہ کیلئے بدگمانی اور نفرت پیدا ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سیف اس سے زیادہ چالاک تھا کہ ان جوانب کی طرف متوجہ نہ ہوتا بلکہ ہمارے عقیدہ کے مطابق سیف نے اپنے الحاد اور اسلام سے دشمنی کے باعث (جیسا کہ علمائے رجال نے بھی اسے زندیق کہا ہے)[2] چاہا ہے کہ کچھ مضحکہ خیز اوھام اور کام کو تاریخ اسلام میں داخل کرے تا کہ اس طرح اسلام کی باعظمت عمارت کو متزلزل کر کے رکھدے آئندہ بحثوں میں نقل کی جانے والی روایتوں پر دقت کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔

ہفتم: سیف خالد بن سعید اموی کی ابوبکر کی بیعت سے مخالفت کے بارے میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محافظ صخر سے نقل کی گئی روایتوں میں کہتا ہے: خالد جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے وقت یمن میں تھا، پیغمبر کی وفات کے ایک ماہ بعد مدینہ آیا جبکہ وہ ریشمی لباس زیب تن کئے ہوئے تھا اور عمر کے حکم سے اس کے لباس کو پھاڑ ڈالا گیا چونکہ جنگ کی حالت کے علاوہ مردوں کیلئے ریشمی لباس پہننا جائز نہیں ہے۔

روایت کے اس حصہ سے سیف کا مقصد بیعت ابو بکر سے خالد کی مخالفت کو انتقامی

۱۔ فصل ''لشکر اسامہ'' ملاحظہ ہو

۲۔ فصل ''سیف کتب رجال میں'' ملاحظہ ہو

رنگ دینا ہے تا کہ اسے اس توہین آمیز واقعہ کے ذریعہ مستند بنا دے، اس کے بعد کہتا ہے خالد نے حضرت علی سے کہا: اے ابوالحسن! افسوس ہے عبد مناف کی اولاد پر! آپ لوگوں نے مقابلہ میں شکست کھائی ہے! یعنی کس طرح قبیلۂ تیم، قبیلۂ عبد مناف کے مقابلہ میں کامیاب ہوگیا؟!

حضرت علی علیہ السلام نے جواب دیا: یہ قبیلوں کی جنگ نہیں تھی، بلکہ امر خلافت ہے اور خلافت کا موضوع خاندانی مقابلہ اور تعصب سے جدا ہے! لیکن خالد نے تکرار کرتے ہوئے دوبارہ کہا: اے عبد مناف کی اولاد! خلافت کیلئے آپ لوگوں سے سزاوار تر کوئی نہیں ہے'' اور اس طرح دوبارہ مقصد کو خاندانی مقابلہ کے طور پر پیش کیا۔

یہاں پر عمر نے خالد سے کہا: خدا تیرے منہ کو توڑ دے تم نے ایک ایسی بات کہی جو جھوٹ بولنے والوں کیلئے ہمیشہ سند کے طور پر باقی رہے گی....

جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے کہا ہے کہ سقیفہ کی فعالیتوں کی بنیاد خاندانی تعصب پر تھی لیکن سیف اس روایت کے آخری حصہ کو جعل کر کے کہنا چاہتا ہے کہ یہ صرف خالد تھا جو ایسا سوچتا تھا ورنہ مہاجرین و انصار کا دامن ان چیزوں سے پاک و پاکیزہ تھا کہ خلافت کے موضوع پر خاندانی تعصب دکھائیں، لہذا حضرت علی علیہ السلام نے اس روایت میں خالد کی بات پر اعتراض کیا اور عمر بھی برہم ہوئے اور خالد کو برا بھلا کہا، اس طرح سیف چاہتا ہے ابوبکر کی بیعت کے بعد خاندانی تعصب کی بنا پر کہے گئے تمام مطالب کو (جو تاریخ میں ثبت ہوئے ہیں) عمر سے منسوب کی گئی پیشن گوئی کے ذریعہ ختم

کر دے۔

اس سے اہم تر یہ کہ سیف یہ دکھانا چاہتا تھا کہ بنیادی طور پر اس امر میں حضرت علی علیہ السلام ابوبکر اور عمر کے درمیان کسی قسم کا اختلاف نہیں تھا، تا کہ اگر کسی اختلاف کے بارے میں گفتگو ہوتی تو لوگ سمجھتے کہ اس کی بنیاد خالد کی بات تھی اور عمر نے اس کی پیشین گوئی کی تھی اور خبر دیدی تھی کہ یہ بات مستقبل میں جھوٹ بولنے والوں کیلئے ایک سند بن جائے گی، لہذا جو بھی ان کے درمیان اختلاف کی بات کرے گا وہ جھوٹا ہوگا (توجہ کیجئے)

ساتھ میں یہ بات بھی ہم فراموش نہ کریں کہ سیف نے اس روایت کو پیغمبر کے محافظ صخر سے نقل کیا ہے جبکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس نام کا کوئی محافظ نہیں تھا اور مذکورہ محافظ جعلی اصحاب میں سے ایک ہے۔

ہشتم: سب سے اہم جملہ جو سیف کی جعلی روایتوں میں پایا جاتا ہے، یہ ہے کہ وہ کہتا ہے؛ کسی نے بھی ابوبکر کی بیعت سے انکار نہیں کیا، مگر یہ کہ مرتد ہو گیا ہو یعنی دین اسلام سے خارج ہو گیا ہو، یا مرتد کے قریب پہونچ گیا ہو!

سیف نے اس روایت کو گڑھ کر ابوبکر کی بیعت نہ کرنے والے مؤمنوں اور مسلمانوں کے ناموں کو تاریخ کے صفحات سے پاک کرنا چاہا ہے لہذا انھیں مرتد اور بے دین بتایا گیا ہے تا کہ اس عمل سے یہ ظاہر ہو کہ اگر کوئی مطالعہ کرنے والا تاریخ کے متون میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

صحابیوں کے ایک گروہ کو دیکھئے کہ انھوں نے ابوبکر کی بیعت سے مخالفت کی ہے، تو فوراً اس جملہ کے استناد پر انھیں حکم کفر وارتداد دیکر مرتدوں کی فہرست میں قرار دے!

اب دیکھنا چاہئے کہ جو شخصیتیں سیف کے ارتدادی تہمت کے زمرہ میں آئی ہیں کون ہیں اور کیا سیف کی تہمت کا عنوان ان پر صادق آتا ہے؟!

ابوبکر کی بیعت سے اختلاف کرنیوالے اشخاص حسب ذیل ہیں:

۱۔علی بن ابیطالب علیہ السلام

۲۔رسول اللہ کی بیٹی فاطمۂ زہراء سلام اللہ علیہا

۳۔زبیر بن عوام، پیغمبرؐ کے پھوپھی زاد بھائی۔

۴۔عباس، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا۔

۵۔سعد وقاص، فاتح عراق

۶۔طلحہ بن عبید اللہ

۷۔مقداد بن اسود۔

۸۔ابوذر غفاری۔

۹۔سلمان فارسی

۱۰۔عمار یاسر

۱۱۔ براء بن عازب انصاری

۱۲۔ ابی بن کعب انصاری

۱۳۔ فضل بن عباس، پیغمبر کے چچیرے بھائی

۱۴۔ ابوسفیان بن حرب اموی۔

۱۵۔ خالد بن سعید اموی۔

۱۶۔ ابان بن سعید اموی۔

۱۷۔ سعد بن عبادہ انصاری

۱۸۔ مالک بن نویرہ

یہ اٹھارہ شخصیتیں وہ ہیں، جنہوں نے تاریخ کے مطابق ابوبکر کی بیعت سے مخالفت کی، ان کے علاوہ بنی ہاشم کے تمام افراد کے بارے میں بھی مؤرخین نے صراحت سے کہا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ کی زندگی میں انہوں نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی۔

کیا اسلام کی ایسی شخصیتوں کو سیف کے کہنے کے مطابق (نعوذ باللہ) مرتد کہا جا سکتا ہے؟!

اصحاب رسولؐ میں سے یہ افراد سب کے سب مدینہ میں موجود تھے، لیکن مدینہ سے باہر رہنے والے جن افراد نے ابوبکر کی بیعت سے مخالفت کی، ان میں سے بعض افراد ابوبکر کی مخالفت کی راہ میں قتل کئے گئے، جیسے: مالک بن نویرہ وغیرہ جن کو سیف نے صراحتاً مرتد قرار دیا ہے اور ان کے ساتھ

ابوبکر کی جنگ کو مرتدوں سے جنگ کا نام دیا ہے اوران جنگوں کو بھی حقیقت کے برعکس دکھایا ہے، انشاء اللہ ہم خدا کے مدد سے آنے والی جلد میں ان میں سے بعض کی تحقیق کریں گے۔

آغاز کی طرف بازگشت

آخر میں ہم ابتدائی بات کی طرف لوٹتے ہیں، ہماری نظر میں ان صفحات کی گنجائش کے مطابق سیف کی حقیقت واضح ہوگئی ہم نے دیکھا کہ سیف نے کس طرح تاریخ اسلام کو اپنے خائن ہاتھوں کا کھلونا بنایا ہے اور اپنے مضحکہ خیز افسانوں کو مسلمانوں، غیر مسلمانوں اور مستشرقین میں رائج کردیا ہے اور اس کے افسانوں کے سورما حضرات، اصحاب اور اسلام کی شخصیات کے طور پر معرفی ہوئے ہیں۔

کیا ابھی بھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ہم خودغرضوں کو چھوڑ کر، اسلام کے دامن کو جھوٹ اور حقیقت سے عاری روایتوں کو پاک کریں اور بحث و تحقیق کے ذریعہ پیغمبرؐ اسلام، آپ کے خاندان اور اصحاب کی زندگی کو حقیقت کے روپ میں پیش کریں، اور نتیجہ کے طور پر حقیقی اسلام کو موجودہ اور آئندہ نسل کیلئے متعارف کرائیں؟

یا ہمارا مزاج ان مضحکہ خیز افسانوں کا عادی بن گیا ہے کہ اسلام کے دفاع کے نام پر ان افسانوں اور افسانہ سازوں کا دفاع کرکے اسلامی حقائق کو منتشر کرنے کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ایجاد کرتے ہیں؟

تیسرا حصہ

سیف کی روایتوں میں ارتداد اور مرتد

- اسلام میں ارتداد۔
- ابوبکر کے دوران ارتداد۔
- سیف کے علاوہ روایت میں، داستان مالک بن نویرہ۔
- متن وسند کے لحاظ سے داستان مالک کی تحقیق
- سیف کی روایتوں کی چھان بین۔
- علاء حضرمی کی داستان۔
- حوأب کی داستان۔

اسلام میں ارتداد

فتکشف ما فی الصدور و تجلّت النفس العربیة

پیغمبر اسلام کی رحلت کے بعد بعض لوگوں کے اندرونی عقدے کھل گئے نیز
ان کی عربی خو، بو کی فطرت اور خاندانی تعصب آشکار ہوئے۔

تاریخ سیاسی اسلام

ارتداد کے معنی

عربی لغت میں ارتداد ''بازگشت'' کے معنی میں ہے، قرآن مجید میں آیہ ﴿ فَلَمّا إنْ جاءَ البَشیر القیه علی وجهه فارتدّ بَصیراً ﴾[1] بھی اس معنی میں آئی ہے اور کلمہ ''رد'' بھی قرآن کریم میں ''دین سے منہ پھیرنے'' اور مسلمانوں کی اسلام سے روگردانی کے معنی میں آیا ہے، چنانچہ اس آیت میں آیا ہے: ﴿یا ایُّها الّذینَ آمنوا اِن تُطیعوا فریقاً مِنْ الَّذینَ أُوتوا الکِتابَ یَرُدّوکُم بعد إیمانکم کافِرینَ ﴾[2]

ا۔ یوسف، ۹۷۔

۲۔ آل عمران، ۹۹۔

اور ''ارتداد'' یعنی دین سے منہ موڑ لیا، چنانچہ آیۂ کریمہ ﴿ یا ایھا الذین آمنوا من یرتدّ منکم عن دینہ فسوف یأ تی اللہ بقوم یحبّھم و یحبّونہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین ﴾[۱] میں اور آیت ﴿ ولایزالون یقاتلونکم حتی یردّوکم عن دینکم ان استطاعوا و من یَرتَدِد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر اولئک حبطت اعمالھم .... ﴾[۲] میں لیکن ارتداد کا استعمال اسلام میں بازگشت کے معنی میں اس قدر مشہور ہوا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور معنی ذہن میں نہیں آتا۔

پیغمبر کے زمانے میں مرتد

بعض مسلمان، پیغمبر کے زمانے ہی میں مرتد ہوگئے، جیسے: عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، اس نے اسلام قبول کرکے مدینہ ہجرت کی اور پیغمبر اسلام کا کاتب بن گیا، اور اس کے بعد مرتد ہوگیا اور قریش کی طرف مکہ لوٹا وہ قریش سے کہتا تھا کہ میں وحی لکھنے والوں میں سے ایک تھا اور محمد کو جس طرف چاہتا موڑ دیتا تھا، وہ مجھ سے کہتے تھے کہ ''عزیز حکیم'' لکھو، میں کہتا تھا یا علیم حکیم؟! وہ فرماتے تھے: جی ہاں، دونوں مناسب ہیں۔

جب فتح مکہ کا دن آیا تو رسول اللہ نے عبداللہ کو قتل کرنا حلال کردیا اور حکم فرمایا جو کوئی عبداللہ کو جس حالت میں بھی پائے، حتی وہ کعبہ کے پردے کا دامن بھی پکڑے ہو تو بھی اسے قتل کر ڈالے عبداللہ نے اپنے رضاعی بھائی عثمان کے پاس پناہ لی، عثمان نے اسے اپنے گھر میں چھپائے رکھا، اور

۱. المائدہ / ۵۴

۲. البقرہ / ۲۱۷

اسکے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور لا کرامان حاصل کی[1]

دیگر مرتدین میں ایک عبداللہ جحش ہے جو پہلے ام حبیبہ کا شوہر تھا اور اپنی بیوی سمیت اسلام قبول کیا عبداللہ نے حبشہ میں دین مسیحیت اختیار کیا اور اسی حالت میں انتقال کر گیا اور ایک مرتد عبد اللہ بن خطل تھا وہ اس حالت میں قتل کیا گیا کہ کعبہ کا پردہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا[2]، یہ تھے پیغمبر کے زمانے میں ارتداد کا معنی، یہ وہ لوگ تھے کہ اسلام کی نظر میں مرتد ہو چکے تھے اب دیکھنا یہ ہے کہ ابو بکر کے زمانے میں ارتداد کے کیا معنی تھے اور وہ کن لوگوں کو مرتد جانتے تھے۔

ابو بکر کے زمانے میں ارتداد

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی دلسوز خبر جنگل کی آگ کے مانند تمام جزیرۂ عرب میں پھیل گئی، اس زمانے میں جزیرہ میں ساکن عرب دو حصوں میں تقسیم ہوتے تھے:

۱۔ وہ جنھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔

۲۔ وہ جو ابھی اپنے پہلے دین پر باقی تھے۔

وہ لوگ جنھوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا انھوں نے، رسول اللہ کی رحلت کے بعد زیادہ قوت اور قدرت حاصل کی اور کھلم کھلا مبارزہ اور مقابلہ کرنے پر اتر آئے۔

۱۔ عثمان نے عبداللہ کو ۲۵ھ میں مصر کا حاکم مقرر کیا اور وہ ۳۴ھ تک اس منصب پر قائم رہا اور ۳۴ھ میں سائب بن ہشام عامری کو اپنا جانشین مقرر کر کے عثمان کی ملاقات کیلئے مصر سے روانہ ہوا اس موقع پر محمد بن ابی حذیفہ نے اس کے خلاف بغاوت کی اور سائب کو اقتدار سے برطرف کیا اور خود حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ عبداللہ بن سعد جب واپس آیا تو محمد بن ابی حذیفہ نے اس سے مصر میں داخل ہونے سے روکا پھر وہ نواحی شام میں واقع عسقلان گیا اور وہیں سکونت اختیار کی یہاں تک کہ ۳۶ھ میں عثمان قتل کئے گئے اور وہ تا ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں وہیں پر وفات پا گیا (استعاب ج ۲/ ۳۶۷۔۳۷۰)

۲۔ الاصابہ، ج ۲ ص ۳۰۹، ۳۱۰۔

لیکن تمام مسلمان، انتظار کی حالت میں مدینہ کی طرف چشم براہ تھے اور ہر راہی سے تازہ خبر پوچھتے تھے کہ اسی اثنا میں خبر آئی کہ اسلام کے دار الخلافہ مدینہ میں رسول اللہ کی رحلت اور فقدان کی وجہ سے ہلچل مچ گئی ہے، ابوبکر کی بیعت کی خبر مسلسل انھیں پہنچ رہی تھی اور فطری طور پر اس دن کے حوادث کا دامن اس سے وسیع تر تھا جو آج صدیاں گزرنے کے بعد ہم تک پہنچا ہے۔

خبر پہنچی کہ اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیعت کے مسئلہ پر ہاتھا پائی کر کے ایک دوسرے کی جان لینے کے پیچھے پڑے ہیں؟ اور دوسری طرف سے سنتے تھے کہ بنی ہاشم (خاندان پیغمبرؐ) متفقہ طور پر بیعت کرنے سے انکار کرتے ہیں! اور قبیلۂ خزرج کے سردار سعد نے بھی بیعت کرنے سے انکار کیا ہے اور....

اس قسم کی گوناگوں خبروں کے پھیلنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض مسلمان قبائل نے فیصلہ کیا کہ ایسی بیعت سے پرہیز کریں اور حکومت وقت کو اسلامی مالیات (زکات) ادا کرنے سے اجتناب کریں، نہ اسلئے کہ اصولاً زکوٰۃ ادا کرنے کیلئے حاضر نہ تھے اور بعض اسلامی قوانین جیسے زکوٰۃ اور نماز کی مخالفت کرتے تھے (جیسا کہ ان پر اس چیز کی تہمت لگائی گئی) بلکہ ایسا تھا کہ وہ وقت کی حکومت پر اعتماد نہیں رکھتے تھے اور حاضر نہیں تھے ابوبکر کے سامنے سر تسلیم خم کریں، البتہ حکومت کے ان مخالفین کی اس قدر حیثیت اور اہمیت نہیں تھی، جتنی مدینہ میں موجود مخالفین کی تھی، لہذا حکومت نے ایک خونین کاروائی کر کے ان سب کو قتل کر ڈالا اور ابوبکر کا کوئی مخالف باقی نہ رہا، اس کے بعد باقی مشرکین کی

سرکوبی کی کاروائی شروع ہوئی جو پیغمبری کا دعویٰ کرتے تھے اور رسول اللہ کے زمانے میں جزیرۃ العرب کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے نتیجہ کے طور پر ان کا بھی قلع قمع کیا گیا، مخالفین کی سرکوبی سے فارغ ہونے کے بعد حکومت نے فتوحات کیلئے اقدام کئے اور لشکرکشی شروع ہوئی، اسلام کے مؤرخین نے ان تمام جنگوں کو (جو وفات رسول اللہ کے بعد ابوبکر کے سپاہیوں اور جزیرۃ کے اعراب کے درمیان رونما ہوئیں) جنگ ''زردہ'' نام دیا ہے کیونکہ مدینہ سے باہر ابوبکر کے مخالفین کو 'مرتد'' کہا جاتا تھا۔

ابوبکر کی مخالفت ارتداد نہیں ہے

ڈاکٹر حسن ابراہیم اپنی کتاب'' تاریخ الاسلام السیاسی '' میں اسی نظریہ کی تائید کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:'' جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی اور آپ کی موت کی تصدیق ہوگئی تو لوگوں کی ایک جماعت، دین کے اصول (جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باقی بچے تھے) کے بارے میں شک وشبہہ میں پڑگئی اور بعض لوگ اس لحاظ سے خائف تھے کہ ایسا نہ ہو کہ قریش یا کوئی دوسرا قبیلہ حکومت کی باگ ڈور کو اپنے ہاتھ میں لے لے، اور اس سے متعلق ایک مطلق العنان اور خاندانی حکومت میں تبدیل کردے، اسلئے وہ اسلامی حکومت کی حالت اور اپنے مستقبل کے بارے میں فکرمند تھے۔ کیوں کہ وہ مشاہدہ کررہے تھے کہ جو پیغمبر، خداوند عالم کے عظیم سفیر کی حیثیت رکھتے تھے اور انھیں حق پر مبنی امرونہی کی تبلیغ کرنے کے ساتھ ساتھ عصمت کی نعمت

سے بہرہ منداور خطاولغزشوں سے بھی محفوظ تھے ان سے رخصت ہو چکے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مختلف قبائل کے درمیان مساوات کے قانون کو نافذ کرنے والا ،لوگوں اور قبائل کیساتھ مساوی سلوک کرنے والا ایسا شخص ہونا چاہیے جس میں پیغمبر کے وہی عالی صفات موجود ہوں۔

ان حالات کے پیش نظر یہ احتمال تھا کہ اس پیغمبر کا جانشین اپنے ذاتی اور خاندانی مطالبات کو مسلمانوں اور معاشرے کی مصلحتوں پر مقدم قرار دیگا، کیونکہ یہ امر بعید نہیں تھا کہ خلافت کے عہدہ دار خلیفہ وقت کے خاندان کی اجتماعی حیثیت کو بیشتر اہمیت دیکر اسے تقویت بخشیں گے اور دوسرے خاندان اور قبائل کو کچل کے رکھ دیں گے، جس کے نتیجہ میں سماجی انصاف اپنا توازن اور تعادل کھو بیٹھے گا۔

یہ احتمال اس لئے اہمیت کا حامل ہے کہ ہم نے دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دوران عرب قبائل اور خاندانوں نے اقتدار کی باگ ڈور سنبھالنے اور حالات پر تسلط جمالینے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لینے کی ایک دوڑ لگانی شروع کردی تھی، تا کہ ہر ایک اس مقابلہ میں کامیاب ہوجائے اور دوسرے کو نیچا دکھا کر میدان سے خارج کر کے صرف اپنے آپ کو اس مقابلہ کا فاتح قرار دے، یہاں پر انکے پوشیدراز طشت از بام ہوئے اور ان کی دیرینہ عرب قومی فطری اور مزاج کھل کر سامنے آ گئے انصار، قریش اور مہاجرین سے خائف تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کام میں وہ سبقت حاصل کریں اور انصار کو اس میں دخل دینے کی اجازت نہ دیں، قریش اور مہاجرین

بھی اپنی جگہ پر وحشت واضطراب سے دوچار تھے اور قبیلۂ اوس وخزرج بھی ایک دوسرے سے خوفزدہ تھے[1]

یہ تھی مدینہ کی سیاسی حالت، دوسری طرف سے مکہ کی حالت بھی اسی سیاسی ہلچل کی وجہ سے مدینہ سے کم نہ تھی، کیونکہ مکہ میں موجود قریش کے قبائل میں بھی یہی رقابت موجود تھی، لہذا جب بیعت کا کام ابوبکر کے حق میں ختم ہوا تو بنی ہاشم ابوبکر سے سخت برہم ہوئے اسی لئے کئی مہینوں تک ان کی بیعت کرنے سے اجتناب کیا اور ابوسفیان بن حرب نے زبردست تگ ودو کی تاکہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے جذبات کو ابوبکر کے خلاف مشتعل کرے، جس نے خلافت کو، بنی عبد مناف سے چھین لیا تھا۔

مہاجرین وانصار خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی قسم کی قرابت رکھتے تھے یا اسلام لانے میں سبقت حاصل کر چکے تھے یا دین خدا کی نصرت کی تھی اور اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کر چکے تھے ان فضائل کے پیش نظر افتخار اور ناز کرتے ہوئے خلافت کے امیدوار تھے، لیکن عربوں کے دوسرے قبیلے جو اسلام میں نہ ایسا سابقہ رکھتے تھے اور نہ ان کی رسول خداؐ سے کوئی رشتہ داری تھی، اگرچہ خلافت کی لالچ اور امید نہیں رکھتے تھے، لیکن جب وہ اس امر کا مشاہدہ کرتے تھے کہ مہاجر و انصار اس کام پر ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے ہیں اور مہاجر، انصار سے کہتے ہیں: سپہ سالار ہم میں سے ہو اور وزراء کی کابینہ آپ میں سے چنی جائے[2] اور انصار اس تجویز کو مسترد کر کے کہتے تھے: ''نہیں،

۱۔ سقیفہ کی روداد اس سے پہلے بیان ہوئی ہے ملاحظہ ہو۔

۲۔ منا الامراء و منکم الوزراء.

بلکہ سپہ سالاری ہم دونوں گروہ سے منتخب ہونا چاہیے"[1]

ان حالت کے پیش نظر، وہ مکمل طور پر نا امید اور مایوس ہوئے اور اپنے آرمانوں کو برباد ہوتے دیکھا۔ لہذا انہوں نے مخالفت کا پرچم بلند کیا اور ان میں سے بھی بہت لوگوں نے ابوبکر کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا اور ان کو زکات ادا کرنے سے پرہیز کیا

سیف نے اپنی روایتوں میں اس عمل کو ارتداد اور ایسے لوگوں کو مرتد کہا ہے اور ایسا دکھایا ہے کہ پیغمبر اسلام کی رحلت کے بعد اکثر عرب قبائل ارتداد کا شکار ہو گئے تھے۔

بعض مستشرقین[۲] نے بھی اسی پر استناد کر کے پیغمبر کی وفات کے بعد بعض عرب قبائل، مرتد ہو کر دین سے منحرف ہو گئے کے پیش نظر معتقد ہوئے ہیں کہ "اسلام تلوار اور نیزہ کی نوک پر پھیلا ہے اور تنہا عامل جس نے عربوں کو یہ دین قبول کرنے پر مجبور کیا تھا تلوار کا خوف تھا"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابوبکر کی حکومت کے دوران کسی قسم کا ارتداد نہیں تھا، جن لوگوں کے ساتھ ابوبکر ارتداد کے نام پر جنگ کر رہے تھے، یہ نہ مرتد تھے اور نہ اسلام سے منحرف ہوئے تھے، بلکہ ان میں سے کچھ لوگ تو آغاز ہی سے مسلمان نہیں تھے اور کچھ دوسرے لوگوں نے صرف ابوبکر کو زکات ادا کرنے سے انکار کیا تھا۔ ان دونوں گروہوں کو غلطی یا اشتباہ سے مرتد کہا گیا ہے آئندہ فصل میں اس روداد کی تفصیل اور وضاحت بیان کی جائے گی۔

۱۔ بل منا امیر و منکم امیر .

۲۔ جیسے "فون فولٹن" جرمنی کا معروف مستشرق۔

سیف کی روایتوں میں ارتداد

لیقاتلنکم حتی تکنوه ابا الفحل

وہ تم لوگوں سے اس قدر جنگ کریں گے کہ ابو بکر کو بڑے اونٹ کا باپ کہیں گے نہ چھوٹے اونٹ کا باپ۔

قبیلہ طی

حضرت ابو بکر کی جنگ کا باعث

ہم نے گزشتہ فصل میں کہا کہ لوگوں کی ایک جماعت نے ابو بکر کی حکومت کی مخالفت کی اور ابو بکر نے ان سے جنگ کی اور ان کے مال کو غنیمت کے طور پر ضبط کیا اور ان کے مردوں کو اسیر بنایا ان لوگوں کو تاریخ میں مرتد اور ان کے عمل کو ارتداد کہا گیا ہے لیکن تاریخ میں تحقیق اور مسئلہ کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہ مرتد تھے اور نہ ان کا عمل ارتداد تھا اور نہ انکے ساتھ ابو بکر کی جنگ اسلام سے ارتداد کے مرتکب ہونے کا سبب تھی ، کیونکہ کلمۂ ارتداد دوسرے معنی رکھتا ہے اور یہ ان لوگوں سے جو وقت کی حکومت کے مخالف تھے سے مطابقت نہیں رکھتا۔

ڈاکٹر حسن ابراہیم اپنی ''تاریخ سیاسی'' میں کہتے ہیں:

''جن لوگوں سے حضرت ابوبکر نے جنگ کی ان میں سے کوئی بھی مرتد نہیں
تھا اور ابوبکر سے ان کی مخالفت اسلام سے ارتداد کا عنوان نہیں رکھتی تھی ، بلکہ اس کا
باعث کچھ اور تھا، اس وضاحت کے ساتھ کہ وہ لوگ دو گروہ میں منقسم تھے۔

اول: وہ گروہ جس نے زکات ادا کرنے سے انکار کیا تھا ، اس گمان سے کہ زکات ایک ایسا ٹیکس ہے جو ذاتی طور پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا جانا چاہئے ، چونکہ پیغمبر نے رحلت فرمائی تھی اس لئے خلیفۂ وقت کو زکوٰۃ ادا کرنے سے وہ مستثنیٰ ہیں[1] مسلمانوں کے اس گروہ سے جنگ کرنے پر عمر، ابوبکر سے اعتراض کرتے تھے اور ابوبکر اس کے جواب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض فرمائشات سے استناد کر کے کہتے تھے، میں لوگوں سے جنگ کرنے پر مأمور ہوا تا کہ وہ توحید کا اقرار کریں، لہذا جس نے کلمۂ توحید کو زبان پر جاری کیا اس کا مال و جان میری طرف سے محفوظ ہے، مگر یہ کہ کسی حق کے سبب ہو تو اس کا جواب خدا کے ساتھ ہے امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللّٰہ فمن قالھا فقد عصم منی مالہ و نفسہ الا بحقّہ و حسابہ علی اللّٰہ''

دوم: وہ گروہ جو درحقیقت مسلمان نہیں تھے...

ڈاکٹر ابراہیم حسن اس کے بعد کہتا ہے:

۱۔ ڈاکٹر ابراہیم حسن کا یہ نظریہ ہماری نظر میں صحیح اور کافی نہیں ہے، ایسا ہرگز نہیں تھا کہ مسلمان زکات کے معنی کو نہیں سمجھ رہے تھے ، بلکہ مطلب وہی ہے جسے خود ڈاکٹر صاحب اور دوسروں نے کہا ہے کہ یہ لوگ ابوبکر کو پیغمبرؐ کے خلیفہ کے عنوان سے قبول نہیں کرتے تھے اس لئے انہیں زکوٰۃ دینے سے انکار کر رہے تھے۔

''لیکن اسلام[1] نے مرتدوں کیلئے جو سزا مقرر کی ہے اور اسے سزائے موت کا حکم دیا ہے ایک سیاسی حکم تھا جسے حکومت وقت نے اس کیلئے مدنظر رکھا تھا اور اس حکومت کی دلچسپی اس حکم کو جاری کرنا تھی بجائے اس کے کہ انھیں اسلام لانے کی ترغیب دے۔

جبکہ دین اسلام نے خاص طور پر مرتدین کی نسبت انتہائی احتیاط کو مدنظر رکھا ہے اور ہرگز شبہہ کے استناد پر انھیں مؤاخذہ نہیں کیا ہے اور صرف تہمت کی بناء پر ارتداد کا حکم جاری نہیں کرتا، بلکہ تین دن تک مرتد کو فرصت دی جاتی ہے اور ان تین دنوں کے دوران علماء اور فقہائے اسلام مرتد کی طرف سے دین اسلام پر کئے گئے اعتراضات پر مناقشہ کر کے کوشش کرتے ہیں تا کہ اس شبہہ کو دور کریں اور جس کی وجہ سے اسلام کے صحیح ہونے میں انھیں شک و شبہہ پیدا ہوا ہے بر طرف کردیں ﴿لیهلک من هلک عن بینة و یَحییٰ من حَیَّ عن بیّنة﴾[2]، یہاں پر ہم قارئین کی اطلاع کیلئے اس موضوع پر مذہبی پیشواؤں کے بیانات کا ایک حصہ نقل کرتے ہیں:

ابوحنیفہ کہتے ہیں:

''جب کوئی مسلمان مرد مرتد ہو جائے، اسے اسلام کی دعوت دینی چاہئے اور تین دن مہلت دینی چاہئے، کیونکہ ظاہراً ایسا ہے کہ اس کے دل میں ایک شبہہ پیدا ہوا جس کی وجہ سے ہم پر فرض بنتا ہے کہ اس کے اس شبہہ کو دور کریں

[1] یہاں پر ڈاکٹر صاحب کا ''اسلام'' سے مقصود اسلام کا خلیفہ ہے کیونکہ بعد والی عبارت میں وہ اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

[2] الانفال/۴۲

یا خود اس کیلئے فکر واندیشہ کی ضرورت ہے تا کہ اس پر حقیقت آشکار ہو جائے اور یہ کام مہلت دیئے بغیر ممکن نہیں ہے پس اگر مرتد مہلت کی درخواست کرے، تو امام پر لازم ہے کہ اس کو مہلت دے اور شرع اسلام میں جس مدت کے دوران ایک موضوع پر غور وفکر کیا جا سکے، تین روز معین کئے گئے ہیں، کیونکہ معاملات کے موضوع میں معاملہ توڑنے کے اختیار کے بارے میں معاملہ کی شرط اور اشیاء کو دیکھنے کیلئے تین روز مہلت دی گئی ہے، اس لئے مرتد کو بھی تین دن کی مہلت دی جانی چاہئے[1] بعض مالکی فقہاء یوں کہتے ہیں: مرتد، خواہ غلام ہو یا آزاد، خواہ عورت ہو یا مرد، واجب ہے تین دن اور تین رات کی اسے توبہ کرنے کی مہلت دی جائے، ان تین دن کی ابتداء اس دن سے شروع ہوتی ہے جس دن سے ارتداد ثابت ہوا ہے، نہ اس روز سے کہ جس روز کافر ہوا ہے، البتہ ان تین دنوں کے دوران اسے بھوکا اور پیاسا نہیں رکھنا چاہئے، بلکہ اپنے ہی مال سے اسے کھانا پینا فراہم کرنا چاہئے، نیز اسے جسمانی اذیت نہیں دی جانی چاہئے اگر چہ وہ توبہ بھی نہ کرے[2]

امام شافعی کہتے ہیں:

''مرتد، خواہ مرد ہو یا غیر مرد واجب ہے، اسے توبہ کرائیں، کیونکہ وہ اسلام کی خاطر محترم تھا،

۱۔ کتاب مبسوط، تالیف شمس الدین سرخسی طبع قاہرہ ۱۳۲۴ھ کے حاشیہ میں تین دن مقرر کئے گئے ہیں ج ۱۰/۹۸۔۱۰۰۔

۲۔ باب گروہ اور اس کے احکام شرع کبیر تالیف دردیر طبع بولاق ۱۲۱۹ھ ج ۴ ص ۲۷۰ حاشیہ دسوقی ج ۱۴ ص ۲۶۷۔

شائد وہ جس شبہہ سے دوچار ہوا ہے کہ ممکن ہے یہ شبہہ دور ہو جائے ، بعض نے کہا ہے: تین دن کی مہلت دی جاتی ہے[۱]

امام احمد حنبل کہتے ہیں: جو بھی اسلام سے مرتد ہو جائے ، مرد ہو یا عورت وہ سن بلوغ کو پہنچا ہو اور دیوانہ نہ ہو، تین دن تک اسے اسلام کی دعوت دینی چاہیے[۲]

ان فتاویٰ کے علاوہ اصولاً سزاوار نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو کافر کہا جائے جس کے گفتار یا کردار سے کافر ہونے یا نہ ہونے کا دونوں احتمال پایا جاتا ہو مگر یہ کہ وہی مسلمان اس گفتار و کردار کو کفر کا سبب جانیں اور علمائے اسلام نے وضاحت کی ہے کہ اگر ایک مسلمان مرد کے گفتار میں ۹۹ فیصد کفر کا احتمال اور ایک فیصد ایمان کا احتمال ہو تو ایسے مسلمان کے خلاف کفر کا حکم نہیں دیا جاسکتا ہے[۳]

تاریخ لکھنے والے کیا کہتے ہیں؟

تاریخ کی کتابوں سے پتا چلتا ہے کہ جن افراد نے ابوبکر سے جنگ کی وہ اسلام کو قبول کرتے تھے اور نماز پڑھتے تھے، توحید و نبوت کی شہادت دیتے تھے، ان کی مخالفت صرف ابوبکر کی حکومت کو قبول کرنے اور ان کو زکوٰۃ ادا کرنے میں تھی، ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں یوں لکھا ہے:

''ابن ماجہ'' کے علاوہ تمام اہل حدیث نے اپنی کتابوں میں ابو ہریرہ سے روایت کی

۱۔ باب ''ردہ'' حاشیہ، بجری، شرح نہج البلاغہ، طبع بولاق ۱۳۰۹ھ۔

۲۔ کشف القناع علی متن الاقناع طبع قاہرہ ۱۳۱۹ھ ج ۴ ص ۱۰۰۔۱۰۵۔

۳۔ باب مرتد حاشیہ رد المختار علی الدر المختار، تالیف ابن عابدین، طبع مصر۔

ہے کہ عمر ابن خطاب نے ابوبکر سے کہا؛ لوگوں کے ساتھ کس لئے جنگ کر رہے ہو؟
جب کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے؛ میں مأمور ہوں تا کہ لوگوں
سے اس وقت تک جنگ کروں کہ خدا کی وحدانیت اور میری (محمدؐ) رسالت کی
شہادت دیدیں، اور جوں ہی یہ دو شہادتین کہیں گے تو ان کے مال و جان میری طرف
سے محفوظ ہیں پھر ان کے ساتھ جنگ نہیں کروں گا مگر یہ کہ حق ہو۔

ابوبکر نے کہا: خدا کی قسم! جو زکوٰۃ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ادا کرتے تھے، اگر مجھے ادا نہ
کریں گے اگر چہ وہ ایک اونٹ یا اس اونٹ کا بندھن ہی کیوں نہ ہو، ضرور ان کے ساتھ لڑوں گا، کیونکہ
زکوٰۃ مال کا حق ہے خدا کی قسم نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرنے والوں کی ساتھ میں حتمی طور پر لڑوں گا

عمر کہتے ہیں میں نے جب دیکھا کہ خدا نے ابوبکر کے سینہ کو جنگ کیلئے آمادہ کیا ہے تو مجھے
معلوم ہوا کہ وہ حق پر ہیں! [1]

تاریخ طبری میں آیا ہے:

''کچھ عرب گروہ مرتد ہوئے تھے، ابوبکر کے پاس آئے، وہ نماز کا اقرار

۱۔ البدایہ والنہایہ ج۶/۳۱۱، و ان عمر بن الخطاب قال لابی بکر :لم تقاتل الناس و قد قال رسول الله امرت ان اقاتل الناس حتی یشهدو ان لا اله الا الله و ان محمدً رسول الله فاذا قالوها عصموا منی دمائهم و اموالهم الا بحقّها فقال ابو بکر: و الله لو منعونی عناقا و فی روایة عقالاً کانوا یؤدونه الی رسول الله(ص) لأ قاتلنّهم علی منعها ان الزکاة حق المال و الله لاقاتلن من فرق بین الصلاة و الزکاه قال عمر: فما هوالا ان رایت الله قد شرح صدر ابی بکر للقتال فعرفت انه الحق (ص۲۴۰)

کرتے تھے،لیکن زکوٰۃ ادا کرنے سے پرہیز کرتے تھے،ابوبکر نے اس کام کو قبول نہیں کیا اور انھیں واپس بھیجدیا''۔[۱]

ابن کثیر نے البدایہ والنھایہ کی چھٹی جلد کے ۳۱۱ صفحہ پر کہتے ہیں:

''عربوں کا گروہ مدینہ آیا جبکہ نماز کا اقرار کرتے تھے لیکن زکات دینے سے پرہیز کرتے تھے ان میں ایسے اشخاص بھی تھے جو ابوبکر کو زکات ادا کرنے سے پرہیز کرتے تھے''

ان میں سے ایک نے یہ شعر کہے:

اطعنا رسول الله ما کان بیننا فواعجبا ما بال ملک ابی بکر

ایورثنا بکراً اذا مات بعده و تلک لعمر آلة قاصمة الظهر[۲]

ترجمہ

جب تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان تھے، ہم ان کی فرمانبردار تھے، تعجب کی بات ہے! ابوبکر کو حکمرانی سے کیا ربط ہے؟ کیا مرنے کے بعد اپنے بیٹے بکر کو جانشین قرار دیں گے؟ خدا کی قسم یہ واقعہ کمر شکن تھا۔

طبری نے سیف سے اور اس نے ابو مخنف سے روایت کی ہے:

''قبیلہ طی کے سوار، بنی اسد اور فزارہ کے سواروں سے (خالد کے ان پر حملہ کرنے سے پہلے)

۱۔ تاریخ طبری ج ۲/۴۷۴ و قد جائته و فود العرب مرتدین یقرّون بالصلاة و یمنعون الزکاة فلم یقبل ذلک منهم و ردّهم۔

۲۔ البدایة والنهایة، ج ۶ ص ۳۱۱۔

ایک دوسرے سے نبرد آزما ہو کر جنگ کئے بغیر ایک دوسرے کو گالیاں بکتے تھے، اسد اور فزارہ کہتے تھے: نہیں، خدا کی قسم ہم ہرگز ابوالفصیل کی بیعت نہیں کریں گے سواران، اُن کے جواب میں کہتے تھے: ہم شہادت دیتے ہیں کہ ابو بکر آپ لوگوں سے اس قدر جنگ کرے گا کہ آپ اسے ابوالفحل اکبر کہیں گے![1]

مذکورہ مقدمہ سے اہل بحث و تحقیق کیلئے واضح ہو گیا کہ جس چیز کو ابو بکر کے زمانے میں ارتداد کہتے تھے وہ درحقیقت اسلام سے ارتداد نہ تھا بلکہ صرف ابو بکر سے مخالفت تھی، لیکن چونکہ ابو بکر کی بیعت کے مخالفین عرب قبائل اور صحرانشین تھے اور جنگ میں شکست کھا کر قدرت پر قبضہ نہ کر سکے تھے اور دوسری طرف سے مسلسل کئی برسوں تک حکومت ابو بکر و عمر اور ان کے دوستوں، خاندان اور حامیوں کے ہاتھ میں رہی، اور وہ روایتیں جو مبارزات کے روداد اور سیاسی حالات کی تشریح کرتی ہیں، انہیں با نفوذ اور فاتح افراد کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں، لہذا ہم پر لازم اور واجب ہے کہ شکست خوردہ فرنٹ کے بارے میں نقل کئے گئے مطالب کے صحیح ہونے کے بارے میں دقیق تحقیق اور جانچ پڑتال کریں، یہ تھا ابو بکر کے دوران حکومت میں مرتدوں کے واقعہ کے بارے میں ایک خلاصہ۔

سیف کیا کہتا ہے؟

طبری نے سیف بن عمر سے نقل کیا ہے:

[1] ''بکر و بکرہ'' کا عربی لغت میں ایک معنی اونٹ کا بچہ ہے اور ''فصیل'' بھی اونٹ کے بچہ کو کہتے ہیں لہذا ابو بکر کو ''ابوالفصیل'' کہا گیا ہے، یعنی اونٹ کے بچہ کا باپ لہذا ابو بکر کو اس نام کیساتھ یاد کرنا توھین کے عنوان سے تھا۔

''جب ابوبکر کی بیعت کی گئی، عرب عام طور پر یا ہر قبیلہ کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے''[1]

اس کے علاوہ ایک اور جگہ پر سیف کے حوالہ سے نقل کرتا ہے:

''کفر نے زمین پر اپنا دامن پھیلایا تھا اور لوگ دین سے روگردانی کرتے تھے اور قریش و ثقیف کے علاوہ ہر قبیلہ میں سے یا تمام افراد یا کچھ مخصوص افراد مرتد ہو گئے تھے''[2]

سیف نے ارتداد کے سلسلے میں رونما ہونے والی جنگوں کی توصیف میں افسانوی اور خیالی داستانیں گڑھ لی ہیں جو تاریخ طبری میں پراکندہ حالت میں پائی جاتی ہیں، سچ تو یہ ہے کہ سیف افسانے گڑھنے میں ''عنترہ بن شداد'' کے افسانے گڑھنے والوں اور ان کے مانند افسانہ نویسوں کا استاد تھا اور اس کی خیال بافی کا دامن ان لوگوں سے وسیع تر تھا، کیونکہ سیف کے افسانوں کے ہیرو کیلئے خشک بیابانوں اور ریگستانوں میں پانی کے چشمے جاری ہوتے ہیں وہ دریا کے پانی پر چلتے ہیں، حیوانات ان سے گفتگو کرتے ہیں، اور فرشتے ان کی خبر گیری کرتے ہیں، اور اسی طرح کے مطالب جو دوسرے افسانوں میں نہیں پائے جاتے ہیں، اس کے علاوہ سیف کے افسانے، ایک اور خصوصیت کے بھی حامل تھے اور وہ یہ کہ اس کے افسانے با نفوذ شخصیتوں اور وقت کے حکام کی ستائش میں ہوا کرتے تھے اور اس نے ایسے لوگوں کی رفتار و گفتار کے دفاع میں (جو عام لوگوں کی نظروں میں مورد تنقید قرار پاتے تھے) زیادہ سے زیادہ روایتیں جعل کی ہیں، نمونہ کے طور پر کافی ہے کہ ہم ابوبکر

۱۔ تاریخ طبری ج۶/۲۶۱: لمّا بویع ابو بکر ارتدت العرب اما عاما و اما خاصة فی کل قبیلة .

۲۔ تاریخ طبری ج۶/۴۷۰، کفرت الارض و تصرّمت و ارتدّت من کل قبیلة عامّة او خاصة الا قریشاً و ثقیفاً

کی مرتدوں سے جنگ کے بارے میں سیف کی گڑھی چند داستانوں کو نقل کریں تا کہ اس کی کتاب ''الفتوح والردۃ'' میں اس کی داستان سرائی وافسانہ سازی کا طریقہ کار اور رویہ معلوم ہو سکے طبری نے اپنی تاریخ کبیر میں اسی کتاب سے بہت کچھ نقل کیا ہے۔

معتبر روایتوں میں مالک بن نویرہ کی داستان

ان خالدا قتل مسلماً و تزوج امرأته فی یومها

خالد نے ایک مسلمان کو قتل کیا اور اسی دن اسکی بیوی سے شادی کر لی!!

عمر بن خطاب

مالک بن نویرہ قبیلۂ یربوع تمیمی نامی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کی کنیت ابوحنظلہ تھی اور لقب جفول تھا۔

مرزبانی کہتا ہے:

''وہ ایک عالی رتبہ شاعر تھے اور قبیلۂ یربوع کے جنگجو مردوں میں ایک نامور شہسوار تھے، وہ عصر جاہلیت میں اپنے قبیلہ کے اعلی طبقہ کے افراد میں شمار ہوتے تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اپنے قبیلہ کا ٹیکس جمع کرنے پر مأمور فرمایا، پیغمبر کی وفات کے بعد انھوں نے جمع کیا ہوا ٹیکس حکومت وقت کو دینے سے انکار کیا اور اپنے رشتہ داروں کے درمیان تقسیم کر دیا اور اس سلسلہ میں فرمایا:

فقلت خذوا اموالکم غیر خائف و لا ناظر فیما یجییءُ من الغد
فان قام بالدین المحوّف قائم [1] اطعنا و قلنا الدین دین محمّدؐ

ترجمہ:

میں نے کہا: مستقبل کے بارے میں خوف و پرواکئے بغیر اپنے مال کو واپس لے لو، کیونکہ اس مال کو تم لوگوں نے دین کے خاطر ادا کیا ہے، لہذا اگر کسی نے دوبارہ قیام کیا تو ہم اس کی اطاعت کر کے کہیں گے کہ دین، دین محمدؐ ہے۔

طبری نے اپنی سند سے عبدالرحمان بن ابوبکر سے نقل کیا ہے:

''جب خالد سرزمین بطاح [2] پہنچا تو ضرار بن ازور [3]

۱۔ شرح ابن ابی الحدید میں (فان قام بالامر المجدد قائم) ہے، یعنی اگر کسی نے قیام کیا اور دوبارہ دین کی ذمہ داری لی، سید مرتضیٰ کی طرف سے قاضی القضاۃ کو دئے گئے ساتویں جواب میں ہے۔

۲۔ بطاح قبیلہ اسد بن خزیمہ کے اطراف میں ایک پانی ہے (معجم البلدان)

۳۔ ضرار بن ازور مرداس بن حبیب بن عمیر بن کثیر بن شیبان اسدی اور کہا گیا ہے کہ ازور کا نام مالک تھا اور وہ بن اوس بن خزیمہ بن ربیعہ بن مالک بن ثعلبہ بن دودان بن اسد ہے اس کی کنیت ابوازور اسد ہے وہ ایک دلیر شہسوار تھا اور جنگ اجنادین میں قتل ہوا کہا گیا ہے کہ یمامہ میں قتل ہوا ہے اور بعض نے کہا ہے زمان حکومت عمر میں فوت ہوا۔ الاستیعاب ج ۲/ص ۲۰۳۔ ۲۰۴ اور الاصابہ کی ج ۲/ ۲۰۰۔ ۲۰۱ میں لکھتا ہے: خالد نے ضرار کو کچھ لوگوں کے ہمراہ جنگ کیلئے بھیجا، خالد کے مأمورین نے بنی اسد کے ایک قبیلہ پر شب خون مارا اور ایک خوبصورت عورت کو گرفتار کیا ضرار نے لشکر سے مطالبہ کیا کہ اس عورت کو اس کے حوالہ کریں انہوں نے قبول کر کے اسے اس کے حوالہ کر دیا، ضرار نے اس سے ہمبستری کی اور اسکے بعد پشیمان ہوا، روداد کو خالد کے پاس پہنچا دیا گیا، خالد نے کہا: کوئی مشکل نہیں ہے میں نے اسے تم پر حلال کیا، ضرار نے قبول نہ کرتے ہوئے کہا، اس روداد کو عمر کی خدمت میں پہچانا چاہئے، خالد نے تشریح لکھی اور عمر نے جواب میں لکھا کہ اسے سنگسار کرو۔ جس وقت عمر کا خط پہنچا تو اس وقت ضرار فوت ہو چکا تھا خالد جب قضیہ سے آگاہ ہوا تو اس نے کہا: خدا نہیں چاہتا تھا کہ ضرار ذلیل و خوار ہو جائے، نیز اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ ضرار ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے ابو جندب کے ساتھ شراب پی لی تھی، جب ابو عبیدہ نے عمر کو اس کی خبر دی تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ اس کی تحقیق کراؤ گر لوگوں نے کہا کہ شراب حلال ہے تو انہیں قتل کر ڈالو ورنہ ان پر حد جاری کرنا، انہوں نے پوچھ تاچھ پر اعتراف کیا کہ خمر حرام ہے۔

کو لشکر کی ایک ٹولی کے ہمراہ بھیجا ابوقتادہ بھی ان کے ساتھ تھا، انہوں نے قبیلۂ مالک پر شب خون مارا، بعد میں ابوقتادہ کہتا تھا: جب ہماری فوج نے رات میں ان کا محاصرہ کرلیا تو قبیلۂ مالک وحشت میں پڑ کر جنگی اسلحہ لے کر آمادہ ہو گئے

ابوقتادہ نے کہا: ہم نے کہا: ہم مسلمان ہیں۔

انہوں نے کہا: ہم بھی مسلمان ہیں۔

لشکر کے سپہ سالار نے کہا: پھر کیوں جنگی اسلحہ لئے ہوئے ہو؟

انہوں نے کہا: تم لوگ کیوں مسلح ہو؟

ہم نے کہا: اگر تم لوگ سچ کہتے ہو کہ مسلمان ہو تو اسلحہ کو زمین پر رکھدو۔

ابوقتادہ نے کہا: انہوں نے اسلحہ کو زمین پر رکھدیا، پھر ہم نے نماز پڑھی اور انہوں نے بھی نماز پڑھی۔

ابن ابی الحدید اپنی شرح میں اس کے بعد کہتا ہے:

"جوں ہی انہوں نے اسلحہ کو زمین پر رکھدیا تو ان سب کو اسیر بنا کر رسیوں سے باندھ کر خالد[1] کے پاس لے آئے"

کنزل العمال[2] اور تاریخ یعقوبی[3] میں اس داستان کو یوں نقل کیا گیا ہے:

۱۔ فلما وضعو السلاح ربطوا أساری فاتوا بهم خالدا

۲۔ کنزل العمال، ج ۳/۱۳۲۔ ۳۔ تاریخ یعقوبی، ج ۲/۱۱۰۔

مالک بن نویرہ، گفتگو کیلئے خالد کے پاس آئے ان کی بیوی بھی انکے پیچھے آئی، جب خالد کی نظر اس عورت پڑی تو وہ اس پر فریفتہ ہوگیا اور مالک سے مخاطب ہوکر کہا: خدا کی قسم تم پھر سے اپنے قبیلہ کی طرف واپس نہیں جاسکتے ہو، میں تجھے قتل کرڈالوں گا۔

کنزل العمال کی تیسری جلد ۱۳۶ پر کہتے ہیں:

''خالد بن ولید نے دعویٰ کیا کہ مالک بن نویرہ مرتد ہوگیا ہے اس دعویٰ میں اس کی دلیل اور استناد ایک بات تھی کہ اظہار کرتا تھا کہ جو بات مالک سے اس کے کان تک پہنچی ہے، مالک نے اس خبر کو جھٹلا دیا اور کہا: میں بدستور مسلمان ہوں اور میں نے اپنے دین میں کوئی تبدیل نہیں کی ہے، نیز ابو قتادہ اور عبداللہ بن عمر نے بھی اس کی صداقت پر شہادت دی، اتنے میں خالد نے مالک کو آگے کھینچ کر ضرار بن ازور کو حکم دیا کہ مالک کا سر قلم کردے، اس کے بعد خالد نے مالک کی بیوی (جس کا نام ام تمیم تھا) کو اپنے قبضہ میں لے کر اس کے ساتھ زنا کیا۔[1]

تاریخ ابوالفداء[2] اور وفیات الاعیان میں آیا ہے:

عبداللہ بن عمر اور قتادۂ انصاری دونوں اس مجلس میں حاضر تھے اور انہوں نے مالک کے بارے میں خالد سے گفتگو کی، لیکن خالد نے ان کی بات کو قبول نہیں کیا، مالک نے کہا: خالد! تم مجھے ابو بکر کے پاس بھیجدو تاکہ وہ خود میرے بارے میں فیصلہ کریں، خالد نے جواب میں کہا: خدا مجھے معاف نہ کرے اگر میں تجھے معاف کردوں گا اس کے بعد ضرار بن ازور سے مخاطب ہوکر کہا: مالک کا سر قلم کردو!

۱۔ کنز العمال، ج۳ر۱۳۲

۲۔ تاریخ ابوالفداء، ص ۱۵۸۔

مالک نے اپنی بیوی پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالی اور خالد سے مخاطب ہوکر کہا: اس عورت نے مجھے قتل کروایا ہے وہ عورت انتہائی خوبصورت تھی، خالد نے کہا: بلکہ خدا نے تجھے قتل کیا ہے چونکہ اسلام سے تم نے منہ پھیر لیا ہے!

مالک نے کہا: میں مسلمان ہوں اور اسلام پر پابند ہوں۔

خالد نے کہا: ضرار اس کا سر قلم کردو، اور اس نے بھی اس کا سر تن سے جدا کر دیا[1]

اور ابن حجر، ''الاصابہ'' (ج۳/ص ۳۳۷) میں ثابت بن قاسم سے نقل کرتا ہے کہ اس نے اپنی کتاب الدلائل میں لکھا ہے:

''خالد کی نگاہ مالک کی بیوی پر پڑی، وہ اپنے وقت کی خوبصورت ترین عورت تھی، مالک نے اپنی بیوی سے کہا: تم نے مجھے قتل کیا[2] اس کا مقصود یہ تھا میں تیرے سبب جلد ہی قتل کیا جاؤں گا[3]

اور اصابہ میں زبیر بن بکار سے اس نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے:

مالک بن نویرہ کو جس وقت قتل کیا گیا[4] اسکے سر پر گنجان زلف تھی، خالد نے حکم دیا کہ مالک کے سر کو دیگ کا پایہ قرار دیں تو ایسا ہی کیا گیا اور اس سے پہلے کہ آگ ان کے بالوں سے گزر کر ان

۱۔ یہ تاریخ ابن شحنہ ص ۱۶۶ کامل ج ۷ کے حاشیہ سے نقل کیا گیا ہے۔

۲۔ الاصابہ ج ۳/ ۳۳۷۔

۳۔ان خالد رآی امرة مالک و کانت فائقه فی الجمال فقال مالک : بعد ذلک لامر ته قتلیتنی یعنی سأقتل من اجلک

۴۔ان مالک بن نویره کان کثیر شعر الرأس فلما قتل امر خالد برأسه فنصب أثفية لقدر فنضج ما فيها قبل ان يخلص النار الى شئون رأسه .

کی کھال تک پہنچے دیگ میں موجود کھانا پک چکا تھا[۱]

خالد نے مالک کی بیوی ام تمیم (منہال کی بیٹی) سے اسی رات زنا کیا۔

ابونمیر سعدی اس سلسلہ میں کہتا ہے:

"ألا قُلْ لحيّ اوطأوا بالسنابک　　تطاول هذا اللّيل من بعد مالک

قضىٰ خالد بغياً عليه دعرسه　　و كان له فيها هوى قبل ذلک

فامضى هواه خالد غير عاطف　　عنان الهوىٰ عنها ولا متمالک

فاصبح ذا اهل و اصبح مالک　　الى غير اهل هالكاً فى الهوالک[۲]

ترجمہ:

خبردار! اس گروہ سے کہہ دو جنہوں نے گھوڑے دوڑائے ہیں، مالک کے بعد ہماری تاریک رات ختم ہونے والی نہیں ہے، خالد جو اس سے پہلے مالک کی بیوی پر فریفتہ ہو چکا تھا، اس نے مالک کو اس عورت کیلئے بزدلانہ طور پر قتل کیا اور اپنے دل کی تمنا پوری کی اور اپنے سرکش نفس کو لگام نہ لگا سکا جس صبح کو مالک اپنی بیوی سے جدا ہو کر عدم کی طرف روانہ ہوئے، خالد ان کی بیوی پر تصرف کر چکا تھا۔

ابن حجر الاصابہ میں کہتا ہے:

جب خالد نے مالک کو قتل کیا تو منہال کی نظر مالک کے بے سر بدن پر پڑی تو اپنی زنبیل سے

۱۔ طبری، ج ۲/۵۰۳، الاصابہ، ج ۳/۳۳۷، ابن اثیر، جنگ بطاح، ابن کثیر، ج ۶/۳۲۱، ابی الفداء، ۱۵۸ و ابن ابی الحدید، ج ۱۷۔

۲۔ یعقوبی، ج ۲/۱۱۰۔

ایک پیراہن نکال کر مالک کو اس سے کفن کیا[1]

یہ تھا مالک کا خاتمہ، اب دیکھنا چاہئے کہ حکومت وقت نے اپنے اس سردار خالد کے ساتھ اس عمل کی سزا کے طور پر کیا برتاؤ کیا؟

تاریخ یعقوبی میں آیا ہے:

ابوقتادہ نے اپنے آپ کو ابوبکر کے پاس پہنچا دیا اور تمام واقعہ کے بارے میں رپورٹ پیش کی اور کہا؛ خدا کی قسم اب میں خالد کے پرچم تلے اس کی کمانڈری میں کسی جگہ نہیں جاؤں گا کیوں کہ اس نے مالک کو مسلمان ہونے کے باوجود قتل کر ڈالا ہے۔

تاریخ طبری میں ابن ابی بکر سے نقل کیا گیا ہے:

من جملہ جن لوگوں نے مالک کے مسلمان ہونے پر شہادت دی، قتادہ تھا، اس نے اپنے خدا سے عہد کیا کہ وہ خالد کی کمانڈری میں کسی محاذ جنگ پر شرکت نہیں کرے گا[2]

اور تاریخ یعقوبی میں ہے کہ ''عمر بن خطاب نے ابوبکر سے کہا: اے رسول اللہ کے جانشین! یہ سچ ہے کہ خالد نے ایک مسلمان مرد کو قتل کیا ہے اور اسی دن اس کی بیوی سے ناجائز تعلقات قائم کئے ابوبکر نے خالد کو خط لکھا اور اسے اپنے پاس بلایا، خالد نے کہا: اے جانشین رسول! میں نے مالک کو قتل کرنے میں اپنی نظر میں ایک تاویل کی ہے اور اس میں صحیح راستہ اختیار کیا لیکن خطا بھی سرزد ہوگئی ہے''

۱۔ اصابہ ۳/۴۸۷

۲۔ فلحق ابو قتادہ بابی بکر فاخبرہ الخبر و حلف ان لا یسیر تحت لواء خالد لانہ قتل مالکا مسلماً.

یعقوبی نے کہا ہے:

"متمم بن نویرہ[۱] (اس زمانہ کے شاعر تھے) نے اپنے بھائی کی سوگ میں بہت سے شعر کہے ہیں اورنوحہ بھی پڑھا ہے وہ مدینہ میں ابوبکر کے پاس گئے، فجر کی نماز کو ابو بکر کی امامت میں پڑھی، جوں ہی ابوبکر نماز سے فارغ ہوئے، متمم اپنی جگہ سے اٹھے اوراپنی کمان سے ٹیک لگا کر مندجہ ذیل اشعار پڑھے:

نعم القتیل اذ الریاح تناوحت خلف البیوت قتلت یابن الأزور

أدعوته باللہ ثم غدرته لو ھو دعاک بذمة لم یغدر

ترجمہ

اے فرزند ازور! جب نسیم صبح ہمارے گھر کے درودیوار پر چل رہی تھی، تم نے کتنے نیک مرد کا قتل کیا! خدا کے نام پر اسے بلایا اوراسے امان دیا، اس کے بعد مجرمانہ طور پر اسے قتل کر ڈالا، جب کہ اگر مالک تم سے کوئی عہد کرتا تو وہ اپنے عہد وپیمان پر وفادار رہتا اورکسی قسم کی فریب کاری وحیلہ سے کام نہیں لیتا"

تاریخ ابوالفداء میں لکھا گیا ہے کہ جب یہ خبر ابوبکر وعمر کو پہنچی تو عمر نے ابوبکر سے کہا:

"مسلم الثبوت ہے کہ خالد نے زنا کیا ہے، اسے سنگسار کیا جانا چاہئے! ابوبکر نے کہا: میں اسے سنگسار نہیں کروں گا کیونکہ اس نے اپنے لئے ایک فریضہ کو تشخیص دیا ہے اور

۱۔ اس کی کنیت ابوادھم یا ابونھیک یا ابراہیم تھی، وہ نویرہ کا بیٹا ہے، اس کا نسب اسکے بھائی کے حالات میں ہم نے بیان کیا ہے اس نے اپنے بھائی کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا، اس نے اپنے بھائی مالک کے سوگ میں اچھے مرثیہ کہے ہیں الاصابہ ج ۲/۳۴۰، استیعاب ۲/ ۴۸۸۔

گویا فریضہ کی تشخیص میں خطا ہوئی ہے؟!!

عمر نے کہا: وہ قاتل ہے اور اس نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے اس کے خلاف قصاص کا حکم دینا چاہئے۔

ابوبکر نے کہا: میں اس کو ہرگز قتل نہیں کروں گا، جیسا کہ میں نے کہا کہ اس سے ایک فریضہ کی تشخیص میں خطا ہوئی ہے!

عمر نے کہا: پس کم از کم اسے معزول کرو!

ابوبکر نے کہا: میں ہرگز اس تلوار کو دوبارہ نیام میں نہیں رکھوں گا جسے اس نے اسلام کیلئے کھینچا ہے۔

اور طبری کی روایت میں نقل ہے:

مالک کو قتل کرنے میں خالد کا عذر یہ تھا کہ جب مالک میرے پاس آئے، تو انھوں نے گفتگو کے دوران کہا: میں گمان نہیں کرتا ہوں کہ آپ کے حاکم نے ایسا ویسا کہنے کے علاوہ کچھ اور کہا ہوگا![1]

خالد نے کہا: مگر تم اسے اپنا حاکم نہیں جانتے ہو کہ کہتے ہو تمہارا حاکم؟ پھر مالک کو آگے کھینچ کر اس کا سر تن سے جدا کیا اور اس کے دوستوں کا سر بھی قلم کر دیا۔

جب مالک اور اس کے دوستوں کے قتل کی خبر عمر کو پہنچی تو انھوں نے ابوبکر سے کافی گفتگو کی اور کہا:

۱۔ما اخال صاحبکم الا وقد کان یقول کذا و کذا .

اس دشمن خدا نے ایک مسلمان پر متجاوزانہ دست درازی کر کے اسے قتل کر ڈالا ہے اور اس کے فوراً بعد حیوان کی طرح اس کی بیوی کی عصمت دری کی ہے[۱]

خالد سفر سے لوٹ کر مسجد میں چلا گیا، ایک چغہ زیب تن کیا ہوا تھا جس پر لوہے کا زنگ لگا ہوا تھا اور ایک عمامہ سر پر باندھے ہوا تھا کہ اس پر اسلامی لشکر کی علامت کے طور پر چند تیر نصب کئے ہوئے تھے جب مسجد میں داخل ہوا تو عمر غضبناک ہو کر اپنی جگہ سے اٹھے اور تیروں کو اس کے عمامہ سے کھینچ کر انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا اور اس کے بعد خالد کی سرزنش کرتے ہوئے بولے: تم نے یہ مکاری اور ریا کاری سے ایک مسلمان کو قتل کر ڈالا ہے اور اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ ایک حیوان کی طرح اس کی بیوی پر جھپٹ پڑے، خدا کی قسم میں تجھے سنگسار کرونگا اور تم اس سزا کے مستحق ہو!

خالد خاموش بیٹھا تھا، کیونکہ وہ گمان کرتا تھا کہ عمر کی طرح ابو بکر بھی اسے مجرم جانتے ہوں گے اس نے عمر کو کوئی جواب نہیں دیا بلکہ ابو بکر کے پاس جا کر اپنی رپورٹ پیش کی اور اپنے کئے ہوئے پر عذر خواہی کی، ابو بکر نے خلاف توقع اس کے عذر کو قبول کر لیا، راوی کہتا ہے: جوں ہی خالد نے ابو بکر کی رضامندی حاصل کی وہ وہاں سے رخصت ہو کے مسجد کی طرف چلا گیا عمر ابھی تک مسجد میں بیٹھے تھے خالد سے خطاب کرتے ہوئے گرج کر بولے:

خبردار اے ام شملہ کے بیٹے! اس وقت اگر مجھے کچھ کہنا چاہتے ہو تو آگے بڑھ کر کہو عمر نے

---

۱. عدو الله ، عدا علی امرء مسلم فقتله ، ثم زنا علی امرأته .

اپنی فراست سے جان لیا کہ ابوبکر خالد سے راضی ہو گئے ہیں اس لئے خالد سے کچھ کہے بغیر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے !!

یہ تھا صحیح اور معتبر روایتوں میں خالد اور مالک بن نویرہ کی داستان کا خلاصہ، جسے تمام مؤرخین نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ لیکن سیف کی روایتوں میں یہ داستان دوسری طرح میں نقل ہوئی ہے کہ جسکو آنے والی فصل میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

سیف کی روایت میں مالک بن نویرہ کا ارتداد

فان اقرّوا بالزکاۃ فاقبلوا منھم وان ابو فلا شیء الا الغارۃ

اگرانہوں نے زکات ادا کی توان کا قصور معاف کیا جائے گا اور اگر اس سے پرہیز کریں گے توان کی سزا بربادی اور غارت گری کے سوا کچھ نہیں ہے...

سیف کی روایت کے مطابق، ابوبکر کا فرمان

سیف کی روایتیں

قارئین کرام نے مالک بن نویرہ کی داستان کے بارے میں مؤرخین کی روایتوں کا گذشتہ فصل میں مطالعہ کیا، اب ہم اس فصل میں سیف کی روایتوں کونقل کرتے ہیں تا کہ بعد والی فصل میں روایتوں کے ان دو مجموعہ کا آپس میں موازنہ کریں۔

سیف ، مالک بن نویرہ کی داستان کو سات روایتوں میں تشریح کرتا ہے اور انھیں مرتد بتاتا ہے، مالک بن نویرہ کی داستان اوران کے ارتداد کے بارے میں سیف کی سات روایتیں حسب ذیل ہیں:

۱۔طبری، جس جگہ بنی تمیم وسجاح کی روایت نقل کرتے ہیں[۱] وہاں پر کہتے ہیں:

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گماشتے اور مأمورین، قبیلۂ بنی تمیم میں زکات جمع کرنے میں مشغول تھے، پیغمبر اسلام کی رحلت کے بعد زکات وصول کرنے والے مأمورین میں شدید اختلاف ہوگیا اور وہ دو دھڑوں میں تقسیم ہوگئے، ان میں سے کچھ لوگوں نے وصول کی گئی زکات کو ابوبکر کے حوالہ کیا اور چند دیگر افراد اسے ابوبکر کے حوالے کرنے کے سلسلے میں شک میں پڑ گئے اور انہوں نے زکات ادا کرنے سے پرہیز کیا تاکہ ان کی تکلیف واضح ہوجائے، مالک بن نویرہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو ابوبکر کو زکات ادا کرنے کے سلسلے میں شک میں پڑے ہوئے تھے، اس لئے وہ زکات کو ابوبکر کے ہاتھ دینے سے پرہیز کرتے تھے تاکہ یہ دیکھ لیں کہ مسئلہ کہاں تک پہنچتا ہے، اسی دوران جب سرزمین بنی تمیم میں یہ اختلاف اور دوگانگی پیدا ہوئی تھی اور وہاں کے باشندے اس اختلاف میں سرگرم تھے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پیغمبری کا دعویٰ کرنے والا سجاح نامی شخص اچانک پیدا ہوا تاکہ ابوبکر پر حملہ کرکے اس سے جنگ کرے۔

سجاح نے مالک بن نویرہ کو ایک خط لکھا، مالک نے بھی اس کی تجویز مان لی اور وکیع اور سجاح نے مل کر ایک سہ رکنی انجمن تشکیل دی، اس انجمن میں ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے، اتحاد و یکجہتی قائم کرنے اور دوسروں سے مل کر جنگ کرنے کا عہد و پیمان باندھا۔

۲۔اہل بحرین کے ارتداد اور علاء حضرمی کے ان کی طرف بھیجنے کی داستان کے ذیل میں کہتے ہیں:

۱۔تاریخ طبری ۲/۴۹۵۔

جب علاء بن حضرمی ان کی طرف روانہ ہوا تو یمامہ کا مقابلہ ہوا جس کے نتیجہ میں ان کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا اور آپس میں جنگ اور مساوات کی ٹھان لی کچھ لوگ علاء سے ملحق ہو گئے راوی کے بقول کہ مالک اور اس کے ساتھی بطاح نامی جگہ پر تھے وہ ہم سے جنگ اور مقابلہ کر رہے تھے اور ہم ان سے نبرد آزما ہوئے[1]

۳۔ اور مزید اس داستان کے بارے میں کہتا ہے:

جب سجاح جزیرہ واپس لوٹا، مالک بن نویرہ پشیمان ہو چکے تھے اور اپنے کرتوت سے باخبر امور میں حیران و پریشان تھے، لیکن وکیع وسماعہ، جنہوں نے زکات ادا کرنے سے پرہیز کیا تھا، سیاہ کارناموں کو باقی رکھتے ہوئے نہایت اطمینان کے ساتھ خالد کے استقبال کیلئے دوڑے اور اسے زکات ادا کی۔

اس کے بعد بنی حنظلہ کی سرزمین پر مالک بن نویرہ اور بطاح میں اس کے اردگرد جمع ہوئے لوگوں کے علاوہ کوئی ناخوشگوار چیز باقی نہیں رہی تھی وہ بدستور پریشان تھے بعض اوقات نیک رفتار اور کبھی بدکردار بن جاتا تھا۔

۴۔ اس کے بعد یوں روایت کرتا ہے:

''خالد قبیلۂ اسد اور عطفان کے علاقوں کو مرتدوں سے پاک کرنے کے بعد بطاح کی طرف روانہ ہوا جہاں پر مالک بن نویرہ اپنے کام میں مشکوک تھے، انصار خالد کے بطاح کی طرف روانہ ہونے کے بارے میں تشویش میں پڑے لہٰذا اس کا ساتھ دینے سے پرہیز کیا اور کہا کہ:

۱۔ و کان مالک فی البطاح و معه جنوده یساجلنا و نساجله.

خلیفہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر ہمیں بزاخہ کی جنگ سے فراغت حاصل ہو جائے تو ہم اس وقت تک وہیں پر رکے رہیں جب تک کہ خلیفہ کا خط نہ ملے خالد نے کہا: کمانڈر میں ہوں اور مجھے حکم دیتے ہو اب جبکہ مالک بن نویرہ ہمارے مقابلے میں ہے میں اس کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں اور تم میں سے کسی ایک کو اپنے ساتھ آنے پر مجبور نہیں کروں گا، اتنا کہہ کر روانہ ہوا خالد کے روانہ ہونے کے بعد انصار پشیمان ہوئے اور اسکے پیچھے روانہ ہوئے اور اس سے جا ملے اس کے بعد خالد بطاح پہنچا اور وہاں پر کسی کو نہیں پایا۔

یہاں تک جو کچھ بیان ہوا ہے وہ سیف کی چار روایتوں کا خلاصہ تھا اور اب مالک کی داستان کے ضمن میں باقی داستان ملاحظہ ہو۔

۵۔ طبری سیف کی ایک دوسری روایت کے مطابق یوں کہتا ہے:

''خالد بن ولید جب بطاح پہنچا تو اس نے وہاں پر کسی کو نہیں پایا اور دیکھا کہ مالک نے اپنے کام میں تردید کی وجہ سے اپنے قبیلہ والوں کو متفرق ہونے کا حکم دے چکے ہیں اور انہیں ایک جگہ جمع ہونے کے بارے میں سختی سے منع کر چکے ہیں اور ان سے کہہ رہے ہیں: اے بنی یربوع کے افراد! تم لوگ جانتے ہو کہ جب بزرگ اور سپہ سالار ہمیں دین کی دعوت دیتے تھے، تو ہم ان کے حکم کی نافرمانی کرنے کے علاوہ، ان کے خلاف پروپگنڈا کرتے تھے تاکہ دوسرے جلدی ان کی تبلیغ سے متاثر نہ

ہوں، لیکن اس مقابلہ میں ہم نے شکست کھائی ہے میں آپ لوگوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ خلافت کے بارے میں میرے مطالعہ کا نتیجہ یہ ہے کہ، خلافت کا کام لوگوں کی تدبیر کے بغیر آگے بڑھا ہے، اس بنا پر ایسا نہ ہو کہ تم ان لوگوں کو کہ جنکو زمانے نے ان کی مرادوں تک پہونچا دیا ہے، ان سے دشمنی کرو، اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ اور چون و چرا کئے بغیر اس کام میں مداخلت نہ کرو، اس تقریر کے بعد لوگ متفرق ہو گئے اور مالک بھی اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب خالد بطاح پہنچا تو اپنے لوگوں کو اسلامی تبلیغات کیلئے علاقہ کے اطراف میں بھیج کر حکم دیا کہ جو بھی ان کی دعوت کو قبول نہ کرے اسے گرفتار کرکے اس کے پاس لے آئیں، اور اگر کسی نے آنے سے انکار کیا تو اسے قتل کر ڈالیں یہ انہیں منجملہ احکام میں سے تھا جو ابو بکر نے خالد کو دیا تھا، کہ: جہاں پر بھی پڑاؤ ڈالنا اذان و اقامت کہنا، اگر اس علاقہ کے لوگوں نے بھی تمہارے همراه اذان و اقامت کہا تو ان کے ساتھ تعارض نہ کرنا اور اگر ایسا نہ کیا تو اس کے علاوہ تمہارا اور کوئی فرض نہیں ہے کہ ان پر اچانک حملہ کرنے کا اختیار رکھتے ہو، جس طرح ممکن ہو سکے انھیں قتل کر ڈالو، حتی آگ لگا دیا کسی اور طریقے سے اگر انہوں نے اسلام کی دعوت قبول کر لی تو ان سے پوچھ تاچھ کرو اور اگر پوچھ تاچھ کے دوران انہوں نے زکوٰۃ ادا کرنے کا اعتراف کیا تو ان کے اسلام کو قبول کر لو اور اگر اس کا اعتراف نہ کیا تو اس کی سزا لوٹ مار کرنے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

مأموریت پر گئے خالد کے سپاہی واپس آئے اور مالک بن نویرہ کو ان کے قبیلہ کے افراد اور چچیرے بھائیوں کے ہمراہ پکڑ کر خالد کے پاس لئے آئے، سپاہیوں کے درمیان اختلاف پیدا ہوا بعضوں، من جملہ ابوقتادہ نے گواہی دی کہ مالک اور اس کے ساتھیوں نے اذان واقامت کہکر نماز ادا کی ہے جب یہ اختلاف رونما ہوا تو خالد نے حکم دیا کہ مالک اور اسکے ساتھیوں کو زندان میں ڈال دیا جائے، اتفاقاً اس رات اس قدر شدید سردی تھی کہ کوئی بھی اس سردی کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا، رات کے گزرنے کے ساتھ ساتھ سردی بھی زور پکڑتی جارہی تھی، خالد نے حکم دیا کہ اپنے اسیروں کو گرم رکھو، یہ حکم جملہ '' ادفئو اسراکم '' کے ذریعہ ابلاغ ہوا، کہ یہ لغت میں گرم رکھنے اور قتل کرنے کے دو کنایوں کی صورت میں استعمال ہوتا ہے، دوسروں کی لغت میں ''دفہ'' جو لفظ ادفئہ سے شباہت رکھتا ہے قتل کے معنی میں ھے، لوگوں نے جب مذکورہ جملہ سن لیا تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ خالد نے ان کے قتل کرنے کا حکم جاری کیا ہے، لہذ اانہوں نے اسیروں کو قتل کرڈالا۔ مالک کا قاتل ضرار بن ازور تھا، جب چیخ پکار کی آواز خالد کے کانوں تک پہنچی تو وہ اپنے گھر سے باہر نکل آیا اور دیکھا کہ کام تمام ہوچکا ہے اس نے کہا: جب خداوند عالم کسی کام کا اردہ کرتا ہے تو وہ انجام پاتا ہے[1]

اس کام کے اختتام پر، خالد کے حامیوں کے درمیان مقتولین کے بارے میں گفتگو ہوئی اور اختلاف پیدا ہوا، ابوقتادہ نے خالد سے مخاطب ہوکر کہا یہ تمہارا کام تھا، خالد نے اسے ایک دھمکی دی،

۱۔ اذا اراد اللہ امرا اصابہ.

ابوقتادہ برہم ہوکر غضب کی حالت میں روانہ ہوکر ابوبکر کے پاس آئے ،لیکن ابوبکر ابوقتادہ پر غضبناک ہوئے پھر عمر واسطہ بنے ،لیکن ابوبکر اس سے راضی نہ ہوئے مگر یہ کہ وہ دوبارہ لوٹ کے خالد کے پاس جائے ،لہذا واپس چلے گئے اور خالد کے ساتھ مدینہ آ گئے ۔خالد نے ام تمیم بنت منہال (مالک کی بیوی) سے شادی کر لی ،لیکن عدہ تمام ہونے تک اس سے ہمبستری نہیں کی[1]

عمر نے ابوبکر سے کہا کہ خالد کی تلوار میں سرکشی وطغیانی ہے بالفرض اگر ہر جگہ ایسا نہ ہو،لیکن مالک کے بارے میں تو ایسا ہی ہے لہذا اس سے مالک کا قصاص لینا چاہئے اس سلسلہ میں عمر اصرار کر رہے تھے لیکن ابوبکر نے اپنے کارندوں اور مأمورین میں سے کسی سے بھی قصاص نہیں لیا،اور ان سے کہا: چھوڑ و عمر! خالد اپنی نظر میں ایک تاویل کرنے میں خطا کر گیا ہے اس کے بارے میں اپنی زبان کنٹرول میں رکھو نیز اس موضوع پر اس کے بعد بات مت کرنا ابوبکر نے مالک کا خون بہا ادا کر دیا اور خالد کے نام ایک خط لکھا ،اسے اپنے پاس بلایا ،اس نے ابوبکر کے حضور میں آ کر تمام واقعہ بیان کیا ابوبکر نے خالد کے عذر کو منظور کیا اور عربوں کی نظر میں معیوب سمجھی جانے والی شادی کے سلسلے میں اس کی سرزنش کی!

۶۔سیف ایک اور حدیث میں کہتا ہے:

’’خالد کے بعض سپاہیوں نے شہادت دی کہ ہم نے اذان و اقامت کہہ کر نماز پڑھی ہے مالک نے بھی ایسا ہی کیا لیکن کچھ دیگر سپاہیوں نے شہادت دی کہ ایسا نہیں ہوا ہے لہذا اسے قتل کر دیا گیا‘‘

۱۔جنگ میں ازدواج کرنا عربوں کیلئے اچھا نہیں تھا بلکہ قابل ملامت اور سرزنش کا مقام ہوتا تھا۔

۷۔ سیف نے اپنی آخری روایت میں یوں کہا ہے" مالک کے سر پر گھنے بال تھے جب سپاہیوں نے مقتولین کے سروں کو دیگ کے پایہ کے طور پر استعمال کیا تو مالک کے سر کے علاوہ کوئی سر ایسا نہ بچا کہ اس کی کھال تک آگ نہ پہنچی ہو دیگ میں موجود کھانا پک کر کھانے کیلئے آمادہ ہو چکا تھا لیکن مالک کا سر گھنے بال کی وجہ سے ابھی تک جلا نہیں تھا۔

متمم نے اس کے بارے میں کچھ اشعار کہے ہیں، ان میں مالک کے دھنسے ہوئے پیٹ کی تعریفیں کی ہیں، جو جنگی سورماؤں کے افتخارات میں شمار ہوتا تھا، عمر نے اس سے پہلے دیکھا تھا کہ مالک کس طرح پیغمبر اسلامؐ کے حضور میں حاضر ہوئے تھے لہذا انھوں نے کہا؛ مگر ایسا ہی تھا اے متمم! اس نے جواب میں کہا؛ میری نظر میں ایسا ہی تھا۔

جو کچھ ہم نے سیف کی روایتوں میں پایا، اس کا یہ ایک خلاصہ تھا، انشاء اللہ آئندہ فصل میں متن اور سند کے لحاظ سے تحقیق کریں گے۔

مالک کی داستان کے بارے میں سیف کی روایتوں کی چھان بین

و بکل ذلک اثبت ارتداد مالک بن نویرہ ....

سیف من گڑھت روایتوں سے مالک کے ارتداد کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے...

مؤلف

انا علی الاسلام لا غیّرت ولا بدّلت

میں اپنے اسلام پر ثابت و پائیدار ہوں نہ میں نے دین میں تغیر پیدا کیا ہے اور نہ تبدیلی کی ہے۔

مالک بن نویرہ

گزشتہ فصلوں کا ربط

ہم نے گزشتہ دو فصلوں میں مالک بن نویرہ کی داستان کے بارے میں سیف کی روایتوں اور دیگر مؤرخین کی روایتیں درج کی ہیں ، اب ہم اس فصل میں اس جگہ پر سیف کی روایتوں کو دیگر مؤرخین کی روایتوں سے تطبیق اور موازنہ کرکے تحقیق کریں گے پھر متن اور سند کے لحاظ سے ان کی

جانچ پڑتال کریں گے۔

جب ہم سیف کی روایتوں کی اسناد کی تحقیق کرتے ہیں اور ان کے متن کو دوسروں کی روایتوں سے ملاتے اور موازنہ کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سیف کی روایتیں متن اور سند کے لحاظ سے بے بنیاد اور نا قابل اعتبار ہیں، یہاں پر ہم پہلے سیف کی روایتوں کی سند کی چھان بین کریں گے اور پھر ان کے متن پر بحث کریں گے۔

سند کے لحاظ سے سیف کی روایتوں کی قدر و قیمت

سیف نے روایت نمبر ۱، ۲ و ۳ کو صعب بن عطیہ سے نقل کیا ہے اور کہتا ہے: صعب نے بھی اپنے باپ عطیہ بن بلال سے روایت کی ہے اور اپنی پانچویں اور ساتویں روایت کو عثمان بن سوید بن مثعبہ سے نقل کیا ہے۔

عطیہ اور صعب ــ باپ، بیٹے ــ اور عثمان بن سوید کی آشنائی کیلئے ہم نے علم حدیث اور سند شناس دانشوروں کی رجال کی کتابوں کی طرف رجوع کیا تو ہمیں عطیہ و صعب کے بارے میں کہیں کوئی اثر نہ ملا لیکن، عثمان بن سوید، اگر چہ تاریخ میں سوید بن مثعبہ یا سوید بن شعبہ کا نام ملتا ہے لیکن اس کیلئے عثمان نامی کوئی فرزند ذکر نہیں ہوا ہے اہل فن کی نظر میں واضح اور مسلم قاعدے کے مطابق ان راویوں کو سیف کے ذہن کی تخلیق جاننا چاہئے اور اس مطلب کی وضاحت کے سلسلے میں ہم کہتے ہیں:

سیف نے بہت سے لوگوں کیلئے بیٹے جعل کئے ہیں چنانچہ حواب کے کتوں کی داستان میں ام قرفہ کیلئے ''ام زمل'' نامی ایک بیٹی تخلیق کی ہے اور ہرمزان کیلئے قماذبان نامی ایک بیٹا جعل کیا ہے چانچہ یہ بحث آئے گی، ''جعلی اصحاب'' کی بحث میں ہم دیکھیں گے کہ ایک سو پچاس سے زائد راوی و اصحاب اس کی کے ذہنی تخلیق کا نتیجہ ہیں جن کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں ہے اور ان کا کسی کتاب میں نام ونشان تک نہیں ملتا، لہذا ہم ناچار ہیں کہ عثمان بن سوید کو بھی سیف کے ذہن کی تخلیق سمجھیں۔

راویوں کے طبقات

یہاں پر ممکن ہے سوال کیا جائے کہ کس وجہ سے سیف نے جن راویوں سے روایتیں نقل کی ہے ان کا نام ونشان کتابوں میں نہیں ملتا اور وہ سیف کے خیالات کی تخلیق ہیں؟

اس سوال کے جواب کو واضح کرنے کیلئے ہم کہتے ہیں:

علم حدیث کے علماء نے حدیث کے راویوں کی طبقہ بندی کی ہے.

طبقۂ اول میں: وہ لوگ ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم عصر تھے اور بلا واسطہ آپ سے روایت نقل کرتے ہیں اس گروہ کو اصحاب یا صحابہ کہتے ہیں۔

طبقہ دوم: وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درک نہیں کیا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے ملاقات کی ہے اور ان سے روایت کرتے ہیں انھیں تابعین کہتے ہیں اور تابعین میں سے جنہوں نے دس اصحاب یا دس سے زیادہ اصحاب سے

روایت کی ہوانھیں ''بزرگان تابعین'' کہتے ہیں:

تیسرا طبقہ: یہ تابعین کے وہ افراد ہیں جنہوں نے بعض اصحاب سے حدیث روایت کی ہو اور اس گروہ کا زمانہ ولید اموی کی خلافت کے اختتام ۱۲۶ھ پر ختم ہوتا ہے۔

چوتھا طبقہ: یہ تابعین کا آخری گروہ اور ان کے ہمعصر راوی ہیں اور اس طبقہ نے غالباً طبقہ اول کے تابعین سے روایت کی ہے اور ان میں سے بعض نے بھی بعض اصحاب کو درک کیا ہے اس طبقہ کا زمانہ، بنی امیہ کی خلافت کے اختتام ۱۳۲ھ پر ختم ہوتا ہے۔

پانچواں طبقہ: یہ وہ راوی ہیں جو طبقہ چہارم کے بعد تھے اور ان کا زمانہ منصور عباسی کی خلافت کے اختتام تک تھا۔

چھٹا طبقہ: یہ وہ راوی ہیں جن کا زمانہ مأمون کی خلافت کے اختتام تک ختم ہوتا ہے[۱] اور یہ طبقہ بندی چودہ طبقہ تک پہنچتی ہے بعض علماء نے دوسرے طریقے سے طبقہ بندی کی ہے جن راویوں نے ہجرت کے پہلے دس برسوں کے دوران وفات پائی ہے انکو پہلے طبقہ سے جانا جاتا ہے اور جنہوں نے دوسرے دس سال میں وفات پائی ہے انھیں دوسرا طبقہ اور اسی طریقہ سے طبقات کے سلسلہ کو آگے بڑھایا جاتا ہے چونکہ دینی علم پہلی صدی ہجری کے اوائل میں قرائت قرآن اور روایت حدیث تک منحصر تھا اور اس کے بعد صرف روایت حدیث اہم ترین دینی علم حساب ہوتا تھا، لہذا اصحاب و تابعین اور ان کے بعد جنہوں نے حدیث روایت کی ہے انھیں عالم کہا جاتا ہے جس سے روایت کی گئی

۱۔ تذکرہ حفاظ کے چار جلد، طبع حیدر آباد کو طرف رجوع کیا جائے۔

ہے اسے شیخ کہا جاتا ہے ہر شیخ (جو روایت کا استاد تھا) کو معین کیا گیا ہے جس کے چند شاگرد تھے اور ہر شاگرد نے راوی کی تعیین کی ہے جنہوں نے چند شیوخ سے اخذ کیا ہے ان کے اساتید کون ہیں؟ پھر اس وقت کس طرح ہر ایک کے تفصیلی حالات بیان کرتے ہیں کہ کس شہر میں زندگی گزار رہے تھے با تقویٰ اور پرہیز گار تھے یا یوں ہی ضعیف عقیدہ، شیعہ تھے یا سنی، خارجی تھے یا غالی مرجئی تھے یا قدری، معتزلی تھے یا اشعری، خلق قرآن کے قائل تھے یا اس کے قدیم ہونے کے، حاکم وقت کے دربا سے دور تھے یا درباری تھے، قوی حافظہ کے مالک تھے یا ضعیف حافظہ والے، سچ بولنے والے تھا یا جھوٹ بولنے والے، آخر عمر تک اس کی عقل کام کرتی تھی یا آخری عمر میں ضعیف العقل ہو گئے تھے، حدیث نقل کرنے میں کسی دوسرے کے ساتھ شریک تھے یا تنہا روایت کرتے تھے حتی راویوں کی جمع کی گئی حدیثوں کے نمبر تک بھی معین کئے گئے ہیں۔

بعض طبقات اپنے شاگرد کے نام پر روایت نقل کرنے کی اجازت نامے جاری کرتے تھے اور شاگرد (راوی) کو سرٹیفکیٹ دیتے تھے او خود ان روائی اجازوں کو علماء نے دسیوں جلد کتابوں میں ضبط کیا ہے اور اس کے علاوہ دسیوں کوائف حدیث کے راویوں کے بارے میں لکھے گئے ہیں علم حدیث کی اتنی اہمیت تھی کہ اسے دیکھنے کیلئے ایک شہر سے دوسرے شہر میں جاتے تھے، جیسے کہ آج کل علم حاصل کرنے کیلئے ایک ملک سے دوسرے ملک میں سفر کرتے ہیں خراسان سے مدینہ، یمن سے مصر اور ری سے بغداد جاتے تھے، نیز نیشابور، کوفہ، بصرہ ، بلخ اور سمرقند وغیرہ جاتے تھے۔

راویوں کے حالات میں تالیف کی گئی کتابیں چند حصوں میں تقسیم کی گئی ہیں، اکثر کتابوں میں راویوں کے نام اور مؤلف کا زمانہ الف، باء کی ترتیب سے لکھا گیا ہے اوران کے حالات کی تشریح بھی لکھی گئی ہے جیسے: ''تاریخ کبیر''، ''وسیط بخاری'' صاحب صحیح بخاری، ''جرح وتعدیل'' رازی، تہذیب بن مزی، میزان الاعتدال ذہبی، تہذیب التہذیب، لسان المیزان، ابن حجر عسقلانی کی تقریب التہذیب۔

بعض کتابیں سال کی ترتیب سے لکھی گئی ہیں، یعنی ہر ایک راوی کی زندگی کے حالات اس کی وفات کے سال میں لکھے گئے ہیں، جیسے: ''التہذیب'' ابن حجر عسقلانی، ''العبر'' تالیف ذہبی، ''شذرات الذہب'' تالیف ابن عمار، ''الرفیات'' تالیف صلاح الدین صفری، ''تکملۃ الرفیات'' منذری، اور بعض تاریخ کی کتابوں سے بھی راوی کے سال وفات میں اس کے حالات کی تشریح لکھی ہے، جیسے: ''ابن اثیر''، ''ابن کثیر''، ذہبی نے ''تاریخ اسلام کبیر'' میں، ابن سعد نے طبقات میں ہر شہر کے راویوں کی طبقہ بندی کی ہے، جیسے: مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، ری، بغداد، یمن اور شام کے راوی،

جن علماء نے شہروں کیلئے مخصوص تاریخ لکھی ہے انہوں نے ان شہروں میں رہنے والے راویوں یا ان شہروں سے گزرنے والے راویوں کے حالات کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے، جیسے: ابن عساکر کی ''تاریخ دمشق''، خطیب بغدادی کی ''تاریخ بغداد''، ابونعیم اصفہانی کی ''تاریخ اصفہان'' حموی نے معجم البلدان میں شرح بلاد کے ضمن میں ان شہروں سے منسوب راویوں کو بھی لکھا ہے۔

بعض روات کسی شہر کی طرف منسوب ہوئے یا لقب سے مشہور تھے، جیسے: اصفہان، طبری،

عسکلی، عمری، برجمی و.. بعض دانشوروں نے ایسے راویوں کے حالات زندگی پر کتابیں لکھی ہیں، جیسے: سمعانی نے ''انساب'' میں اور ابن اثیر نے ''لباب الانساب'' میں اس نسبت کا ذکر کیا ہے اور جو بھی راوی اس نسبت سے مشہور تھے اس کو لکھا ہے، جب کبھی راویوں کے نام میں کوئی غلطی ہو جاتی تھی تو اس غلطی کو دور کرنے کیلئے کتابیں لکھی جاتی تھی، جیسے: المختلف و المؤتلف اور المشتبه و الاکمال۔

خلاصہ یہ کہ، جیسا کہ ہم نے کہا کہ علم حدیث، ایک اہم ترین علم اور مسلمانوں کی دلچسپی کا علم تھا ۔اس سلسلے میں تمام کوشش وتلاش کی گئی ہے کہ سند شناسی کے لحاظ سے کوئی تاریک نقطہ باقی نہ رہے۔ اس کے پیش نظر اگر ہم نے دیکھا کہ، سیف نے اپنی روایتوں کو اپنی دو کتابوں ''فتوح'' اور'' جمل'' میں جمع کیا ہے اور کسی سبب سے۔جسے ہم نے مناسب جگہ پر بیان کیا ہے۔ان دو کتابوں کو اس نے بنی امیہ کے زمانے میں لکھا ہے اس زمانے تک حدیث کے راوی گنے چنے تھے اور اس کے علاوہ سند شناسی کی کسی کتاب میں سیف کے راویوں کا نام ونشان نہیں پایا جاتا ہے، خاص طور پر جو تجربہ ہم سیف کے احادیث گڑھنے کے بارے میں رکھتے ہی، ہمارے لئے مسلم طور پر ثابت ہوگا کہ وہ راوی صرف اور صرف سیف کے خیال کے پیداوار ہیں اور کچھ نہیں۔

قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ ہم سیف کی روایتوں کی سند کی پڑتال اور تحقیق میں صرف اس زاویے کی طرف توجہ مبذول کراتے کہ اس حدیث کا فلان راوی وجود وخلقت کے بنیادی اصول کے تحت

سیف کے خیال کی پیدائش ہے اور اسی زاویہ پر اکتفا کرتے ہیں، لیکن دوسرے زاویے جو حدیث شناسی کے فن کے لحاظ سے روایت کی سند کی بناوٹ میں ہماری نظر میں قابل اعتراض ہیں جیسے: فلاں راوی کے بارے میں روایت کی سند میں باجود اس کے اس کا نام تاریخ میں ذکر ہوا ہے اور حقیقت میں راویوں میں سے ایک ہے، لیکن سیف کا اس سے روایت کرنا محل اشکال ہے جیسے اس داستان کی پانچویں روایت ہم اس قسم کے اشکالات کو نظر انداز کریں گے۔

فی الجملہ چونکہ رجال کی کتابوں میں عطیہ، صعب اور عثمان بن سوید کا کہیں نام ونشان نہیں ملتا، اس لئے ہم مجبور ہیں کہ انہیں سیف کے ذہن کی پیداوار شمار کریں، اور یہ کام علمائے حدیث کے راویوں کی نظر میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے اور اسے ناقابل بخشش گناہ سمجھا جاتا ہے لیکن یہ سیف کی نظر میں ایک انتہائی سہل وآسان کام ہے جی ہاں! اس سادگی اور آسانی کے ساتھ کہتا ہے کہ: صعب بن عطیہ نے اپنے باپ عطیہ بن بلال سے میرے لئے روایت کی ہے؟! اور ان چند جملوں کے ذریعہ اس نے بیٹے، باپ اور جد پر مشتمل ایک گھرانے کو خلق کیا ہے تاکہ اپنی روایتوں کیلئے سند جعل کر سکے یہ تھی سیف کی روایتوں کی سند اور ملاحظہ ہو ان کا متن اور صحیح روایتوں سے ان کا موازنہ:

متن کے لحاظ سے سیف کی روایتوں کی قدر و قیمت

جب ہم سیف کی روایتوں کے متن کا دوسروں کی روایتوں سے تطبیق اور موازنہ کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سیف بن عمر نے ان روایتوں کے ایک حصہ کو مکمل طور پر جعل کیا ہے اور ان

کے ایک حصہ میں اپنی مرضی کے مطابق تحریف کر کے ان میں کچھ مطالب کا اضافہ کر دیا ہے، تا کہ اس طرح، خالد بن ولید پر کئے گئے اعتراض اور تنقید کا دفاع کر سکے اور اس نظریہ کی حمایت کیلئے پہلے اہل بحرین بنی تمیم اور سجاح کی روایتوں کو نقل کرنے کے ضمن میں راہ ہموار کی۔ اور وہاں پر مالک کے شک وشبہہ کا ذکر کیا ہے اور اس کے مقابلے میں ثابت قدم مسلمانوں کے ایک گروہ کو جعل کیا ہے اور انہیں مالک کے طرفداروں سے مجادلہ اور نبرد آزمائی کرتے دکھایا ہے اور ابوبکر کو ثابت قدم مسلمانوں پر حملہ کی غرض سے نبوت کے مدعی سجاح سے مالک کی موافقت جعل کی ہے، سجاح کی واپسی کے بعد مالک کو حیران و پریشان دکھایا ہے جبکہ مؤرخین میں سے کسی ایک نے نہیں کہا ہے کہ مالک نے ضرار کے ہاتھوں گرفتار ہونے کے وقت اپنے اردگرد کچھ لوگوں کو جمع کیا تھا اور اپنے ساتھ ایک فوج تیار کر رکھی تھی، جیسا کہ سیف نے کہا ہے، سیف اپنی رسوائی سے بچنے کیلئے چارہ جوئی کے طور پر اپنی چوتھی روایت میں اس زاویہ کو اپنے خیال میں اس وضاحت کے ساتھ تصحیح کرتا ہے کہ مالک نے اپنے حامیوں کو حکم دیا کہ متفرق ہو جائیں اور مالک کا یہ کام اس لحاظ سے نہیں تھا کہ اس نے اپنی کارکردگی سے پشیمان ہو کر توبہ کیا ہو بلکہ اس خوف و دہشت کی وجہ سے تھا جو اس پر طاری ہوا تھا۔

آخر کار ان باتوں نے رفتہ رفتہ مالک کے ارتداد کو ثابت کیا اس نے مالک کے ارتداد کو نہ صرف ان روایتوں سے ثابت کیا ہے بلکہ دوسری روایتوں میں بھی جس میں خالد کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے مالک کے ارتداد کو ثابت کیا ہے اور یہ کام اس غرض سے انجام دیا ہے تا کہ کوئی اس امر کی طرف

متوجہ نہ ہو جائے کہ مالک پر لگائی گئی تہمت درحقیقت خالد یا کسی اور کے دفاع میں ہے اور گر یہ ثابت ہو جائے کہ مالک کا قاتل خالد ہے تو عام فیصلہ خالد کے حق میں دیا جائے کہ اس نے ایسے شک کرنے والے مرتد شخص کو قتل کیا ہے۔

اس کے بعد اس نے خالد کی سپاہ میں موجود انصار اور خالد کے درمیان فرضی اختلافات درست کئے ہیں تا کہ خالد کا گناہ ابوبکر کی گردن پر نہ پڑے اور تاریخ پڑھنے والا خالد کے اس عمل کو ابوبکر سے نسبت نہ دے، سیف کی گڑھی ہوئی روایت میں انصار نے ابوبکر کا دفاع کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابوبکر نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا ہے، اور خالد پر یہ الزام نہ لگا سکے کہ وہ اس جرم کر مرتکب ہوا ہے چونکہ خالد نے واضح کیا ہے کہ اسے پے در پے فرمان ملتے تھے تا کہ تنقید و اعتراض صدا بصحرا ہو جائے۔

پھر راہ ہموار کرنے کے بعد سیف کہتا ہے: خالد نے اپنے سپاہیوں کو اسلام کی تبلیغ کرنے کیلئے مختلف علاقوں میں بھیجا اور حکم دیا کہ جو بھی ان کی دعوت کو قبول نہ کرے، اسے گرفتار کریں، ابوبکر سے نقل کی گئی ایک سفارش کے تحت اس سے کہیں زیادہ اور سخت تر سزا کا قائل ہوا ہے مزید کہتا ہے کہ مالک کے سپاہیوں کو دھوکہ دے کر خالد کے پاس لایا گیا جبکہ وہ خود بھی مالک کے باب میں اختلاف رکھتے تھے اس کے بعد خالد حکم دیتا ہے کہ مالک اور اس کے ساتھیوں کو جاڑے کی سرد رات میں جیل میں ڈال دیں اور انھیں گرم رکھنے کا انتظام کریں، فوجیوں نے اس گمان سے کہ خالد کنایہ میں بات کرتا ہے زندانیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، ان سب کو قتل کر ڈالا جب چیخ و پکار اور گریہ وزاری کی آوازیں

خالد کے کانوں تک پہنچیں تو وہ باہر آیا لیکن دیکھا کہ کام تمام ہو چکا ہے اور فوجی، قیدیوں کا قتل عام کر کے فارغ ہو چکے ہیں پھر اس کے بعد کہتا ہے: خالد نے عدہ تمام ہونے کے بعد مالک کی بیوی سے ہمبستری کی، تنہا اعتراض جو خالد کیلئے باقی رہتا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے جنگ کی حالت میں شادی کی ہے جو عربوں میں قبیح فعل شمار ہوتا ہے، اسی طرح اس نے ابو قتادہ خالد اور عمر کے درمیان گزرے واقعات کو تحریف کے ساتھ پیش کیا ہے۔

جی ہاں! اس کے خیال میں مالک کو غلطی سے قتل کیا گیا ہے اور اس کا سبب یہ تھا کہ خالد کے سپاہیوں نے خیال کیا تھا کہ خالد نے ان کے ساتھ کنایہ میں بات کی ہے، ہم تو یہ نہ سمجھ سکے کہ اس خیال کا سرچشمہ کیا تھا؟ باوجودیکہ خود خالد قبیلۂ قریش اور بنی مخزوم سے تعلق رکھتا تھا اور ضرار بن ازور (قاتل) قبیلۂ بنی اسد و بنی ثعلبہ سے تھا، بالفرض اگر یہ قتل غلطی کے سبب بھی انجام پایا تھا، تو مقتولین کے قلم کئے گئے سروں کو کیوں کھانا پکانے والی دیگوں کے پایہ کے طور پر استعمال کیا گیا؟ یہ اور اس کے علاوہ دیگر نکات (جن کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں ہے) ایسے مطالب ہیں جنہیں صرف سیف نے نقل کیا ہے اور اسکے علاوہ کسی اور نے نقل نہیں کیا ہے، لیکن کیا کیا جائے کہ طبری جیسے مؤرخ پیدا ہوتے ہیں اور اس کی باتوں کو اپنی تاریخ میں درج کر دیتے ہیں اور دوسرے بھی مانند ابن اثیر، ابن کثیر، میرخوان جیسے لوگ اپنی تاریخ کی کتابوں میں طبری سے نقل کرتے ہیں اور اسی طرح ابن حجر بھی اپنی کتاب الاصابہ میں انھیں درج کرتے ہیں، نتیجہ کے طور پر سیف کی گڑھی ہوئی روایتیں ابن

حجر بھی اپنی کتاب الاصابہ میں انھیں درج کرتا ہے نتیجہ کے طور پر سیف کی گڑھی ہوئی روایتیں تاریخ اسلام اور رجال کی کتابوں میں شائع ہو جاتی ہیں اور حقیقت واقعہ آئندہ نسلوں سے پوشیدہ رہ جاتا ہے مگر یہ کہ کوئی (سیف کے علاوہ) دوسروں کی لکھی گئی تاریخ اور تشریح کا سنجیدہ گی سے مطالعہ کر کے چھان بین کرے تا کہ اس پر حقیقت امر واضح اور روشن ہو جائے اور جان لے کہ سیف کے کہنے کے علاوہ دیگر مصادر نے بھی (جیسا کہ اس سے پہلے کہا گیا) خالد کا مالک کے قتل کا حکم دینا نقل کیا ہے، جیسے: فتوح البلدان بلاذری[1]، تاریخ ابن عساکر[2]، تاریخ الخمیس ج ۲ / ص ۳۳۳، نہایۃ ابن اثیر ج ۳ / ۲۵۷، صواعق المحرقہ ص ۲۱، تاج العروس زبیدی ج ۸ / ص ۷۵ وغیرہ،

یہ تھی ''ردہ'' کی جنگوں میں سے ایک جنگ کی داستان و علی ھذہ فقس ما سواھا اور اسی پر باقی کو قیاس کیجئے۔

۱۔ صفحہ ۱۰۵۔

۲۔ ج ۵ / ۱۰۵، ۱۱۲۔

علاء حضرمی کی داستان اور بحرین کے لوگوں کا ارتداد

واقتتلوا قتالا شدیداً فما ترکوا بها مخبراً

"علاء کے سپاہیوں نے دارین کے لوگوں سے ایسی جنگ کی اور ان پر تلوار چلائی کہ حتی ان میں سے ایک شخص بھی زندہ نہیں بچا"

سیف

علاء حضرمی، عبداللہ بن عماد بن اکبر بن ربیعہ بن مالک بن عویف حضرمی کا بیٹا ہے اس کا باپ مکہ کا باشندہ تھا اور حرب بن امیہ کا ہم پیمان تھا، علاء کو رسول خدا نے بحرین کا گورنر مقرر فرمایا تھا، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ابوبکر نے بھی اسے اسی عہدہ پر برقرار رکھا اور عمر کے زمانے میں بھی اسی عہدہ پر برقرار تھا یہاں تک کہ ۱۴ھ یا ۲۱ھ میں اس دنیا سے چلا گیا[1]

سیف کی روایتوں میں علاء کی داستان

طبری نے سیف سے اور اس نے منجاب بن راشد[2] سے نقل کیا کہ ابوبکر نے علاء حضرمی کو حکم

۱۔ الاستیعاب ج ۳ ص ۱۴۶، ۱۴۸۰، الاصابہ ۴۹۱۔

۲۔ اغلب گمان یہ ہے کہ منجاب بن راشد سیف کی خیالی پیداوار ہے ہم مناسب جگہ پر کہیں گے کہ سیف نے اس قسم کے اصحاب بہت جعل کئے ہیں۔

دیا کہ بحرین کے مرتد لوگوں سے جنگ کریں یہاں تک کہتا ہے:

''ہمیں دہنا[1] کے راستہ سے روانہ کیا، جوں ہی ہم اس بیابان کے بیچ میں پہنچ گئے اور خداوند عالم نے اپنی آیات میں سے ایک آیت کو ہمیں دکھانا چاہا، علاء مرکب سے نیچے اترا اور لوگوں کو بھی حکم دیا کہ اپنے اپنے مرکبوں سے نیچے اتریں، جب ہم سب نے وہاں پر پڑاؤ ڈالا تو ہمارے اونٹوں نے اندھیری رات میں اچانک فرار کیا اور ہمارا پورا مال ومنال اس ریگستاں میں ایسے نابود ہوا کہ پڑاؤ ڈالتے وقت نہ ہمارے اونٹ کہیں تھے اور نہ زادراہ کا نام ونشان موجود تھا، کیوں کہ ہمارے اونٹ سب کچھ لے کر ریگستان میں غائب ہو چکے تھے ہم نے کسی مصیبت زدہ گروہ کو اس حالت میں نہیں دیکھا تھا جو اس رات ہم پر گزری، ہم اس حد تک مصیبت میں گرفتار ہوئے تھے کہ اپنی زندگی سے بھی مایوس ہو چکے تھے اور ہم میں سے ہر ایک، ایک دوسرے کو وصیت کرتا تھا، اسی اثناء میں علاء کے منادی نے آواز بلند کر کے سپاہیوں کو ایک جگہ جمع ہونے کا اعلان کیا ہم سب علاء کے اردگرد جمع ہوئے، اس نے ہم سے مخاطب ہو کر کہا: تم لوگوں میں یہ کیا حالت پیدا ہوئی ہے؟

لوگوں نے جواب میں کہا: کیا یہ ملامت کا موقع ہے؟ اگر ہم اس موجودہ صورت حال میں رات گزاریں گے تو کل سورج روشن ہونے سے پہلے ہی ہمارا نام ونشان باقی نہیں رہے گا۔

علاء نے کہا: اے لوگو! نہ ڈرو کیا تم مسلمان نہیں ہو،؟ کیا تم خدا کی راہ میں قدم نہیں اٹھا رہے ہو!

۱۔ دہنا بنی تمیم کے قبیلہ کی زمینوں میں سے ہے جس میں ریت کے سات پہاڑ تشکیل پائے ہیں، معجم البلدان ج ۴/ ۱۱۵

کیا تم خدا کے یاور نہیں ہو؟

انہوں نے کہا کیوں نہیں!

اس نے کہا: پھر میں تمہیں نوید دے رہا ہوں، خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ خداوند عالم ہرگز تمہارے جیسی حیثیت کے مالک فرد کو ذلیل وخوار نہیں کرے گا جب صبح نمودار ہوئی منادی نے نماز کیلئے اعلان کیا اور علاء نے نماز ہمارے ساتھ پڑھی ہم میں سے بعض نے تیمّم کر کے نماز پڑھی اور بعض دیگر ابتدائے شب ہی سے باوضو تھے علاء نے جب نماز سے فراغت حاصل کی تو دوزانو بیٹھ گیا لوگ بھی دوزانو بیٹھ گئے، اس نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے بھی دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے، اس دوران سورج کی گرمی کی وجہ سے دور سے پانی کی لہریں نظر آنے لگیں، علاء نے جماعت کے صف کی طرف رخ کر کے کہا؛ کوئی جا کر دیکھ لے یہ کیا ہے تو ایک شخص جا کر واپس آیا، اس نے کہا: یہ ایک سراب کے علاوہ کچھ نہیں ہے، علاء نے پھر سے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے، ایک اور سراب نمودار ہوا جو بالکل پہلے کی طرح تھا، اس کے بعد پھر سے پانی کی لہریں دکھائی دینے لگیں، اس دفعہ ہمارا راہنما واپس آ کر بولا ''پانی ہے''

پھر علاء اٹھا اور لوگ بھی اٹھے ہم سب پانی کی طرف روانہ ہوئے اور پانی تک پہنچ گئے ہم نے پانی پی لیا وراور ہاتھ منھ دھویا، ابھی سورج بلند نہ ہوا تھا کہ ہم نے دیکھا ہمارے اونٹ ہر طرف سے ہماری طرف ہانکے جا رہے ہیں، جب وہ ہمارے پاس پہنچے تو ہمارے سامنے جھک کر بیٹھ گئے

اور ہر ایک نے اپنے اونٹ کو پکڑ لیا، ان کے مال کا ایک ذرہ بھی کم نہیں ہوا تھا ہم نے اپنے مرکبوں کو پانی پلایا اوخود بھی سیراب ہوئے اور ہم وہاں سے روانہ ہو گئے ابو ہریرہ میرے ساتھ تھا، جب ہم اس جگہ سے آگے بڑھے اور وہ جگہ نظروں سے اوجھل ہوئی، تو ابو ہریرہ نے مجھے کہا: کیا پانی کی جگہ کو پہچان سکتے ہو؟ میں نے جواب میں کہا: تمام لوگوں سے بہتر میں اس سرزمین کے بارے میں آشنا ہوں اس نے کہا: میرے ساتھ آؤ تا کہ مجھے اس پانی کے کنارے پہنچا دو، ہم دونوں ایک ساتھ آکر اس جگہ پہنچے ،لیکن ہم نے انتہائی تعجب کے ساتھ مشاہدہ کیا کہ نہ وہ تالاب موجود تھا اور نہ پانی کا کہیں نام ونشان باقی تھا میں نے اس سے کہا: خدا کی قسم اگر میں تالاب کو یہاں غائب نہ پاتا تو کہتا: یہ وہی جگہ ہے، دلچسپ کی بات یہ ہے کہ میں نے اس سے پہلے بھی یہاں پر پانی نہیں دیکھا تھا، ہم اس گفتگو میں لگے تھے کہ ابو ہریرہ کی نگاہ اس کے اپنے لوٹے پر پڑی جو پانی سے بھرا تھا، اس نے کہا: اے ابو سہم خدا کی قسم یہ وہی جگہ ہے اور میں اسی لوٹے کیلئے واپس آیا ہوں اور تجھے بھی اسی لوٹے کیلئے اپنے ساتھ لے آیا ہوں میں نے اس میں پانی تالاب کے کنارے رکھا تھا تا کہ واپس آکر دیکھ لوں کہ پانی کا کوئی اتا پتہ ہے کہ نہیں اس صحرا میں پانی کا نمودار ہونا ایک معجزہ تھا، اب مجھے معلوم ہوا کہ یہ معجزہ تھا، لہذا بو ہریرہ نے خدا کا شکر ادا کر کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔

اس کے بعد سیف بحرین کے مرتد لوگوں سے علاء کی جنگ کی داستان نقل کرتا ہے اور اس سلسلے میں کہتا ہے: علاء کی فوج نے اس رات میں (جب سب مست تھے) فتح پائی یہاں تک اپنی

کتاب کے صفحہ نمبر ۵۲۶ پر لکھتا ہے جب علاء نے اس طرف سے خاطر جمع ہو کر سکون حاصل کیا تب اس نے لوگوں کو شہر ''دارین'' کی طرف روانہ ہونے کی دعوت دی اور ان کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا اور بولا:

خداوند عالم نے شیاطین اور جنگ سے فرار کرنے والوں کو اس شہر میں جمع کیا ہے، اس نے اپنی آیات صحرا میں تمہارے لئے دکھلائی ہیں، تا کہ تم لوگوں کیلئے عبرت اور اطمینان کا سبب بنو، لہذا اٹھو! اور اپنے دشمن کی طرف رخ کر کے سمندر میں کود پڑو کہ خداوند عالم نے تمہارے دشمن کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

فوجیوں نے کہا: خدا کی قسم صحرائے ''دھنا'' کی داستان کے بعد مرتے دم تک ہم کسی بھی خطرناک واقعہ کے رونما ہونے سے خائف نہیں ہوں گے۔

علاء اپنے مرکب پر سوار ہوا اور اس کے فوجی بھی سوار ہوئے اور سمندر کے ساحل پر پہنچے، علاء اور اس کے سپاہی یہ دعا پڑھ رہے تھے: **یا ارحم الراحمین یا کریم یا حلیم یا احد یا صمد یا حی یا محیِی الموتی یا حی یا قیوم لا اله الا انت یا ربنا** اس کے بعد خدا کا نام لے کر سمندر میں کود پڑے ان کے قدموں تلے سمندر کا پانی نرم زمین کے مانند تھا پانی صرف اونٹوں کے سموں کے اوپر والے حصہ تک پہنچتا تھا دریا سے شہر دارین تک سمندر میں کشتیوں کے ذریعہ ایک دن رات کا فاصلہ تھا۔ ''دارین'' پہنچ کر وہ دشمن کی فوج سے نبرد آزما ہوئے، گھمسان کی جنگ ہوئی، دشمن پر انہوں نے ایسی تلوار چلائی کہ ان میں سے ایک نفر بھی زندہ نہ بچا، جو ان کی کوئی خبر لاتا ان کے بال بچوں کو اسیر کیا گیا اور ان کا مال لوٹ لیا گیا، اس قدر دولت ہاتھ آئی کہ ہر سوار کو چھ ہزار اور ہر پیادہ کو

دو ہزار کا حصہ ملا پھر وہ اسی روز اس طرح واپس چلے گئے جس طرح آئے تھے، عفیف بن منذر نے اس واقعہ کے متعلق یوں کہا:

ألم تر انَّ اللّه ذلّل بحره و انزل بالكفار احدى االجلائل

دعونا الذي شقّ الرمال فجائنا باعجب من فَلْقِ البحار الاوائل

ترجمہ:

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خداوند عالم نے کس طرح سمندر کی پرخروش اور سرکش لہروں کو رام کیا اور کفار کے سر پر ایک بڑی بلاء و مصیبت ڈال دی؟ ہم نے ایک ایسے خدا سے التجا کی جس نے ریگستان کی ریت کو توڑ دیا (اور ہمارے لئے پانی جاری کیا) اس نے بھی ہماری دعا قبول کی اور ایسا کام کیا کہ گزشتہ زمانوں میں (دوران فرعون) سمندر کو چیرنے سے عجیب تر تھا۔

اسکے بعد طبری کہتا ہے:

''جب علاء بحرین واپس آیا تو اس وقت اس سرزمین میں اسلام پائدار و مستحکم ہو گیا تھا اہل اسلام عزیز اور اہل شرک ذلیل ہو گئے مسلمانوں کے ہمسفر ایک راہب نے اسلام قبول کیا تو اس سے سوال کیا گیا کہ تیرے اسلام قبول کرنے کا کیا سبب ہوا؟ اس نے جواب میں کہا: میں نے تین چیزوں کا مشاہدہ کیا اور ڈر گیا کہ اگر ان کا مشاہدہ کرنے کے باوجود ایمان نہ لاؤں، تو خداوند عالم مجھے ایک حیوان کی صورت میں مسخ کر دے گا۔

۱۔ ریگستان میں جاری ہونے والا پانی

۲۔ سمندر کی طوفانی لہروں کا راستہ میں تبدیل ہونا۔

۳۔ ہنگام سحر لشکر اسلام سے جو دعا میں نے سنی۔

سوال کیا گیا: وہ دعا کیا تھی؟

اس نے کہا:

اللّٰھم انت الرحمن الرحیم ، لا الہ غیرک ، و البدیع لیس قبلک شیء و الدائم غیر الغافل ، والحی لا یموت ، و خالق ما یری ، و ما لا یری و کل یوم انت فی شأن و علمت اللّٰھم کل شیء بغیر تعلّم ،

پھر مجھے معلوم ہوا کہ ملائکہ ان لوگوں کیلئے مأمور کئے گئے ہیں کیونکہ وہ حق کی راہ پر چلتے ہیں،

بعد میں رسول خداؐ کے اصحاب نے اس راہب سے مذکورہ واقعہ سنا۔

علاء نے حضرت ابوبکر کو لکھا: امابعد، خداوند عالم نے ریگستان کو ہمارے لئے ایک ایسے چشمے میں تبدیل کردیا ہے جس کی انتہا نظر نہیں آتی تھی: اس طرح ہمارے مشکل اور غم واندوہ میں گرفتار ہونے کے بعد اپنی قدرت کی ایک آیت اور عبرت کے اسباب ہمیں دکھایا، تاکہ ہم خدا کا شکر بجالائیں، لہذا آپ بھی ہمارے لئے دعا کیجئے اور خدا سے درخواست کیجئے کہ اپنے لشکر اور اسکے دین کی یاری کرنے والوں کی مدد فرمائے۔

جب حضرت ابوبکر کو یہ خط ملا تو انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور دعا کرتے ہوئے کہا: ہر وقت

جزیرۃ العرب کے بیابانوں کے بارے میں بات چھڑتی تھی، عرب کہتے تھے لقمان سے پوچھا گیا: کیا ''دہنا'' کے ریگستانوں میں کنواں کھودیں؟ لقمان نے منع کیا اور اجازت نہیں دی کہ وہاں پر کھدائی کی جائے، کیونکہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ اس سرزمین میں پانی اتنی گہرائی میں ہے کہ کوئی بھی رسی، اس تک نہیں پہنچ سکتی اور اس سرزمین سے ہرگز کوئی چشمہ ابل نہیں سکتا ایسی صورتحال میں اس سرزمین پر پانی کا وجود خدا کی عظیم نشانی ہے اس سے قبل کسی بھی امت میں ایسا واقعہ رونما نہیں ہوا ہے، الٰہی! وجود محمدؐ کے اثرات و برکات کو ہم سے نہ چھین لینا''۔[1]

اس افسانہ کو ابن کثیر نے اپنی تاریخ[2] میں سیف سے تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے اور ابوالفرج نے بھی ''الاغانی'' میں اسی روایت کو طبری سے نقل کرکے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے بے شک ان تمام دانشوروں اور علماء نے اس افسانہ کو سیف سے نقل کیا ہے۔

سیف کے علاوہ دوسروں کی روایت میں علاء کی داستان

ہم نے علاء کی داستان کے بارے میں سیف کی روایت کو پڑھا، لیکن سیف کے علاوہ دوسرے اس بارے میں کچھ اور روایت نقل کرتے ہیں جو سیف کی روایت سے سازگار نہیں ہے، مثال کے طور پر بلاذری فتوح البلدان میں لکھتے ہیں: ''خلافت عمر بن خطاب کے زمانے میں ''زارہ'' اور ''دارین'' کے لوگوں سے جنگ کرنے کیلئے علاء روانہ ہوا، لیکن ''زارہ'' کے لوگ جنگ کیلئے آمادہ نہیں

۱۔ تاریخ طبری، ج ۲/ ۵۲۲۔ ۵۲۸۔

۲۔ تاریخ ابن کثیر، ج ۶/ ۳۲۸، و ۳۲۹۔

ہوئے اور صلح کے دروازے سے داخل ہو کر علاء سے صلح کا عہد پیمان باندھ کر جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا اور صلح کی شرط یہ تھی کہ شہر کی دولت کا ایک تہائی نیز وہاں پر موجود سونے چاندی کا ایک تہائی علاء کو دیا جائے اور شہر سے باہر موجود اموال کا نصف اس کو دیا جائے ، اخنس بن عامری علاء کے پاس آیا اور کہا کہ انہوں نے اپنے بارے میں آپ سے صلح کی ہے لیکن ''دارین'' میں موجود اپنے خاندان کے بارے میں کوئی صلح نہیں کی ہے ، ''کراز النکری'' نامی ایک شخص نے علاء کو پانی کے درمیان سے گزرنے والے ایک خشکی کے راستے ''دارین'' تک پہنچانے میں راہنمائی کی ۔ علاء مسلمانوں کے ایک گروہ کے ہمراہ اسی راستہ سے روانہ ہوا ، اہل ''دارین'' جو بالکل بے خبر تھے ، نے اچانک مسلمانوں کے ''اللہ اکبر'' کا نعرہ سن کر اپنے گھروں سے باہر نکل آئے ، وہ تین جانب سے حملہ کا نشانہ بنے ، ان کے جنگجو اسلام کے سپاہیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے اور ان کے اہل وعیال کو اسیر بنایا گیا''

سیف کی روایت کا متن اور دیگر تاریخ نویسوں کے متن سے اس کی تطبیق :

قارئین کرام نے یہاں تک علاء کی داستان اور بحرین کے باشندوں کے ارتداد کے بارے میں سیف اور غیر سیف کی روایت کو ملاحظہ فرمایا ، اب ہم روایتوں کے ان دو سلسلوں ۔ جو مضمون کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں ۔ کی تطبیق اور موازنہ کرتے ہیں اور سیف کی روایت کے متن کی ساخت کے لحاظ سے باطل ہونے کو واضح اور روشن کریں گے ۔

سیف نے ابوبکر کے لشکر کیلئے ان جنگوں میں (جنہیں جنگ ''ردہ'' کہا جاتا تھا) خشک بیابان

میں پانی کا تالاب جعل کیا ہے، البتہ ان کے اونٹوں کے رم کر کے فرار کرنے کے بعد اور مطلب کی مکمل طور پر تائید کرنے کیلئے کہا ہے کہ ابو ہریرہ اپنے ساتھی کے ہمراہ دوبارہ اس جگہ کی طرف لوٹے اور تالاب کے کنارے رکھے ہوئے اپنے لوٹے کو اس صورت میں موجود پایا، لیکن تالاب کا کہیں کوئی نام ونشان نہ تھا، اور اس کے علاوہ کہا ہے کہ لقمان نے (ان تمام خداداد حکمت کے باوجود) بیابان میں کنواں کھودنے کی اجازت نہیں دی تھی کیونکہ اس کنوے کے عمق تک پہنچنے والی رسی موجود نہیں تھی اس کے بعد ان کیلئے ایک اور معجزہ گڑھ لیا ہے کہ اس کے کہنے کے مطابق اس سے پہلے کسی نے ایسا معجزہ نہیں دیکھا یا، اگر چہ موسیٰ ابن عمران نے دریا کو چیر ڈالا، لیکن (موسیٰ ید بیضا کے ذریعہ) پانی کے اوپر سے نہ چل سکے، اس مطلب کی تائید میں عفیف بن منذر کے دو شعر بھی نقل کرتا ہے اور ان کے ہمسفر راہب کے اسلام قبول کرنے کو اپنی صداقت ثابت کرنے کیلئے ایک دوسری تائید پیش کرتا ہے اس بیچارہ نے ان معجزوں کو دیکھ کر اور ملائکہ کی دعا کو سن کر اسے خدا کی طرف سے ابو بکر کے لشکر کی تائید سمجھ کر اسلئے اسلام قبول کیا تا کہ مسخ نہ ہو جائے اور اپنی بات کی آخری تائید کے طور پر اس خط کو پیش کرتا ہے جیسے ابو بکر کے نام لکھا تھا اور ان سے دعا کی درخواست کی تھی تو ابو بکر نے بھی اس کے التماس کو منظور کر کے منبر پر جا کر اس کیلئے دعا کی تھی۔

سیف ایسے افسانہ کو جعل کرتا ہے اور طبری، حموی، ابن اثیر، ابن کثیر اور دوسرے مؤرخین اور علمائے حدیث اس کی روایت کے استناد کی بناء پر اس افسانہ کو اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں اور نتیجہ

کے طور پر یہ افسانے تاریخ اسلام کے جزو قرار پاتے ہیں جبکہ حقیقت اس کے علاوہ صرف اتنی ہے کہ لشکر اسلام دارین کی طرف جا رہا تھا کہ ان کے راستے میں ایک دریا ملا، جس میں عبور کرنے کا راستہ بھی موجود تھا اور یہ راستہ ابوبکر کے لشکر کیلئے مخصوص نہیں تھا بلکہ ہر ایک راہی اس طرف سے دریا کو عبور کرسکتا تھا، لہذا ''کراز نکری'' پہلے سے اس راستہ کے بارے میں علم رکھتا تھا اور اس نے ابوبکر کے لشکر کی راہنمائی کی تھی اور انھیں پانی سے عبور کرا دیا تھا، ان تمام باتوں کے علاوہ، جنگ ابوبکر کے زمانے میں واقع نہیں ہوئی ہے (جیسا کہ سیف نے کہا ہے) بلکہ یہ جنگ عمر کے زمانے میں واقع ہوئی ہے ان تمام مطالب کو صرف سیف نے نقل کیا ہے اور یہ اسکی خصوصیات میں سے ہے۔

چنانچہ وہ جنگ کی کیفیت نقل کرنے میں بھی منفرد ہے، کہتا ہے: ''انہوں نے ایک شدید جنگ لڑی، حتی کہ ان میں سے ایک نفر بھی زندہ باقی نہ بچا تا کہ ان کی کوئی خبر لے کر آتا''[1]

سیف کی روایتوں کی سند

جعلی اور من گڑھت تھی سیف کی روایتوں کا متن ملاحظہ فرمایا، لیکن اس روایت کے سند کے لحاظ سے باطل اور کمزور ہونے کے سلسلے میں اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اس روایت کو صعب بن عطیہ سے نقل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس روایت کو اس نے اپنے باپ عطیہ بن بلال سے میرے لئے نقل کیا ہے اور ہم نے مالک بن نویرہ کی داستان میں ثابت کر دیا کہ یہ باپ، بیٹے اور جد سیف کے خیالات

۱۔ اس افسانوی راہب کی جعلی دعا کو ابن طاوس نے کتاب ''مہج الدعوات'' میں تاریخ ابن اثیر سے نقل کرکے اپنی کتاب کی دعاؤں میں شامل کیا ہے۔

کی پیداوار ہیں اور ہرگز ایسے افراد اور کارندوں کا دنیا میں وجود ہی نہیں تھا، یہ ہے سیف کی روایت کے متن اور اس کی سند کا عالم!

یہ سیف کی ''مرتدین'' کی داستانوں کی دوسری داستان تھی جسے ہم نے اس فصل میں بیان کیا اور اگلی فصل میں تیسری داستان ملاحظہ فرمائیں۔

ام زمل کا ارتداد اور حوأب کی داستان

وَضع سیف هذهِ الأُسطورة دِفاعاً عن عائشة

سیف نے اس داستان کو عائشہ کے دفاع کیلئے جعل کیا ہے۔

مؤلف

سیف کی روایت کے مطابق داستان حوأب

طبری نے حوأب[1] کی داستان کو ہوازن کے ارتداد کے حصہ میں یوں بیان کیا ہے:

ام زمل[2] مالک بن حذیفہ بن بدر کی بیٹی تھی وہ ام قرفہ کے دنوں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اسیر ہوئی اور عائشہ کے حصہ کے طور پر اسے دی گئی اور عائشہ نے اسے آزاد کر دیا۔ لیکن وہ بدستور عائشہ کی لونڈی کی حیثیت سے رہی اور آخر میں اپنے خاندان کی طرف لوٹی، ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لئے گئے اور فرمایا: ''تم میں سے ایک، حوأب کے کتوں[3] کے

۱۔ حوأب بصرہ کے راستہ پر ایک منزل گاہ ہے۔

۲۔ لسان المیزان، ج ۹۲۲/۳۔

۳. إنَّ أحدكنَّ تسنبح كلاب الحوأب.

بھو نکنے کا سبب ہوگی اور یہ کا مسلمی سے انجام پایا، جبکہ وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد اپنے اُن رشتہ داروں کو خونخواہی کا مطالبہ کرتے ہوئے جو زمانہ رسول میں قتل کر دیئے گئے تھے، اظھی اور ظفر اور حواَب کے درمیان گشت لگا رہی تھی تا کہ ان قبیلوں میں سے ایک لشکر کو اپنے گرد جمع کرے، جب یہ خبر خالد کو پہنچی ....وہ اس عورت کی طرف روانہ ہوا جس نے اپنے گرد ایک لشکر کو جمع کیا تھا، خالد اس عورت کے پاس آیا اور ان کے درمیان گھسان کی جنگ ہوئی یہ عورت اس وقت اونٹ پر سوار تھی ...کچھ سواروں نے اس کے اونٹ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور اونٹ کو پے کر کے اس عورت کو بھی قتل کر ڈالا۔

حموی نے بھی اس روایت کو سیف سے نقل کرتے ہوئے لغت حواَب کے ذیل میں اپنی کتاب معجم البلدان میں ذکر کیا ہے اور ابن حجر نے ''الاصابہ''[1] میں خلاصہ کے طور پر نقل کیا ہے لیکن روایت کی سند کو ذکر نہیں کیا ہے۔

سیف کی روایت کی سند

اس روایت کو سیف نے سہل وابوایوب سے روایت کیا ہے۔

سہل، سیف کی روایتوں کی سند میں، سہل بن یوسف سلمی ہے کہ اس کا نام سیف کی روایت کی سند نمبر ۲۶ میں تاریخ طبری میں آیا ہے ابن حجر[2] نے لسان المیزان میں کہا ہے کہ دونوں باپ بیٹے معروف نہیں ہیں، اس کے علاوہ ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے، نہ وہ معروف ہے اور نہ اس کا باپ اور

۱۔ ج ۲/۳۲۵۔

۲۔ لسان المیزان، ج ۲/۱۵۰۔

سیف نے اس سے روایت نقل کی ہے۔

رہا سوال، ابو یعقوب کا جو سیف کی روایتوں میں سند کے طور پر ذکر ہوا ہے، اس کا نام سعید بن عبید ہے بعض راوی اس نام کے تھے لیکن ان میں سے کسی ایک کی کنیت ابو یعقوب نہیں تھی۔

ذہبی نے راویوں میں سے ایک شخص کے بارے میں جس کا نام سعید بن عبید کہا ہے: یہ غیر معروف ہے یہ تھا روایت کی سند کے بارے میں اب ملاحظہ فرمایئے اس کے متن کے بارے میں:

سیف کی روایت کے متن کی قدر و قیمت

سیف نے یہاں پر دو حقیقی داستانوں کو آپس میں ملا کر اس میں چند جھوٹ کا بھی اضافہ کیا ہے داستان کی اصلی حقیقت جیسے کہ ابن سعد و ابن ھشام نے روایت کی ہے وہ یوں ہے:

پیغمبر اسلام نے ۶ھ کو رمضان کے مہینہ میں زید بن حارثہ کی سرکردگی میں ایک لشکر قبیلۂ فزارہ سے جنگ کرنے کیلئے بھیجا، اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ اس سے پہلے زید ایک کاروان کے ہمراہ اصحاب پیغمبرؐ سے تجارتی مال لے کر شام رفت آمد کرتے تھے۔ جب وہ مدینہ سے سات منزل کی دوری پر وادی القری پہنچے، قبیلۂ فزارہ نے ان پر حملہ کیا اور ان کے تجارتی مال کو لوٹ کر لے گئے اور زید اس واقعہ میں سخت زخمی ہوئے اور میدان جنگ میں زمین پر گر پڑے، صحت یاب ہونے کے بعد مدینہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور میں پہونچے اور روداد کو حضرت کی